

کتاب التَّوَسُّلِ

(وسیلے کا شرعی تصوّر)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری



منہاج القرآن پبلیکیشنز

کتاب التوسل

(وسیلے کا شرعی تصور)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین:

محمد تاج الدین کالامی، محمد فاروق رانا

منہاج القرآن پبلیکیشنز

365- لیم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحق تحریک منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	: کتاب التوسل (وسیلے کا شرعی تصور)
خطبات و دراسات	: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	: محمد تاج الدین کالامی، محمد فاروق رانا (منہاجینز)
نظر ثانی	: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، ضیاء نیر
زیر اہتمام	: فرید ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	: منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اشاعت اول	: نومبر 1999ء (2,200)
اشاعت دوم	: فروری 2001ء (1,100)
اشاعت سوم تا نہم	: نومبر 2001ء تا مارچ 2008ء (7,700)
اشاعت دہم	: فروری 2009ء (1,100)
اشاعت یازدہم	: مارچ 2011ء
تعداد	: 1,200
قیمت	: -/ 250 روپے

ISBN 969-32-0559-6

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو ریڈیو کیسٹس، CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریک منہاج القرآن کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk



مَوْلَانِي صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ
وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُولِ اللَّهِ مُلْتَمِسٌ
عُرْفًا مِنْ الْبَحْرِ وَرِشْفًا مِنَ الدِّيمِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّيِّبِينَ وَبَارَكَ فِيهِمْ وَسَلَّم

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ اے) ۱-۳-۸۰/پی آئی
وی، مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۳-۲۰ جنرل
وایم ۳/۹۷۰-۷۳، مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء شمال مغربی سرحدی صوبہ حکومت کی چٹھی
نمبر ۲۳۳۱۱-۶۷ این۔ اے/۱ اے ڈی (لابیری) ، مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء اور آزاد
حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت/انتظامیہ ۶۳-۶۱/۸۰۶۲،
مورخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان
صوبوں کے تمام کالجز اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
✽	پیش لفظ	۱۹
✽	باب اوّل..... حقیقتِ تَوَسُّل	۲۱
✽	فصل اوّل: تَوَسُّل کے بنیادی تصوّرات	۲۳
۱	تَوَسُّل کے بارے میں مختلف آراء	۲۸
۲	عقیدہ تَوَسُّل کا صحیح تصور	۳۰
۳	تَوَسُّل سے متعلق ضروری اصلاحات	۳۳
✽	فصل دوم: تَوَسُّل کا لغوی و شرعی مفہوم اور اس کی اقسام	۳۵
۴	تَوَسُّل کا لغوی مفہوم	۳۷
۵	تَوَسُّل کا شرعی مفہوم	۳۸
	۱۔ مقامِ محمود	۳۸
	۲۔ قربتِ الہی	۳۹
	۳۔ مطلق مُتَوَسِّل بہ	۴۰
۶	اقسامِ تَوَسُّل	۴۱
	۱۔ التَّوَسُّلُ لِلدَّعَاءِ	۴۱
	۲۔ التَّوَسُّلُ فِي الدَّعَاءِ	۴۱
	دونوں قسموں میں فرق	۴۲
	تَوَسُّل فِي الدَّعَاءِ کی اقسام	۴۲

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
	۱۔ تَوَسُّل لفظی	۴۲
	۲۔ تَوَسُّل نفسی	۴۳
	۳۔ التَوَسُّل بالدعاء	۴۴
	۴۔ التَوَسُّل بالنداء ایابالا استغاثہ	۴۵
۷	تَوَسُّل، شفاعت اور استعانت کا باہمی تعلق	۴۸
	باب دُوم..... عقیدہ تَوَسُّل (قرآن کی روشنی میں)	۵۱
۸	دلیل نمبر ۱: تلاش وسیلہ کا حکم	۵۳
۹	دلیل نمبر ۲: تلاش وسیلہ امرِ جائز	۵۵
۱۰	دلیل نمبر ۳: ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے تَوَسُّل کا حکم	۵۸
۱۱	دلیل نمبر ۴: حضور ﷺ کے وسیلہ سے روزِ قیامت تکلیف سے	۵۹
	نجات	
۱۲	دلیل نمبر ۵: ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے ہدایت پر استقامت	۶۰
۱۳	دلیل نمبر ۶: ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے عذاب کا ٹل جانا	۶۱
۱۴	دلیل نمبر ۷: حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام کی	۶۳
	عبادت گاہ کو وسیلہ بنانا	
۶۴	ایک غلط فہمی کا ازالہ	
۶۵	تَوَسُّل سے دعا کی فوری قبولیت	
۱۵	دلیل نمبر ۸: قمیصِ یوسفی سے بصارتِ یعقوب علیہ السلام کا لوٹ آنا	۶۶
	ما فوق الاسباب کا حقیقی مفہوم	۶۷

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
۱۶	دلیل نمبر ۹: اپنے تذلل اور بے کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنا	۷۰
۱۷	دلیل نمبر ۱۰: ساری امت کے لئے دعا سے تَوَسُّل	۷۱
۱۸	دلیل نمبر ۱۱: لفظِ رب کی عباد الصالحین کی طرف اضافت سے تَوَسُّل	۷۲
۱۹	دلیل نمبر ۱۲: ذکرِ الہی وسیلہ ہے	۷۵
۲۰	دلیل نمبر ۱۳: ذکرِ انبیاء و اولیاء سے وسیلہ	۷۶
۲۱	دلیل نمبر ۱۴: انعامات و احساناتِ الہیہ سے تَوَسُّل	۷۷
۲۲	دلیل نمبر ۱۵: وعدہ الہی سے تَوَسُّل	۷۸
	باب سوم..... تَوَسُّل پر اعتراضات کا رد	۸۱
	فصل اوّل: عمومی اشکالات کا ازالہ	۸۵
۲۳	پہلا اعتراض: تَوَسُّل بالغیر جائز نہیں	۸۷
	تَوَسُّل بالغیر پر درست موقف	۸۸
۲۴	دوسرا اعتراض: ولدِ صالح کا عمل صالح عملِ غیر نہیں	۹۰
	صحیح موقف	۹۱
	آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کی ضرورت	۹۴
۲۵	تیسرا اعتراض: قربتِ الہی کے لئے غیر اللہ کی عبادت کی طرح	۹۵
	تَوَسُّل بھی جائز نہیں	
	جواب: غیر اللہ کی عبادت دلیل تَوَسُّل سے جائز نہیں ہو سکتی	۹۶
	پہلی تمثیل	۹۸

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
	دوسری تمثیل	۹۹
۲۶	چوتھا اعتراض: انبیاء کرام و اولیاء عظام خود وسیلے کے متلاشی ہیں	۱۰۰
	آیت کریمہ سے جواز تَوَسُّل کا ثبوت	۱۰۱
❁	فصل دُوم: انبیاء و صلحاء سے تَوَسُّل در حقیقت عمل صالح سے تَوَسُّل	۱۰۳
۲۷	اعتراض	۱۰۵
	جواب	۱۰۵
	مقربین الہی کی محبت وسیلہ سے عبارت ہے	۱۰۵
	روز محشر محبت و محبوب کی باہمی قربت	۱۰۷
	محبان الہی سے محبت، محبت الہی کا باعث ہے	۱۱۱
	اللہ کے لیے محبت بلند کی درجات کا باعث	۱۱۲
	محبت اولیاء کرام، محبت الہی کا باعث	۱۱۴
❁	باب چہارم..... عقیدہ تَوَسُّل	۱۱۷
	(احادیث مبارکہ کی روشنی میں)	
۲۸	امت مصطفوی ﷺ سے شرک کا خاتمہ	۱۱۹
❁	فصل اوّل: اعمال صالحہ سے تَوَسُّل	۱۲۳
۲۹	۱۔ مصیبت سے نجات بوسیۃ اعمال صالحہ	۱۲۵
	پہلے شخص کا عمل صالحہ..... خدمت والدین	۱۲۶

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
	دوسرے شخص کا عمل صالحہ..... پاکیزگی دامن	۱۲۷
	تیسرے شخص کا عمل صالحہ..... حقدار کو اس کا حق پہنچانا	۱۲۸
۳۰	۲۔ نماز کا وسیلہ	۱۳۰
۳۱	۳۔ نوافل کے تَوَسُّل سے قرب الہی	۱۳۱
۳۲	۴۔ بیٹیوں کی بہتر پرورش کا تَوَسُّل	۱۳۲
۳۳	۵۔ استغفار کرنے والوں کا تَوَسُّل	۱۳۳
	فصل دوم: دعا میں وسیلہ پیش کرنا	۱۳۵
۳۴	۱۔ اسماء و صفات باری تعالیٰ سے تَوَسُّل	۱۳۷
۳۵	۲۔ اسم ذات کے وسیلے سے دعا کرنا	۱۳۹
۳۶	۳۔ صفات و افعال کے تَوَسُّل سے دعا کرنا	۱۳۹
۳۷	۴۔ حضور ﷺ کے مقام وسیلہ سے تَوَسُّل	۱۴۰
۳۸	۵۔ قبولیت دعا کیلئے درود شریف کا وسیلہ	۱۴۲
۱۴۳	ظنی القبول عبادات کو قطعی القبول کیسے بنایا جائے؟	
۱۴۵	کائنات کا سب سے آخری عمل درود شریف	
۳۹	۶۔ حضور نبی کریم ﷺ کا اپنے اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے وسیلے سے دعا کرنا	۱۴۶
۴۰	۷۔ سالکین کا تَوَسُّل	۱۴۹
۴۱	۸۔ ضعفائے امت کا تَوَسُّل	۱۵۱
۴۲	۹۔ انبیاء علیہم السلام کی دعا سے تَوَسُّل	۱۵۲

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
❁	باب: پنجم..... حضور نبی اکرم ﷺ سے تَوَسُّل	۱۵۵
۴۳	تَوَسُّل بالنبی ﷺ کا عقیدہ	۱۵۷
۴۴	تَوَسُّل بالنبی ﷺ کی ممکنہ صورتیں	۱۵۸
❁	فصل اول: ولادت سے قبل نبی اکرم ﷺ سے تَوَسُّل	۱۵۹
۴۵	۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا	۱۶۱
۴۶	۲۔ یہود کا حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا	۱۶۹
	۱۔ امام قرطبیؒ	۱۷۲
	۲۔ علامہ آلوسی	۱۷۴
	۳۔ امام رازی	۱۷۵
	۴۔ امام جلال الدین محلی و امام جلال الدین سیوطی	۱۷۵
	۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۷۶
	۶۔ امام ابن کثیر	۱۷۶
	۷۔ امام جلال الدین سیوطی	۱۷۶
۴۷	بعد از وصال تَوَسُّل بالنبی ﷺ کا جواز	۱۷۹
❁	فصل دوم: حضور نبی اکرم ﷺ سے حیات ظاہری میں تَوَسُّل	۱۸۱

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
۴۸	دلیل نمبر ۱: حضور نبی اکرم ﷺ کے تَوَسُّل سے امت سے عذاب کا نکل جانا	۱۸۳
	واسطہ رسالت قبولیت استغفار کے لیے شرط ہے	۱۸۵
	کفار و مشرکین کا چیلنج	۱۸۵
	قرآنی جواب	۱۸۷
	لطیف نکتہ	۱۸۸
۴۹	دلیل نمبر ۲: صحابہ کرام کی معافی بوسیہ مصطفیٰ ﷺ	۱۹۰
۵۰	دلیل نمبر ۳: ہلتی ہے شفاعت کی خیرات مدینے میں	۱۹۲
۵۱	دلیل نمبر ۴: تَوَسُّل مصطفیٰ ﷺ سے بینائی لوٹ آنا	۱۹۴
۵۲	دلیل نمبر ۵: حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے نزول باران	۱۹۸
	پہلا واقعہ	۱۹۹
	دوسرا واقعہ	۱۹۹
	تیسرا واقعہ	۲۰۲
	چوتھا واقعہ	۲۰۷
	پانچواں واقعہ	۲۱۰
۵۳	خلاصہ کلام	۲۱۱
❀	فصل سوم: بعد از وصال حضور نبی اکرم ﷺ سے تَوَسُّل	۲۱۳
۵۴	۱۔ عطاءِ الہی بوسیہ مصطفیٰ ﷺ	۲۱۵

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
	ایک تمثیل سے وضاحت	۲۱۷
	ربوبیت کی قسم بذریعہ نبوت	۲۱۹
۵۵	۲۔ مغفرت بوسیہ مصطفیٰ ﷺ	۲۲۲
	شیخ محمد بن علوی المالکی کا ایمان افروز تبصرہ	۲۲۸
۵۶	۳۔ بعد از وصال حضور نبی اکرم ﷺ کے استغفار سے تَوَسُّل	۲۲۹
۵۷	۴۔ تَوَسُّلِ مصطفیٰ ﷺ سے بارش کا نزول	۲۳۰
۵۸	۵۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قبر شریف سے تَوَسُّل	۲۳۲
۵۹	۶۔ حاجت برآری بوسیہ مصطفیٰ ﷺ	۲۵۲
	امام ابن تیمیہ کی تائید	۲۵۵
	وظیفہ دینے کا ثبوت	۲۵۷
۶۰	۷۔ روزِ قیامت حضور نبی اکرم ﷺ سے تَوَسُّل	۲۵۷
۶۱	حضور نبی اکرم ﷺ بعد از وصال بھی مختار ہیں	۲۶۴
۶۲	آج مدد مانگ ان سے	۲۶۶
	فصل چہارم: تبرکاتِ نبوی ﷺ سے تَوَسُّل	۲۶۹
	۱۔ قرب مصطفیٰ ﷺ میں دفن ہونے کی خواہش	۲۷۴
	۲۔ مشکیزہ سے حصولِ برکت	۲۷۶
	۳۔ جبہ رسول ﷺ کے تَوَسُّل سے حصولِ شفاء	۲۷۸
	۴۔ کبیل مبارک سے حصولِ برکت	۲۷۹
	۵۔ نعلینِ پاک سے حصولِ برکت	۲۷۹

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
	۶۔ پیالہ مبارک سے حصولِ برکت	۲۸۳
	۷۔ موئے مبارک سے حصولِ برکت	۲۸۶
	۸۔ حضور اکرم ﷺ کے مس شدہ کپڑے کو کفن بنانا	۲۹۰
	۹۔ موئے مبارک کے تَوَسُّل سے جنگ میں فتح و کامرانی	۲۹۵
	۱۰۔ نبی اکرم ﷺ کے کھنکار مبارک سے حصولِ برکت	۲۹۶
	۱۱۔ حضور ﷺ کے پسینہ مبارک سے تبرک حاصل کرنا	۳۰۱
	۱۲۔ دستِ محمد ﷺ کے غَسَّالہ سے حصولِ تبرک	۳۰۳
	۱۳۔ حضور ﷺ کے ناخن مبارک سے حصولِ تبرک	۳۰۴
	۱۴۔ حضور ﷺ کے عصا مبارک سے حصولِ تبرک	۳۰۵
	۱۵۔ منبر مبارک سے حصولِ برکت	۳۰۸
	۱۶۔ حضور ﷺ کے عطا شدہ سونے سے حصولِ تبرک	۳۰۸
	۱۷۔ ہاتھ و پاؤں مبارک سے حصولِ برکت	۳۱۰
۶۳	خلاصہ کلام	۳۱۳
	باب ششم..... غیر انبیاء سے تَوَسُّل	۳۱۵
۶۴	حیاتِ برزخی کا ثبوت	۳۲۶
۶۵	روح کی حیات اور استعداد	۳۳۲
۶۶	فوت شدگان کی زندوں کے لیے نفع رسانی	۳۳۴
	فصل اوّل: صالحین سے تَوَسُّل	۳۳۹

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
۶۷	۱۔ نیک اور صالح والدین کا تَوَسُّل	۳۴۱
۶۸	۲۔ حضرت عباس ؓ کو وسیلہ بنانا	۳۴۲
	حضرت عمر ؓ کا حضرت عباس ؓ سے تَوَسُّل کرنے کا مفہوم	۳۴۲
	اہل بیت نبوی کا اکرام	۳۴۶
۶۹	۳۔ حضرت اولیس قرنی ؓ کے وسیلہ سے دعا کرانے کا حکم	۳۴۸
۷۰	۴۔ صحابہ کرام و تابعین عظام کے وسیلہ سے فتح و نصرت	۳۵۱
۷۱	۵۔ ابدال کے وسیلہ سے عذاب کا ٹل جانا	۳۵۲
۷۲	۶۔ مقربین کے تَوَسُّل سے عوام الناس کی ضروریات پوری کرنا	۳۵۳
۷۳	۷۔ بیابان میں اللہ کے نیک بندوں کا تَوَسُّل	۳۵۴
۷۴	۸۔ ضعفاء کی برکت سے رزق دیا جانا	۳۵۵
❁	فصل دُوم: آثارِ صالحین سے تَوَسُّل	۳۵۷
۷۵	۱۔ مقامِ ابراہیم سے تَوَسُّل	۳۵۹
	مقامِ ابراہیم	۳۵۹
۷۶	۲۔ آثارِ صالحین وسیلہ حیات	۳۶۰
۷۷	۳۔ آثارِ صالحین سے حصول برکت و تَوَسُّل پر مفسرین کا اتفاق	۳۶۱
	۱۔ تفسیر 'خزائن العرفان'	۳۶۱
	۲۔ 'تفسیر ماجدی'	۳۶۴
	۳۔ 'تفسیر بیان القرآن'	۳۶۵

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
۷۸	۴۔ آثارِ انبیاء علیہم السلام و صلحاء سے تبرک حاصل کرنے پر حدیث سے استشہاد	۳۶۶
۷۹	۵۔ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب مساجد کی تعمیر	۳۶۷
۸۰	تَوَسُّل سے فائدے کا مستحق کون؟	۳۶۹
✽	باب ہفتم..... ائمہ قائلین تَوَسُّل اور ان کے معمولات و مشاہدات	۳۷۳
۸۱	۱۔ اکابر علمائے امت کے نظریات و معتقدات	۳۷۷
	۱۔ امام زین العابدین ؑ	۳۷۷
	۲۔ امام مالکؒ	۳۷۸
	۳۔ رئیس المفسرین امام قرطبی	۳۷۹
	۴۔ امام محمد بن عبد اللہ حاکم	۳۷۹
	۵۔ امام احمد بن حسین بیہقی	۳۷۹
	۶۔ قاضی عیاض	۳۷۹
	۷۔ شیخ الاسلام ابوزکریا یحییٰ نووی	۳۸۰
	۸۔ جوازِ تَوَسُّل پر امام ابن تیمیہ کا موقف	۳۸۰
	۹۔ علامہ علی بن عبد الکافی سبکی	۳۸۲
	۱۰۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر	۳۸۲
	۱۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی	۳۸۳

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
	۱۲۔ مولانا عبدالرحمان جامی	۳۸۳
	۱۳۔ امام جلال الدین سیوطی	۳۸۳
	۱۴۔ علامہ قسطلانی	۳۸۴
	۱۵۔ امام ابن حجر پیشی مکی	۳۸۵
	۱۶۔ امام نور الدین قاری	۳۸۶
	۱۷۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی	۳۸۶
	۱۸۔ علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی	۳۸۷
	۱۹۔ علامہ محمد بن علی شوکانی	۳۸۷
	۲۰۔ علامہ ابن عابدین شامی	۳۸۷
	۲۱۔ علامہ سید محمود آلوسی	۳۸۹
	۲۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۳۹۱
	۲۳۔ حافظ محمد زاہد کوثری	۳۹۲
	۲۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی	۳۹۲
	۲۵۔ سید احمد بن زینی دحلان	۳۹۴
	۲۶۔ شیخ محمد بن علوی المالکی	۳۹۴
	۲۷۔ شیخ محمد ہشام کتانی	۳۹۴
	۲۸۔ شیخ محمود سعید ممدوح	۳۹۴
	۱۔ اکابر اولیاء کرام کے معمولات و مشاہدات	۳۹۵
	۱۔ مزار حضرت ام حرام بنت ملحان	۳۹۵

نمبر شمار	مُشمَلات	صفحہ
	۲۔ مزارِ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ	۳۹۶
	۳۔ محدث ابن ابو حاتم رازی	۳۹۷
	۴۔ امام شافعی	۳۹۸
	۵۔ امام ابن الجوزی	۳۹۹
	۶۔ حافظ عبدالغنی مقدس حنبلی	۴۰۰
	۷۔ ابوالقاسم قشیری	۴۰۰
	۸۔ حضرت مجد الف ثانی	۴۰۰
	۹۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۴۰۲
۸۳	خلاصہ کلام	۴۰۳
۸۴	حرف آخر	۴۰۴
	کتابیات	۴۰۹

پیش لفظ

بندہ مؤمن کی زندگی کا مقصد حقیقی اپنے خالق و مالک اللہ ﷻ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ وہ اپنی حیاتِ مستعار میں ایسے اعمال بجالانے کا پابند ہے جن سے اس کا رب اور اس کا محبوب ﷺ خوش ہو جائیں۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جس نے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات اپنے رب کے پسندیدہ امور بجالانے میں صرف کئے۔

اسلام میں ایک مسلمان کو فرائض کی بجا آوری کے لئے اللہ رب العزت کی توفیق کے ساتھ ساتھ بعض دیگر ایسے مستحسن طریقے اور ذرائع بھی میسر ہیں جن سے بلندی درجات اور خداوند کریم کا قرب نصیب ہوتا ہے، ان طریقوں میں سے ایک پسندیدہ اور آسان طریقہ توسل ہے۔ یہ بڑی سادہ اور بنیادی سی حقیقت ہے کہ توسل قربِ خداوندی کے حصول کے لئے دعا کی ایک شکل ہے اور پسندیدہ و جائز طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جس عمل یا شخصیت کو بطور وسیلہ پیش کیا جاتا ہے، اس سے مقصود یہ امید ہوتی ہے کہ ہم چونکہ اللہ کے عاجز، گنہگار اور خطاکار بندے ہیں جبکہ توسل بہ اللہ کا محبوب و مقرب ہے، اس کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ رب العزت ہمیں ہماری پریشانیوں اور آفات و بلیات سے نجات عطا فرمائے گا۔ اس عمل کے دوران توسل بہ اللہ ﷻ کا شریک سمجھا جاتا ہے، نہ اللہ کا

ہمسر، اس لئے کہ حقیقی کارساز اور مشکل کشا تو اللہ رب العزت ہی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور فکری انتشار کے باعث ایسے غیر متنازع اور خیر خواہی پر مبنی اعمال کی بجا آوری کو بھی مسلکی تعصب اور عناد کی بھینٹ چڑھا کر متنازعہ مسئلہ بنا دیا گیا حتیٰ کہ بعض افراط و تفریط کا شکار لوگ آج اسے شرک و بدعت سمجھنے لگے ہیں۔ درحقیقت یہ معاملہ بھی ان دیگر معاملات کی طرح ہے جن میں محض جذبات یا تنگ نظری کی بنا پر غلط فہمی اور کج فکری پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ کسی گروہ کی مجموعی علامت قرار دیکر من حیث الکل مبعوض ہو جاتا ہے۔

مفکر اسلام داعی اتحاد امت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دیگر ہزاروں موضوعات کی طرح اس ایمانی و اعتقادی موضوع کو بھی اپنے خطاب و دروس کا عنوان بنایا اور مختلف اوقات میں تو سئل پر گرانقدر علمی و فکری لیکچر دیئے۔ زیر نظر کتاب آپ کے ایسے ہی خطبات و دروس کا مرتبہ مجموعہ ہے۔ اس میں موضوع سے متعلق ممکنہ اشکالات اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے روایتی تعصب اور عناد سے ہٹ کر ”توسئل“ کے صحیح مفہوم کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ٹھوس دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ امید ہے اس مخلصانہ علمی کاوش سے بہت سی غلط فہمیاں خود بخود رفع ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کی صحیح سمجھ اور حکمت عطا فرمائے۔

(آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد تاج الدین کالامی

(ریسرچ سکالر)

ڈاکٹر فرید الدین اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

باب اوّل

حقیقتِ توسّل

فصل اوّل

توسّل کے بنیادی تصوّرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

توسّل کا مسئلہ نصّ قطعاً سے ثابت شدہ ہے۔ اس کے شرعی جواز کے بارے میں مطلقاً انکار آیات قرآنی سے انکار کے مترادف ہے جس کا کوئی صحیح العقیدہ مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ توسّل درحقیقت بندے کا اللہ رب العزت کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اپنی دعا کی قبولیت اور حاجت برآری کے لئے اپنی عاجزی اور بے کسی کے اعتراف کے ساتھ کسی مقبول عمل یا مقرب بندے کا واسطہ پیش کرنا ہے تاکہ بندہ گنہگار کی دعا جلد قبول ہو اور اللہ رب العزت اپنے اس مقرب بندے کی خاطر اس کی حاجت پوری فرمائے۔

کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنے میں ہرگز ہرگز یہ عقیدہ کارفرما نہیں ہوتا کہ وہ مقبول و مقرب بندہ جس کا وسیلہ دیا جا رہا ہے دعا قبول کرنے کا، یا وہ اللہ بزرگ و برتر کی ذات کو (معاذ اللہ) اس امر پر مجبور کر دے گا کہ فلاں کام ہونا چاہئے یا فلاں بندے کی بخشش و مغفرت لازماً کر دی جائے۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جو بعض لوگوں کے ذہنوں میں پائی جاتی ہے۔ دراصل وسیلہ پیش کرتے وقت سائل کے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی عاجزی بے بسی اور نیاز مندی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اس کے کسی مقبول اور مقرب بندے کا نام بطور وسیلہ پیش کروں گا تو اللہ تعالیٰ اپنے اس اطاعت گزار مقبول اور مقرب بندے کا لحاظ فرماتے ہوئے ضرور اس کی حاجت پوری فرمائے گا۔ یہ تصور

بھی متوسل کے ذہن میں نہیں ہوتا ہے کہ وہ صالح بندہ (معاذ اللہ) خدائی میں شریک ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ توسل کی حقیقت کو سمجھا جائے تاکہ جو لوگ توسل کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اپنی اصلاح کر سکیں۔

اولاً: سب سے اہم بات جو ذہن نشین کرنی ضروری ہے وہ یہ کہ توسل محض دعا کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور اس میں فی الاصل مقصود حقیقی صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے جس کے حضور وسیلہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جبکہ وہ جس کو بطور وسیلہ پیش کیا جانا مقصود ہے اس کی حیثیت محض ایک واسطہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اس تقرب الی اللہ کی بناء پر اللہ جل مجدہ قبولیت دعا کے باب میں اس کا لحاظ اور حیا کرتے ہیں۔

ثانیاً: دوسری بات جو ذہن میں مستحضر رہنی چاہئے یہ ہے کہ متوسل جس کو اپنا وسیلہ بناتا ہے وہ اس بناء پر ہے کہ اس مقرب بندے کو اللہ تعالیٰ سے بغایت درجہ محبت ہوتی ہے اور اللہ بھی اس کو محبوب رکھتا ہے۔ یاد رہے کہ محض اللہ کے لئے کسی سے محبت رکھنا بذات خود عمل صالحہ ہے۔ یہی بات توسل کی بنیاد ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں، درست عقیدہ یہی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ صریح گمراہی اور ضلالت میں مبتلا ہے۔ اگر کوئی شخص متوسل یہ کہے بارے میں اعتقاد رکھے کہ وہ بذات خود اللہ جل شانہ کی طرح نفع و نقصان کا مالک ہے تو وہ شخص اس گمراہ کن عقیدے کے باعث ایمان سے خارج ہو جائے گا۔

ثالثاً: قبولیت دعا کے باب میں یہ کوئی ضروری و لازمی امر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دعا قبول کرنا محض توسل ہی پر موقوف ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ﴿١﴾

اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتادیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ ۖ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴿٢﴾ ﴿٣﴾

فرمادیتے ہیں کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، جس نام سے بھی پکارتے ہو، (سب) اچھے نام اسی کے ہیں۔

لہذا اگر کسی کے ذہن میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وسیلہ جبر و اکراہ کا نام ہے تو وہ اب دور ہو جانی چاہئے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جو شخص وسیلہ بنتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اس امر پر مجبور کر دے گا کہ وہ متعلقہ فرد کے بارے میں مانگی جانے والی دعا کو ضرور شرف قبولیت سے نوازے۔ ہمارے نزدیک اس چیز کا تو سؤل کی اصلیت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ محض اللہ جل شانہ کا انعام و اکرام اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے بعض صالح بندوں کو اپنی محبت اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے یہ مقام عطا فرمایا کہ ان کی وجہ سے گناہ گار خطا کار اور عاجز و مسکین بندوں کو اپنی دعاؤں کی باریابی کی زیادہ امید لگ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ ان نیک صالح بندوں سے منسوب چیزوں کی بھی حیا کرتا ہے۔ اس لئے متبرک مقامات اور اشیاء کا وسیلہ بھی اسے پیش کیا جاتا ہے تاکہ دعا کی قبولیت کی امید بڑھ جائے۔

توسل کے بارے میں مختلف آراء

توسل کے باب میں امت کے مختلف مسالک کے ہاں کچھ امور متفق علیہ ہیں اور کچھ مختلف فیہ ہیں۔ توسل کے حوالے سے متفق علیہ وہ امور جن پر کسی کو بھی اعتراض نہیں یہ ہیں:

جمہور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اعمال صالحہ یعنی صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ، تلاوت قرآن اور دیگر اعمال کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ توسل بغیر عمل جیسے 'توسل بالنبی ﷺ'، 'توسل بالصالحین'، 'توسل بالاولیاء' اور 'توسل بالآثار' کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں جبکہ معتد بہ جمہور اہل اسلام شروع سے ہر دور میں ان چیزوں سے توسل کے جواز کے قائل رہے ہیں۔ توسل کی اختلافی صورت پر شیخ محمد بن علوی المالکی نے 'مفہیم یجب ان تصحیح (ص: ۸-۱۱۷)' میں جو بلیغ تبصرہ فرمایا ہے، ذیل میں اس کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

”توسل کے جس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ توسل بغیر عمل ہے جیسا کہ ذوات اور شخصیات کو وسیلہ بنایا جائے۔ اس طریقہ پر کہ یہ کہا جائے: اللہم انی اتوسل الیک بنبیک محمد ﷺ او اتوسل الیک بابی بکرہ الصدیق او بعمر بن الخطاب او بعثمان او بعلیؑ۔ (اے اللہ! میں تیرے محبوب نبی محمد ﷺ کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، یا میں تیری بارگاہ میں حضرت ابوبکر صدیق، یا حضرت عمر بن خطاب، یا حضرت عثمان، یا حضرت علیؑ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔) یہ صورت بعض علماء کے نزدیک ممنوع ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اختلاف صرف صوری ہے کیونکہ توسل بالذات میں درحقیقت جس ذات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے وہ اس کے عمل کی وجہ سے ہے، اور توسل

بالاعمال بالاتفاق جائز ہے۔ اور جو لوگ توسل کو ممنوع کہتے ہیں اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں اگر وہ اس مسئلہ کو نظر بصیرت سے دیکھتے تو معاملہ واضح ہو جاتا اور اشکال حل ہو جاتا اور فتنہ بھی ختم ہو جاتا جس میں وہ مبتلا ہو کر مسلمانوں کو کفر و شرک سے متہم کرتے ہیں۔ غیر عمل کے ذریعہ توسل دراصل متوسل بہ کی طرف منسوب ہے کیونکہ وہ عمل متوسل بہ کے کسب سے ہے۔ انسان کسی بھی شخص کو صرف اس کی محبت کی وجہ سے وسیلہ بناتا ہے۔ کیونکہ یہ وسیلہ بنانے والا متوسل بہ کے بارے میں حسن ظن کی بنا پر ہی اس کی بزرگی و فضیلت پر اعتقاد رکھتا ہے یا پھر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ پاک اس متوسل بہ شخص سے محبت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ﴿٥٤﴾ (اللہ) ان سے محبت فرماتا ہوگا اور وہ

اس سے محبت کرتے ہونگے۔

”یا پھر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ تمام امور متوسل بہ میں موجود ہیں۔ جب آپ اس معاملہ میں غور کریں گے تو اس محبت کو ضرور بالضرور پائیں گے۔ اور یہ اعتقاد متوسل کا عمل ہے کیونکہ عقیدت و اعتقاد اس عمل کو کہتے ہیں جس پر متوسل کا قلب مضبوطی سے جما ہوا ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ متوسل کہتا ہے: یا رب! انی احب فلانا و اعتقد انه يحبک و هو مخلص لک و يجاهد فی سبیلک، و اعتقد انک تحبه و انت راض عنه، فاتوسل الیک بمحبتي له و باعتقادی فیہ ان تفعل کذا و کذا۔ (اے میرے رب! بے شک میں فلاں آدمی سے محبت رکھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ تجھ سے محبت رکھتا ہے اور وہ تیرا مخلص بندہ ہے اور وہ تیرے راستہ میں جہاد کرتا ہے اور میرا اعتقاد ہے کہ تو اس سے پیار کرتا ہے اور تو اس سے راضی ہے میں اس سے اپنی محبت کی وجہ سے

تیری بارگاہ میں اسے بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ تو میری دعا قبول فرمائے گا۔

”لیکن بہت سے متوسلین اس امر کی صراحت میں تسامح کرتے ہیں اور صرف اس ذات کے علم پر اکتفا کرتے ہیں جس سے آسمانوں اور زمینوں کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے وہ ذات آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے پوشیدہ رازوں تک کو جانتی ہے۔ جو شخص ”اللہم انی اتوسل الیک بنبیک (اے اللہ! میں تیرے نبی کو تیری بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں)“ کہے اور جو شخص ”اللہم انی اتوسل الیک بمحبتی لبنبیک (اے اللہ! میں تیرے نبی سے اپنی محبت کے سبب اسے تیرے بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں)“ کہے، وہ دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ پہلی صورت میں اس متوسل نے جو یہ وسیلہ پکڑا ہے تو اپنے نبی ﷺ پر ایمان اور نبی ﷺ سے محبت ہی کی وجہ سے وسیلہ اختیار کیا ہے۔ اگر متوسل کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہوتی اور آپ ﷺ پر ایمان نہ ہوتا تو حضور ﷺ کو وسیلہ نہ بناتا۔ اسی طرح اولیائے امت کے بارے میں کہا جاسکتا ہے۔

”اس بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اختلاف جو حقیقتاً صرف ایک صوری اختلاف ہے اس سے یہ بات کہاں لازم آتی ہے کہ متوسلین پر کفر کا حکم لگایا جائے اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے۔“

عقیدہ توسل کا صحیح تصور

بعض لوگ کم علمی کے باعث حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے میں تامل کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید وسیلے سے دعا مانگنا اللہ سے براہ راست مانگنے کے منافی ہے۔ وہ قرآن مجید کی ان آیات کا جن میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور کسی کو اس کا شریک

نہ ٹھہرانے کا حکم ہے ان کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا (معاذ اللہ) کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ یہ تصور بہت بڑی جہالت اور لاعلمی کی پیداوار ہے، ہمیں اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ انبیاء و رسل میں سے کسی کو، یا اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب اور صالح بندے کو یا کسی بھی عمل صالح کو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے اس کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرنا نہ تو کسی قسم کا شرک ہے اور نہ ہی براہ راست اللہ سے مانگنے کے منافی ہے۔

کسی کو وسیلہ بنانے کے باوجود براہ راست اللہ ہی سے مانگا جاتا ہے صاحب وسیلہ سے نہیں۔ شرک کا ارتکاب تو تب ہو کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی اور کو اللہ تعالیٰ کی طرح نفع و نقصان کا مالک، قادر مطلق اور دعائیں سننے والا سمجھا جائے یہاں سرے سے ایسا معاملہ ہے ہی نہیں۔ دعا فقط اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہے اور اس سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا یا کسی ایسے مقرب بندے یا نیک عمل کا واسطہ دیا جاتا ہے جس سے خود اللہ تعالیٰ کو محبت ہو اور جس کا وہ عام مخلوق سے کہیں بڑھ کر حیا اور لحاظ فرماتا ہو۔ سو ایسا وسیلہ پیش کرنے سے جہاں خود کلمات دعا کی برکت اور تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے وہاں اس کی بارگاہِ عالی میں شرف قبولیت پانے کے امکانات پہلے سے کہیں زیادہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اب بندے کی التجا کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی اپنی محبت بھی اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دعاؤں کی اجابت و قبولیت میں وسیلہ شرط نہیں مگر مفید اور کارگر ضرور ہے۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اپنے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگنے کی تعلیم فرمائی تھی جیسا کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں دعا کے یہ کلمات تلقین فرمائے:

اللهم! إني أسئلك، و أتوجه
إليك بمحمد نبى الرحمة، يا
محمد! إني قد توجهت بك
إلى ربى فى حاجتى هذه
لتقضى، اللهم! فشفعه فى- ❀

اے اللہ! میں تجھ سے درخواست کرتا
ہوں اور تیری طرف حضرت محمد ﷺ نبی
رحمت کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں۔
اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی
اس حاجت میں اپنے رب کی طرف
متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ پوری ہو جائے۔
اے اللہ! میرے حق میں آپ کی
شفاعت قبول فرما۔

خود حضرت عمرؓ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے وسیلے سے بارش کی
دعا مانگتے جیسا کہ حضرت انسؓ سے 'صحیح البخاری' میں مروی ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ
جب مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑ گیا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے صحابہ کرامؓ اور دیگر اہل
مدینہ کو تو سٹل حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی طرف بھیجا اور اس کی برکت سے موسلا دھار
بارش ہوئی۔ (یہ روایت امام دارمی نے ابوالجوزاء سے 'سنن' (۱: ۲۳، رقم: ۹۳) کے 'مقدمہ'

۸۔ شفاء السقام: ۱۲۳

❀ ۱۔ سنن ابن ماجہ: ۱۰۰

۹۔ اسد الغابۃ، ۳: ۵۷۱

۲۔ جامع الترمذی، ۲: ۱۹۷

۱۰۔ کتاب الاذکار للنووی: ۸۳

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۴: ۱۳۸

۱۱۔ البدایہ والنہایہ، ۴: ۵۵۸

۴۔ المستدرک للحاکم، ۱: ۳۱۳، ۵۱۹

۱۲۔ تحفۃ الاشراف، ۷: ۲۳۶، رقم: ۹۷۶۰

۵۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۱۶۶

۱۳۔ تحفۃ الذاکرین للشوکانی: ۵-۱۹۴

۶۔ صحیح ابن خزيمة، ۲: ۶-۲۲۵، رقم: ۱۲۱۹

۷۔ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۴۱۷،

رقم: ۶۵۸-۹

میں نقل کی ہے۔) الغرض یہ مبارک عمل حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام سے لے کر خود عہد رسالت مآب ﷺ تک اور پھر عہد صحابہ و تابعین سے لے کر تا حال امت میں مقبول اور متداول چلا آ رہا ہے۔ اب بعض لوگ دین کی صحیح معرفت نہ ہونے کے باعث اس پر اعتراض کرنے لگے ہیں اور اسے (معاذ اللہ) توحید کے منافی سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ احکام شریعت کی حقیقی روح کو سمجھا جائے تاکہ ہم اپنی کم علمی اور عدم واقفیت کے باعث دینی تصورات کا حلیہ نہ بگاڑ بیٹھیں۔

توسل سے متعلق ضروری اصطلاحات

مسئلہ توسل پر بحث کرتے ہوئے اس میں چار چیزوں کا ذکر آئے گا جو باہم متعلق ہیں۔ لہذا انہیں ذہن نشین کرنا ضروری ہے:

- ۱۔ وسیلہ (intermediation): نفس مسئلہ کو وسیلہ کہا جاتا ہے۔
- ۲۔ متوسل (intermediatee): وسیلہ بنانے والا یعنی وہ شخص جو اپنی دعا میں کسی نیک عمل، مقرب ہستی یا کسی خاص مقام کو وسیلہ بنائے۔
- ۳۔ متوسل بہ (intermediator, intermediary): جس چیز کو بارگاہ ربوبیت میں وسیلہ بنایا جائے جیسے نیک اعمال، مقربین اور آثار و تبرکات مقربین۔

۴۔ متوسل الیہ: خود باری تعالیٰ کی ذات متوسل الیہ ہے کیونکہ اس کی بارگاہ عالیہ میں وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔

فصل دُوم

تَوَسُّل کا لغوی و شرعی مفہوم

اور

اُس کی اقسام

توسُّل کا لغوی مفہوم

توسُّل اور وسیلہ ایک ہی مفہوم کے تحت استعمال ہوتے ہیں۔ ائمہ لغت کے نزدیک وسیلہ سے مراد مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

۱۔ امام راغب اصفہانی مفہوم وسیلہ پر یوں رقمطراز ہیں:

الوسيلة: التَّوَصُّلُ إِلَى الشَّيْءِ
بِرَغْبَةٍ، وَ هِيَ أَخْصُّ مِنَ
الْوَصِيلَةِ، لِتَضَمُّنِهَا لِمَعْنَى
الرَّغْبَةِ۔ ❀

وسیلہ کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت
کے ساتھ پہنچنے (یعنی توصل) کے
ہیں اور وسیلہ میں رغبت کا پہلو شامل
ہونے کی وجہ سے یہ ”وصیلۃ“ سے

خاص ہے۔

۲۔ ابن منظور لفظ ”وسیلۃ“ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الوسيلة: هِيَ فِي الْأَصْلِ مَا
يُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى الشَّيْءِ وَ
يَتَقَرَّبُ بِهِ۔ ❀❀

درحقیقت وسیلہ وہ چیز ہے جس کے
ذریعے کسی تک پہنچا جائے اور اس کا
قرب حاصل کیا جائے۔

۳۔ امام زمخشری کہتے ہیں:

الوسيلة: كل ما يتوسل به أى

يتقرب..... به إلى الله

تعالیٰ۔ ❁

ہر وہ چیز جس کے ذریعے اللہ تک پہنچا جائے یعنی قرب حاصل کیا جائے اسے ہی وسیلہ کہتے ہیں۔

توسُّل کا شرعی مفہوم

توسُّل کے معانی کثیر ہیں: یہ حاجت، رغبت، منزلت اور قربت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں تین معانی وہ ہیں جو توسُّل کے شرعی معنی کے اعتبار سے استعمال ہوتے ہیں:

۱۔ مقام محمود:

وسیلہ جنت میں ایک مشہور منزل یعنی مقام ہے جو حضور شافع یوم النشور ﷺ کے لئے مختص ہے۔ اذان کے بعد اس مقام پر حضور ﷺ کو فائز کرنے کے لئے دعا مانگی جاتی ہے۔ جیسا کہ صحیح البخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے خود یہ دعا مانگنے کی ترغیب دی:

عن جابر بن عبد الله: أن رسول الله ﷺ قال: من قال حين يسمع النداء: اللهم! رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة اب محمدًا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقامًا محمودًا الذي	حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اذان کے بعد یہ دعا پڑھے: ”اے ہمارے رب! اس دعوتِ تامہ اور صلوٰۃ قائمہ کے بدلے تو محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں مقام محمود پر

وَعَدَّتْهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ ❀

فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا۔ ”قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اس دعا میں ’الوسیلۃ‘ سے وہ مقام رفیع مراد ہے جو جنت میں ایک خاص درجہ ہے اور یہی مقام محمود بھی ہے گویا حضور نبی اکرم ﷺ کیلئے جب وسیلہ مانگیں گے تو اس سے جنت کا یہ خاص مقام مراد ہوگا۔

۲۔ قربت الہی:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب بنفسہ ایک وسیلہ ہے۔ جب بندہ ایمان کامل، اتباع احکام، عبادات پیروی سنت اور گناہوں سے بچنے کے سبب اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو یہ قرب خود ہی وسیلہ بن جاتا ہے۔ جس طرح کہ خلوص نیت سے کام کرنے والے اللہ رب العزت کے مقرب بندے بن جاتے ہیں، ان کا یہ قرب اور اخلاص انہیں راہِ راست پر ثابت قدم رکھنے اور شیطان کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ ارشاد ربانی کے مطابق ایمان والوں کو شیطان نے راہِ راست سے بھٹکانے کی قسم کھا رکھی ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ❀❀

(شیطان) بولا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔

۵۔ شرح السنۃ للبلغوی، ۴: ۲۸۳، رقم: ۴۲۰

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۸۶: ۱

۶۔ مشکاة المصابیح: ۶۵

۲۔ سنن النسائی، ۱۱۰: ۱

۷۔ فتح الباری، ۴: ۹۴

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۳۵۴

۸۔ فتح الباری، ۸: ۳۹۹

۴۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱: ۴۱۰

لیکن قرآن کے مطابق وہ کبھی بھی اللہ کے مقرب بندوں کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔

۳۔ مطلق مُتَوَسِّلُ بہ:

جو چیزیں قرب کے حصول کا ذریعہ بنیں وہ بھی وسیلہ ہیں چاہے ان کا تعلق افراد سے ہو یا اعمال سے کیونکہ قرآن پاک نے وسیلہ کے تلاش کرنے کا حکم مطلق رکھا ہے اور مطلق کو بغیر دلیل شرعی و نص قطعی مقید نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا یہ حکم کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ
ابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ﴿۳۵﴾
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور
اس (کے حضور) تک (تقرب اور
رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو۔

.....اپنے اطلاق پر رہے گا۔ اس کا اطلاق اعمال و افراد دونوں پر ہوگا اور اسے کسی ایک چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا جاسکتا۔ یہی آیت کریمہ تو سئل کے جواز اور اس کی مشروعیت پر نص صریح کا درجہ رکھتی ہے۔

شاہ اسماعیل دہلوی اس آیت سے مراد مرشد کی رہنمائی لیتے ہیں:

اہل سلوک ایس آیت را	سالکان راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد
اشارت بسلوک می فہمند و	مرشد لیا ہے۔ حقیقی کامیابی و کامرانی کے
وسیلہ مرشد را می دانند، پس	حصول کے لئے مجاہدہ و ریاضت سے
تلاش مرشد بنا بر فلاح حقیقی و	پہلے تلاش مرشد از حد ضروری ہے اور اللہ
فوز تحقیقی پیش از مجاہدہ	تعالیٰ نے سالکان راہ حقیقت کے لئے
ضروری است، و سنت	یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لئے مرشد

اللہ برہمین منوال جارہست،
لہذا بدون مرشد راہ یابی نادر
کی راہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر
سا ہے۔

است۔

اقسام تو سُل

تو سُل کو مندرجہ ذیل قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ۱۔ التوسُّل للدعاء
- ۲۔ التوسُّل فی الدعاء
- ۳۔ التوسُّل بالدعاء
- ۴۔ التوسُّل بالنداء یا بالإستغاثہ
- ۵۔ التوسُّل بالأعمال الصالحہ
- ۶۔ التوسُّل بآثار الصالحین

۱۔ التوسُّل للدعاء

هو: التقرب إلى الله بالوسيلة
الشرعية۔
وسیلہ شرعیہ (جس کو شریعت جائز قرار
دیتی ہو) کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب
چاہنا تو سُل للدعاء ہے۔

۲۔ التوسُّل فی الدعاء

هو: التقرب إلى الله تعالى
وقت المسئلة و عرض
المقصود۔
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت اور
پریشانی پیش کرتے وقت کسی ضرورت
اور مراد کے حصول کے لئے کسی کو بطور
وسیلہ پیش کرنا تو سُل فی الدعاء ہے۔

دونوں قسموں میں فرق

پہلی قسم میں فقط اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے لئے تو سئل ہے جبکہ دوسری قسم میں اپنی پریشانی کے دور کرنے، حاجت اور ضرورت کے پورا ہونے اور مراد کے حصول کے لئے کسی کو بطور وسیلہ پیش کیا جانا ہے۔

تو سئل فی الدعاء کی اقسام

تو سئل فی الدعاء کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ تو سئل لفظی ۲۔ تو سئل نفسی

۱۔ تو سئل لفظی:

فہو: أن يذكر في دعائه ما يتقرب به إلى الله تعالى۔
(دعا کی قبولیت کے لئے، کسی حاجت یا مراد کے حصول کے لئے یا) اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے کے لیے جس کا وسیلہ پیش کیا جائے، لفظاً اس کا ذکر کرنا تو سئل لفظی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور بوقت دعا کسی مقبول عمل کا ذکر یا کسی برگزیدہ ذات و ہستی کا ذکر ہی تقرب الی اللہ اور دعا کی قبولیت کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ اس چیز کی ضرورت نہیں کہ لفظ وسیلہ استعمال کر کے کہے کہ میں فلاں کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں فقط متو سئل یہ (جس کا وسیلہ پکڑا گیا ہو) کا ذکر ہی کافی ہوتا ہے۔

جیسا کہ صحیح بخاری میں تین آدمیوں کا واقعہ مذکور ہے، جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

”دوران سفر ان پر غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ تینوں بندے خدا رسیدہ اور نیک خصلت تھے۔ ایک نے ماں باپ سے حسن سلوک کا ذکر کیا اور اللہ رب العزت سے دعا کی، دوسرے نے بے حیائی کے اسباب پر قدرت کے باوجود اس سے بچنے کا ذکر کیا اور دعا کی، تیسرے نے کسی مزدور کی اجرت جو کئی سالوں کے بعد مال و متاع میں تبدیل ہو گئی تھی اس کی حفاظت کرنے اور مکمل ادائیگی کا ذکر کرنے کے بعد دعا کی تو قاضی الحاجات نے تینوں کی دعا سے اس بھاری پتھر کو غار کے دھانے سے ہٹا کر انہیں مشکل سے نجات دی۔“

۲۔ تو شل نفسی

بوقت دعا کسی چیز، عمل یا مقام کو تقرب کا ذریعہ بنا لینا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو مگر دعا میں لفظاً ذکر نہ کرنا عملاً اور محلاً اس کا خود بخود ہو جانا تو شل نفسی ہے۔

تو شل لفظی کو تو شل بالعمل بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دعا میں لفظاً ذکر نہ کرنا بلکہ کسی اللہ والے کی مجلس میں جا کر دعا کرنا یا کسی بابرکت جگہ یا اللہ تعالیٰ کی مقبول چیز کو سامنے رکھ کر دعا کرنا۔

تو شل نفسی (عملی) کی پہلی مثال سیدنا زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ میں دعا مانگنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هٰنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۸۰﴾

اسی جگہ (حضرت مریم علیہا السلام) کی عبادت گاہ میں (زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔ عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے حضرت زکریا علیہ السلام کا عمل مبارک بیان فرمایا کہ جب انہوں نے اپنی زیر تربیت اللہ کی بندی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس طرح طرح کے بے موسمی پھل اور دیگر انعامات الہیہ کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے اس خاص مقام کو اپنی دعا کیلئے منتخب کیا۔ اللہ پاک نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔

اسی طرح دوسری مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی قمیض کو سیدنا یعقوب علیہ السلام کو بھیجنا تاکہ اس قمیض کے ذریعہ اللہ پاک ان کی بینائی لوٹائے۔ اس کے علاوہ اعمال صالحہ، ذوات انبیاء کرام و صالحین، آثار انبیاء و صالحین سے دعائیں تو سئل کرنا تو سئل لفظی ہے جس کو ہم اسی کتاب میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

۳۔ التوسل بالدعاء

یہ اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندے سے دعا کی التجا ہے کہ وہ بارگاہ الہی میں حاجت مند کیلئے اپنا ہاتھ اٹھا دیں اور اس پر نازل شدہ آفات و بلیات سے نجات کیلئے حضور الہ میں دعا کریں۔ یقیناً اس کا دریائے رحمت اپنے مقرب بندے کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹنے دے گا بلکہ اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم فقط ایک کھانے (یعنی من و سلوی) پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ اپنے رب سے ہمارے (حق میں) دعا کیجئے کہ وہ

وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِئُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا

وَعَدَسَهَا وَبَصَلَهَا - ❀

ہمارے لیے زمین سے اگنے والی
چیزوں میں سے ساگ اور ککڑی اور
گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دے۔

اس آیت کریمہ میں ”فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ“ کے الفاظ ”تَوَسَّلْ بِالْأَعْيُنِ“ کا سبب بن
رہے ہیں۔ ان میں صراحتاً امت موسوی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب کے حضور دعا مانگنے کی
گزارش کر رہی ہے۔ چونکہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے توسل کیا جا رہا ہے اس
لیے یہ عمل توسل بالاعیان ہے۔

۴۔ التوسل بالنداء یا بالاستغاثہ

سائل اپنا مقصود خود بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کرے اور حضور نبی
اکرم ﷺ کے توسل سے رب کی مدد و نصرت کو طلب کرے یہ ذکر رسول اللہ ﷺ کی مدد و
نصرت کیلئے وسیلہ بن جاتا ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”جنگ یمامہ کے موقع پر ”یا
محمد اہ (اے محمد! مدد فرمائیے)“ مسلمانوں کا نعرہ تھا۔“ وہ فرماتے ہیں: ”جنگ یمامہ
میں حضرت حذیفہؓ کی شہادت پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے جھنڈا اٹھایا اور لشکر سے گزر کر
مسلمہ کذاب کے پہاڑ کی طرف چل دیے اور انتظار کرنے لگے کہ وہ آپؐ تک پہنچے
اور آپؐ اسے قتل کر دیں۔ پھر آپؐ لوٹ آئے اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر
بلند آواز سے فرمایا:

أنا ابن الوليد العود، أنا ابن
عامر و زيد..... ثم نادى بشعار
میں ولید کا بیٹا ہوں، میں عامر و زید کا بیٹا
ہوں۔ پھر آپ نے مسلمانوں والا

المسلمین، و کان شعارهم
یومئذ: ”یا محمداه“ ❀
مروجہ نعرہ بلند کیا، اور ان دنوں ان کا
جنگی نعرہ ”یا محمداه“ (اے محمد! مدد
فرمائیے) تھا۔

اس روایت میں ”یا محمداه“ کے الفاظ کے ذریعے سے تو سئل کیا جا رہا ہے
اور اس عمل کا ارتکاب کرنے والے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
اقدس سے تو سئل سنت صحابہ ٹھہرا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے
مروی ہے:

أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن لله
ملئكة في الأرض سوى
الحفظة يكتبون ما يسقط من
ورق الشجر، فإذا أصاب
أحدكم عرجة بارض فلاة،
فليناد: أعينوا عباد الله۔ ❀ ❀
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک زمین
میں اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے بھی
ہیں جو محافظ فرشتوں کے علاوہ ہیں۔
درخت کا جو پتا بھی گرتا ہے وہ اسے لکھ
لیتے ہیں۔ پس جب تم میں سے کسی شخص
کو جنگل میں اذیت پہنچے تو وہ یوں نداء
کرے: ”اعینوا عباد الله“ (اے اللہ
کے بندو! میری مدد کرو)۔

حافظ ابن حجر پیشمی کہتے ہیں کہ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے
سب راوی ثقہ ہیں۔

سرور کائنات فخر موجودات حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اقدس سے خود تعلیم تو سئل
دے رہے ہیں کہ جنگل و بیاباں میں بھی اللہ والوں سے اپنا رابطہ منقطع نہ کرو۔ بظاہر انسانی

صورت میں کوئی بندہ نظر نہ آئے تو ملائکہ سے توسُّل کرتے ہوئے رب کی بارگاہ میں عرض کرو۔ اس کے حکم سے اس کے فرشتے تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے اور تمہاری ضرورت کو پورا کر دیں گے۔ یہ کائنات ملائکہ سے معمور ہے۔ مذکورہ حدیث میں ”فلیناد: أعینوا عباد الله“ کے الفاظ توسُّل بالاستغاثہ پر صریح دلیل ہے۔

میدان حشر میں جب اولین و آخرین شدید گرمی کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہوں گے اور ابھی حساب کتاب کا مرحلہ باقی ہوگا تو ایسے میں وہ تمام لوگ اکٹھے ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ سمیت دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے استغاثہ کریں گے۔ جب اُس روز توسُّل بالاستغاثہ جائز امر ہے تو اس دنیا میں بھی جائز ہے۔ ’صحیح البخاری‘ کی حدیث پاک اس پر شاہد ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال النبي ﷺ: ما يزال الرجل يسأل الناس، حتى يأتي يوم القيامة ليس في وجهه مُزْعَةٌ لحمٍ۔ و قال: إن الشمس تدنو يوم القيامة، حتى يبلغ العرق نصف الأذن، فبينا هم كذلك استغاثوا بآدم، ثم بموسى، ثم بمحمد ﷺ۔ و زاد عبد الله، قال: حدثني الليث، قال:

حضرت عبد الله بن عمر رضي الله عنهما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن جب وہ حاضر ہوگا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔ فرمایا: قیامت کے دن سورج لوگوں کے قریب آجائے گا یہاں تک کہ نصف کان تک پسینہ آجائے گا اس حال میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت محمد ﷺ سے استغاثہ

حدثنی ابن ابی جعفر: فَيَشْفَعُ
لِيُقْضَىٰ بَيْنَ الْخَلْقِ، فَيَمْشِي
حَتَّىٰ يَأْخُذَ بِحَلْقِهِ الْبَابَ،
فَيَوْمِئِذٍ يَبْعَثُهُ اللَّهُ مَقَامًا
مَحْمُودًا، يَحْمَدُهُ أَهْلُ الْجَمْعِ
كُلُّهُمْ۔ ❀

کریں گے۔ (اور عبد اللہ نے اس
روایت میں اتنا اضافہ کیا کہ مجھ سے
لیٹ نے ابن ابی جعفر سے بیان کیا کہ
آپ ﷺ لوگوں کے درمیان فیصلے کی
سفارش کریں گے، آپ ﷺ روانہ ہوں
گے یہاں تک کہ بہشت کے دروازے
کا حلقہ تھام لیں گے۔ اس دن اللہ
تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر
فائز کرے گا اور وہاں موجود سب لوگ
آپ ﷺ کی تعریف کریں گے۔

توسُّل، شفاعت اور استعانت کا باہمی تعلق

بیان توسُّل میں ایک اور بات بطور خاص قابل غور ہے کہ جب ہم کسی کی ذات
کو بطور توسُّل بارگاہ رب العزت میں پیش کرتے ہیں تو اس عمل سے توسُّل کے علاوہ
شفاعت اور استعانت کا تصور بھی واضح ہوتا ہے۔ یعنی جب توسُّل ثابت ہو جائے تو اس
سے باقی دو چیزیں بھی خود بخود ثابت ہو جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم ان تینوں کا باہمی تعلق
قرآن مجید کی آیت کی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مجمع الزوائد، ۱۰: ۳۷۱

❀ صحیح البخاری، ۱: ۱۹۹

۲۔ معجم الاوسط للطبرانی، ۹: ۳۳۱، رقم:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَ
اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا
اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٠﴾

اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب
اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی
خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے
معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان
کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ
(اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور
اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان
پاتے۔

اس آیت مبارکہ میں جاء وک دلیل تو سئل ہے یعنی جو لوگ گناہ کر بیٹھیں اور
وہ آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو وسیلہ بنائیں اور آپ ﷺ بھی ان
کی بخشش و مغفرت طلب کریں تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔

فاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ دلیل شفاعت ہے۔ لہذا جب رسول ﷺ کی شفاعت پر اللہ
نے بخش دیا تو اس سے ثابت ہوا کہ شفاعت از روئے قرآن امر جائز ہے۔

تیسری چیز 'استعانت' کسی سے مدد طلب کرنے کا ثبوت ہے۔ جب بندہ اپنے
گناہوں کی بخشش کے لیے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا واضح
مطلب یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ سے شفاعت طلب کر رہا ہے کہ یا رسول اللہ! میں بندہ
گناہگار عاجز خطا کار و سیاہ کار ہوں، آپ ﷺ کرم فرمائیں اور بارگاہ الہی سے میرے
گناہوں کی بخشش کے لئے سفارش فرمائیں۔ امتی کی یہی طلب درحقیقت استعانت ہے
جبکہ رسول ﷺ کا اللہ کی بارگاہ سے اس کی بخشش و مغفرت طلب کرنا شفاعت ہے۔

باب دُوم

عقیدہ توشل
قرآن کی روشنی میں

گزشتہ باب میں اس امر کی صراحت کی گئی کہ تو شل اور وسیلہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے کسی شے تک پہنچنے کا سبب اور ذریعہ ہے، اور یہ کسی کے قرب کے حصول کا باعث بھی بنتا ہے۔ ایک بندہ مومن کا مقصود حیات، اللہ کی معرفت، قرب اور اسکی رضا و خوشنودی ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جا بجا متلاشیان حق کو اپنے حضور تک تقرب اور رسائی کا وسیلہ تلاش کرنے کے بارے رہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں ہم قرآن مجید کے ان مقامات میں سے چند کا ذکر کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کس طرح صراحت کے ساتھ وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم فرمایا ہے۔

دلیل نمبر ۱: تلاش وسیلہ کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو
اِبْتَغُوا اِلَیْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا	اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور
فِیْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾	رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ
	میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں چار چیزوں کا بیان ہے:

- ۱۔ ایمان
- ۲۔ تقویٰ
- ۳۔ تلاش وسیلہ
- ۴۔ جہاد فی سبیل اللہ

سب سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا۔ ایمان کے بعد تقویٰ کا حکم دیا کیونکہ جس دل میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہو جاتا ہے اس کا ہر قدم اطاعت الہی کی طرف اٹھتا ہے۔ احکام الہی کی پیروی اس کا شیوہ حیات بن جاتا ہے۔ نیکی اور عمل صالح اس کی سیرت و کردار کا جزو لا ینفک بن جاتا ہے، خشیت الہی کی کیفیت اسے رضائے الہی کے مقام پر فائز کرتی ہے۔ وہ ہر دم اسی جستجو میں رہتا ہے کہ اس کا ہر عمل اسے اللہ کے قرب و حضور میں لے جائے۔ اس بنا پر اِتَّقُوا اللہ کے الفاظ بندہ مؤمن کے تمام اعمال صالحہ کو محیط ہیں۔ ایمان، عبادات، اتباع سنت اور گناہوں سے بچنا سارا کچھ اس میں آ جاتا ہے۔

تیسرا حکم آیت مذکورہ میں تلاش وسیلہ کا ہے۔ ارشاد فرمایا: وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ”اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو۔“ بعض علماء نے اس آیت کریمہ میں تلاش وسیلہ سے فقط ایمان اور اعمال صالحہ مراد لیا ہے۔ جبکہ اکثر علماء نے آیت کریمہ کے ان الفاظ سے مراد انبیاء، صلحاء اور اولیاء کی ذوات مقدسہ کو لیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اِتَّقُوا اللہ میں ایمان، اعمال صالحہ اور عبادات سب شامل ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں قرب الہی کے لیے تلاش وسیلہ کا عمومی حکم ہے۔ قرب و حضور الہی کا وسیلہ جہاں اعمال صالحہ اور ایمان بنتا ہے وہاں اللہ کے انبیاء اور اولیاء بطریق اولیٰ ہیں۔ اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ’القول الجمیل‘

(ص: ۳۴) میں وسیلہ سے مراد بیعتِ مرشد جبکہ شاہ اسماعیل دہلوی نے 'صراطِ مستقیم

(ص: ۵۸) میں وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے اور مزید برآں کہا:

بدون مرشد راہ یابی نادر است۔ مرشد کی راہنمائی کے بغیر (ہدایت ربانی) کا ملنا شاذ و نادر ہے۔

اسی حقیقت کو مولائے روم بھی اپنے حوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کی معرفت اور اس کا قرب مجھے حضرت شمس تبریزیؒ کی صحبتِ کیمیا اثر سے ہی ملا ہے:

مولوی ہر گنر نشد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نشد

چوتھا حکم جہاد کا ہے۔ جہاد بھی اسلام کی اشاعت و ترویج، دین کے احیاء و اقامت، احکامِ الہیہ کے نفاذ اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے وسیلہ بنتا ہے۔ جب ایک ہی آیت کریمہ میں مذکور چار چیزوں..... ایمان، تقویٰ، وسیلہ اور جہاد..... میں سے تین چیزیں..... ایمان، تقویٰ، جہاد..... شرک اور بدعت نہیں بلکہ جائز امور ہیں تو وسیلہ بھی آیت میں بیان کردہ دیگر چیزوں کی طرح حکمِ قرآنی اور امر شرعی ہے اس کا تعلق ہرگز شرک اور بدعت سے نہیں۔

دلیل نمبر ۲: تلاشِ وسیلہ امرِ جائز

قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر تلاشِ وسیلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ

إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَ

يَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ

یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں (یعنی ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور

حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہم کے بت

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ
مَحْذُورًا ❀

اور تصویریں بنا کر انہیں پوجتے ہیں)،
وہ (تو خود ہی) اپنے رب کی طرف
وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے
(بارگاہ الہی میں) زیادہ مقرب کون
ہے اور (وہ خود) اس کی رحمت کے
امیدوار ہیں اور (وہ خود ہی) اس کے
عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (اب
تم ہی بتاؤ کہ وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں،
وہ تو خود معبود برحق کے سامنے جھک
رہے ہیں۔) بیشک آپ کے رب کا
عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

دور جاہلیت میں مشرکین جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام
کے بت اور تصاویر بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ اسلام سے قبل جنات نے انسانوں کو
گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ بتوں میں گھس کر عجیب و غریب حرکتیں
کرتے۔ بتوں کو ہلتا جلتا اور مسکراتا دیکھ کر سادہ لوح ضعیف الاعتقاد لوگ ان کی عبادت
میں مصروف ہو جاتے۔ لیکن جب اسلام کی روشنی ظاہر ہوئی تو جنات اپنے اس گمراہ کن
عمل سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے، نور حق ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور وہ
راہ راست پر آ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے عابد و فرمانبردار بن گئے اور اسے پانے کیلئے کسی
اقرب اور افضل وسیلے کے متلاشی بن گئے، ایسا وسیلہ جو انہیں خدا رسیدہ کر دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت کے شان نزول کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایک جماعتِ عرب کے حق میں نازل ہوئی جو جنات کے ایک گروہ کو پوجتے تھے جب وہ جنِ اسلام لے آئے اور ان کے پوجنے والے اس سے بے خبر رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یاد دلایا اور فرمایا جنہیں تم پوج رہے ہو وہ ہمارے حضور سر بسجود ہیں اور وہ خود ہمارے مقربین کا وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ❀

اس سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ مقربانِ الہی کا وسیلہ لینا جائز ہے اور وہ خود بھی قربِ الہی کے حصول کیلئے خود سے اپنے زیادہ مقرب کے متلاشی رہتے ہیں، گویا مقربین کا اپنا عمل بھی یہی ہے۔

مذکورہ آیہ کریمہ اپنا معنی واشگاف انداز میں واضح کر رہی ہے کہ مشرکین جن کو اپنا خدا بنائے اپنی تکلیف و مصیبت میں پکارتے ہیں یہ خدا نہیں ہیں بلکہ یہ تو خود ہر لمحہ اور ہر لحظہ اپنے رب کی رضا کیلئے محور رہتے ہیں اگر یہ واقعی خدا ہوتے جیسا کہ مشرکین کا زعم باطل ہے تو پھر انہیں کسی کی عبادت اور رضا جوئی کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ اس آیہ کریمہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ مقرب بندوں کو بارگاہِ الہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور ان مقبولانِ حق کا اپنا طریق بھی یہی ہے۔ یہاں کسی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مقربانِ الہی، انبیاء و اولیاء خود وسیلے کے متلاشی ہیں تو اوروں کا کیا وسیلہ بنیں گے؟ درحقیقت اس آیہ کریمہ میں غور کرنے سے اس کا جواب خود مل جاتا ہے کہ کسی غیر کی عبادت کرنا ممنوع ہے لیکن مقبولانِ حق کا وسیلہ پکڑنا اور ان سے دعا کے لئے عرض کرنا جائز ہے عبادت کی نفی ہے وسیلے کی نفی نہیں۔ مقبولانِ حق وسیلہ بنتے ہیں، معبود نہیں۔ صحیح

عقیدہ بھی یہی کہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء وسیلہ ہی ہیں، معبود نہیں ہیں۔

دلیل نمبر ۳: ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے توسُّل کا حکم

وسیلہ ڈھونڈنے پر قرآن مجید کی یہ آیت بھی نص صریح ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
جَاءُواكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَ
اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا
اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۱﴾

اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب
اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی
خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ
سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ)
بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے
تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر)
ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت
مہربان پاتے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو ان کے گناہوں اور
لغزشوں کی مغفرت کے لئے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں آکر ان کا وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا
ہے۔ یہ آیت کریمہ صرف آپ ﷺ کی حیات ظاہری تک محدود نہیں بلکہ بعد از وصال
بھی اس کا حکم اسی طرح باقی ہے جس طرح ظاہری حیات طیبہ میں تھا۔ مفسرین کرام اور
ائمہ کرام نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ (اس آیت مبارکہ پر مزید بحث ہم انشاء
اللہ باب پنجم کی تیسری فصل میں کریں گے۔)

دلیل نمبر ۴: حضور ﷺ کے وسیلہ سے روز قیامت

تکلیف سے نجات

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا:

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا
مَّحْمُودًا ﴿۱۰﴾

یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود (یعنی وہ مقام شفاعت عظمیٰ جہاں جملہ اولین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے) پر فائز فرمائے گا۔

مقام محمود سے مراد وہ اعلیٰ اور رفیع مقام ہے جو روز قیامت حضور نبی کریم ﷺ کی شان نبوت کے لئے مختص ہوگا۔ آپ ﷺ کا مقام محمود پر فائز ہونے کا مقصد امت کی شفاعت فرمانا ہے اور قرآن و حدیث سے یہ ثابت شدہ امر ہے کہ شفاعت حضور ﷺ کا حق ہے۔ قیامت کے دن شدت تکلیف میں تمام لوگ جمع ہو کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں آئیں گے اور آپ ﷺ کے حضور التجا کریں گے کہ ہمارے لئے اللہ کے حضور سفارش کریں کہ حساب کتاب جلدی شروع ہو اور ہم اس جان لیوا تکلیف سے نجات پائیں۔ لہذا احادیث متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ ﷺ کی خاطر حساب و کتاب شروع فرمائے گا تو ثابت ہوا کہ قیامت کے روز بھی تمام لوگ آپ ﷺ کو رب ذوالجلال کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں گے یہی آپ کا مقام محمود پر فائز ہونا ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہوا۔

دلیل نمبر ۵: ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے ہدایت پر

استقامت

سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنْتُمْ تَتْلُوا
عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ وَ فِيكُمْ رَسُولُهُ ط
وَ مَنْ يَعْصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ❀

اور تم (اب) کس طرح کفر کرو گے
حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر
اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم
میں (خود) اللہ کے رسول موجود ہیں،
اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط
پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی
طرف ہدایت کی جاتی ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی تو سئل پر دلالت کرتی ہے۔ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کے الفاظ پر
غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسا واسطہ اور ذریعہ ہیں کہ جس کی
وجہ سے اللہ پاک لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر راہ ہدایت کی روشنی عطا فرماتا ہے
۔ جبکہ وَ كَيْفَ تَكْفُرُونَ سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ کفر کی طرف نہ پلٹنا بھی
رسول ﷺ کے وسیلے سے ہے، یعنی معلوم ہوا کہ ہدایت بھی اگر ملتی ہے تو رسول ﷺ
کے وسیلے سے اور اس ہدایت پر استقامت بھی اگر ملتی ہے تو رسول ﷺ کے وسیلے سے۔
اللہ پاک قادر و قیوم ہے، وہ براہ راست ہدایت دے سکتا ہے مگر جب وہ خود فرماتا ہے
کہ وہ رسول ﷺ کی وجہ اور وسیلہ سے ہمیں ہدایت پر قائم رکھے گا تو اس سے ہمارے

لئے یہی ثابت ہوا کہ وسیلہ جائز امر ہے۔

دلیل نمبر ۶: ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے عذاب کا

ٹل جانا

سورہ انفال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ط وَ مَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۸﴾

اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے در آنحالیکہ (اے حبیبِ مکرم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے امت سے عذاب ٹال دینے کی دو وجوہات بیان فرمائیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا ان میں موجود ہونا۔

۲۔ اللہ پاک سے مغفرت طلب کرنا۔

سب سے پہلے امت کے اندر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے عذاب نہ دینے کا بیان فرمایا اور اس کے بعد اپنے حضور طلب مغفرت کی وجہ سے عذاب نہ دیا

جانا بیان فرمایا۔ بارگاہ الوہیت میں طلب مغفرت سے بھی مقدم رسول ﷺ کا واسطہ بیان کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب تک رسول ﷺ موجود ہیں ان کے وسیلے سے امت پہ عذاب نہیں آ سکتا۔ بعض لوگ جو اس سے ظاہری حیات طیبہ مراد لیتے ہیں، ہمارے نزدیک وہ درست نہیں۔ یہاں بالکل ایسی کوئی بات نہیں کہ ظاہری حیات مبارکہ میں بھی توسّل جائز ہے اور بعد از ممات بھی بلکہ مطلقاً آپ ﷺ کی موجودگی کا ذکر ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم بیان کریں گے کہ آپ ﷺ کی ولادت سے قبل یہود مشرکین عرب پر فحیابی کے لئے آپ ﷺ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ
عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا۔ ﴿۸۹﴾

حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر
الزمان حضرت محمد ﷺ اور ان پر
اترنے والی کتاب قرآن کے وسیلے
سے) کافروں پر فحیابی (کی دعا)
مانگتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں یہودیوں کا ایک عمل بیان ہوا ہے جس کی قرآن مجید نے تصدیق فرمائی اور جملہ محدثین و مفسرین کرام نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ جب گزشتہ امتوں کا ہمارے آقا حضور نبی کریم ﷺ سے توسّل کرنا ثابت ہے تو پھر اس امت کے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنا تو بطریق اولیٰ جائز اور درست عمل ہے۔

دلیل نمبر ۷: حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام

کی عبادت گاہ کو وسیلہ بنانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ
عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ
عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَمْرُئِمُ أَنِّي
لَكَ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ
اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ

حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

اور اس کی نگہبانی زکریا کے سپرد کر دی،
جب بھی زکریا اس کے پاس عبادت
گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے
پاس (نئی سے نئی) کھانے کی چیزیں
موجود پاتے، انہوں نے پوچھا: اے
مریم! یہ چیزیں تمہارے لئے کہاں
سے آتی ہیں؟ اس نے کہا: یہ (رزق)
اللہ کے پاس سے آتا ہے، بے شک
اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا
کرتا ہے۔

اس سے متصل اگلی آیت میں قرآن مجید نے اس مقام پر حضرت زکریا علیہ السلام

کی دعا کا ذکر کیا:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ
رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً
طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ

اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا
کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی
جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے

شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

الدُّعَاءُ ❀

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں ذہن میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا زکریا علیہ السلام جب بھی سیدہ مریم علیہا السلام کے حجرے میں ان کی خبر گیری کے لیے تشریف لے جاتے تو وہاں انواع و اقسام کے بے موسمی پھل پاتے۔ ایک دن دعا کا خیال آ گیا کہ جو کریم رب بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے وہ بڑھا پے میں اولاد دینے پر بھی قادر ہے اور یہ خیال آتے ہی وہیں کھڑے کھڑے دعا کر دی۔ کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ دعا اللہ سے تھی اس میں مقام دعا کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن اسے عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی اور اس مقام پر چند سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں:

- ۱۔ کیا حضرت زکریا علیہ السلام نے پہلے کبھی دعا نہ مانگی تھی؟
- ۲۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو اب ہی کیوں شرف قبولیت سے نوازا گیا؟
- ۳۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اس جگہ پر کھڑے ہو کر دعا کیوں فرمائی، اس میں کیا وجہ فضیلت تھی؟

- ۴۔ قرآن نے صرف اس مقام پر دعا کا ذکر خصوصی طور پر کیوں کیا؟
- یہاں قرآن مجید نے خود اس غلط فہمی کا ازالہ ”هُنَالِكَ“ کہہ کر کر دیا۔ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ پچھلی رات شب بیداری فرمایا کرتے۔ اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی آپ نماز میں مشغول ہوئے لیکن دعا کے لیے خصوصی طور پر حجرے کا انتخاب کیا۔ اگر آپ

نے اتفاقاً وہاں کھڑے کھڑے دعا کی ہوتی تو لفظ ”ھنالک“ لانے کا کوئی فائدہ اور محل نہ ہوتا اور تو سئل بھی ثابت نہ ہوتا۔ لیکن بدیہی طور پر محبوب مقام پر کھڑے ہو کر دعا کرنا تو سئل کا آئینہ دار ہے۔

تو سئل سے دعا کی فوری قبولیت

اللہ رب العزت نے بذریعہ تو سئل، دعا کی اجابت و قبولیت کا نظارہ اسی وقت بغیر کسی تاخیر کے کرادیا:

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ
يُصَلِّي فِي الْمَحَارِبِ أَنَّ اللَّهَ
يُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ *
ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی
پڑھ رہے تھے (یا دعا ہی کر رہے
تھے) کہا نہیں فرشتوں نے آواز دی:
بیشک اللہ آپ کو (فرزند) سخی کی
بشارت دیتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے صرف اس جگہ کو مقام قرب سمجھتے ہوئے اس جگہ کے تو سئل سے دعا مانگی گئی تو وہ فوراً رنگ لائی جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ اللہ رب العزت کو اپنے محبوب بندوں سے تو سئل کرنا پسند ہے جس پسند کا اظہار دعا کی قبولیت کی صورت میں سامنے آیا۔

دلیل نمبر ۸: قمیصِ یوسف علیہ السلام سے بصارت

یعقوب علیہ السلام کا لوٹ آنا

سورۃ یوسف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ
عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ﴿۹۳﴾

(حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:) میری
یہ قمیص لے جاؤ، سوا سے میرے باپ
(حضرت یعقوب) کے چہرے پر
ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے۔

اس کے بعد کے واقعہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ
وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾

پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا اس
نے وہ (قمیصِ یعقوب) کے چہرے
پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی
لوٹ آئی۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس چیز کو انبیاء اکرام و صلحاء عظام
سے نسبت ہو جائے اس سے تو سئل کرنا توحید کے منافی نہیں کیونکہ قمیص کو بھیجنے والے
بھی نبی علیہ السلام، اس وسیلہ سے فائدہ اٹھانے والے بھی نبی علیہ السلام ہیں اور بیان کرنے والا
ماحی شرک یعنی قرآن ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ سے درجہ ذیل نکات بھی ثابت ہوتے
ہیں:

اولاً: جَاءَ الْبَشِيرُ کے اعتبار سے یہ تو سُئل اگرچہ ظاہراً تو سُئل بغیر النبی ہے لیکن فی الحقیقت یہ تو سُئل بآثار النبی ہے۔

ثانیاً: حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر قمیض ڈالتے وقت بشارت دینے والے نے زبان سے کچھ نہ کہا لہذا قمیض کے تو سُئل سے بینائی کا لوٹ آنا تو سُئل نفسی ہے۔

ثالثاً: غیر نبی سے بھی وسیلہ کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور سنت انبیاء علیہم السلام کو شرک قرار دینا انبیاء سے بغض و عناد اور نادانی و کم فہمی کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ دو جلیل القدر انبیاء کرام..... حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام..... کا وسیلہ پکڑنے کی سنت بیان ہو رہی ہے۔ اتنی بڑی صریح دلیل کی موجودگی میں کوئی مسلمان عقیدہ تو سُئل سے انکار کی جسارت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اس آیت کریمہ میں یہ امر بطور خاص توجہ طلب ہے کہ ایک پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام وسیلے کا حکم دے رہے ہیں اور دوسرے پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام اس قمیض سے تو سُئل کر رہے ہیں یعنی قمیض متو سُئل بہ ہے۔ لہذا جب پیغمبر کی قمیض سے تو سُئل امر جائز ہے تو اس سے تو سُئل بآثار الانبیاء اور تو سُئل بالصالحین کا عقیدہ بھی از خود ثابت ہو جاتا ہے۔

ما فوق الاسباب کا حقیقی مفہوم

ما فوق الاسباب کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جو اسباب کسی امر کے لیے خاص ہوں ان اسباب کو زیر استعمال لائے بغیر وہ کام ہو جائے جو کہ اس سبب کے بغیر ناممکن تھا۔

جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش۔ کہ پیدائش کے لیے اسباب کا ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں تزوج کا وجود ہی نہیں۔ اس طرح جنس مخالف کی عدم موجودگی کے باوجود پیدائش کا ہونا مافوق الاسباب میں سے ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مافوق الاسباب امور کے لیے تو شل شرک اور ماتحت الاسباب کے لیے شرک نہیں ہوتا..... یہ نظریہ دراصل مافوق الاسباب کی حقیقی تعریف سے عدم واقفیت کی پیداوار ہے۔ جبکہ سرسری سی تعریف کردی جاتی ہے کہ اس عالم اسباب سے بالا چیز مافوق الاسباب اور عالم اسباب کے اندر کی چیز ماتحت الاسباب ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کی بازیابی والی مثال زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے کہ آنکھوں کی روشنی اور بینائی کا واپس آنا اگر دوا، علاج یا آپریشن سے ہو تو اسے اسباب سے منسوب کیا جائے گا لیکن اس کے برعکس فقط قمیص کے رکھنے سے بینائی کا لوٹ آنا تو اسباب سے ماوراء چیز ہے جسے مافوق الاسباب کی اصطلاح سے موسوم کیا جائے گا۔ اس بحث سے پتہ چلا کہ:

- ۱۔ ترک اسباب سے کوئی کام ہو جائے تو وہ مافوق الاسباب ہے۔
- ۲۔ مافوق الاسباب سے تو شل کرنا قرآن سے ثابت اور انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

۳۔ اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي کوئی دعائیہ الفاظ نہیں اور نہ ہی یہ کوئی دوا ہے، یہ صرف قمیص مبارک سے بینائی کا لوٹ آنا ہے، جو کہ تو شل مافوق الاسباب میں سے ہے۔ اگر تو شل مافوق الاسباب شرک ہوتا تو قرآن مجید ہرگز ایسے امور کی تائید نہ کرتا کیونکہ قرآن تو خود ماحی شرک ہے۔

یہاں ایک بات جو بطور خاص توجہ طلب ہے وہ یہ کہ ماتحت الاسباب سے

تو سئل کو جائز کہنا اور مافوق الاسباب سے ناجائز اور شرک سمجھنا یہ بھی ایک خود ساختہ تقسیم ہے جو کسی قرآنی نص اور حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ صحیح اسلامی عقیدہ تو یہی ہے کہ حقیقی کارساز و مددگار اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانے کا تصور بھی ممکن نہیں کہ جو چیز شرک ہے وہ ہر جگہ اور ہر وقت شرک ہے۔

ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب دونوں کا تعلق دراصل ظاہری اور باطنی و روحانی اسباب سے ہے۔ ہماری زندگی کے اندر بہت سارے امور ایسے ہیں جو ماتحت الاسباب یعنی ظاہری اسباب کے تحت حل ہو جاتے ہیں اور کچھ امور وہ ہوتے ہیں جو ظاہری اسباب کے بغیر باطنی اور روحانی طور پر حل ہو جاتے ہیں یعنی اصلاً کوئی بھی کام بغیر سبب کے نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ حقیقی معنوں میں کوئی بھی امر مافوق الاسباب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی امر ظاہری اسباب (امور عادیہ) کے بغیر واقع ہو جائے تو وہ بھی حقیقتاً بغیر سبب کے نہیں بات یہ ہے کہ فرد بشر کو وہ سب کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ اگر ہم مافوق الاسباب امور میں تو سئل کو شرک قرار دیں تو اس سے نص صریح سے انحراف لازم آئے گا مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے اذن سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس انسانی روپ میں آئے تو ان سے کہا:

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾
 میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں
 (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک
 پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

اس آیت کریمہ میں حضرت جبریل امین علیہ السلام عطاء فرزند کی نسبت اپنی

طرف کر رہے ہیں جو کہ ظاہری اسباب کے بغیر ہے یعنی باپ کے بغیر صرف پھونک مارنے سے بچہ عطا کرنا یہ مافوق الاسباب چیز ہے مگر اس میں اللہ کا مقرب فرشتہ جبرئیل علیہ السلام وسیلہ بن رہے ہیں۔ لہذا ایک خود ساختہ عقیدے کی بناء پر آیات قرآنی کی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ لہذا تو سئل ایک مشروع قرآنی حقیقت ہے۔

دلیل نمبر ۹: اپنے تذلل اور بے کسی کو بطور وسیلہ پیش

کرنا

انتہائی تذلل، عاجزی، انکساری، بے کسی و بے بسی کے ساتھ اللہ کے حضور گریہ زاری اور لجاجت کے ساتھ دعا کرنا بھی اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بن جاتا ہے، رحمت الہی جوش میں آ جاتی ہے اور بندے کی مراد بر آتی ہے۔

صحابہ کرام، ائمہ اطہار کی منقول دعاؤں میں ہمیں یہی عاجزی و انکساری، ندامت و شرمندگی اور خود کو اللہ کی بارگاہ میں حقیر، بے بس اور بے کس کی طرح پیش کرنے کے احوال نظر آتے ہیں۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضرت علی شیر خداؓ حضرت امام زین العابدینؓ اور حضور غوث الاعظمؒ کی دعائیں ایسی کیفیات اور احوال سے معمور ہوتی تھیں۔

وسیلے اور تو سئل میں یہی حکمت کار فرما ہے کہ کسی چیز کو اللہ کی بارگاہ میں اپنی دعا میں بطور واسطہ اس طرح پیش کرنا کہ جہاں وہ دعا کی قبولیت کو بڑھادے وہاں بندے کی حاجت کا اللہ کی بارگاہ سے پورا ہونے کا مزید یقین بھی عطا کر دے۔ اس وسیلے کے نتیجے میں رب کی رحمت جوش میں آ جائے، بندے کی مراد جلد پوری ہو جائے اور دعا شرف قبولیت سے ہمکنار ہو۔ واسطہ اور وسیلہ بننے والی جو بھی شے ہوگی وہ کوئی

عمل ہوگا یا اللہ کا کوئی ایسا صالح بندہ جو اللہ کے ہاں اتنا مقبول و محبوب ہوگا کہ اس کی محبوبیت اور مقبولیت کا ذکر اور واسطہ بارگاہ الہی میں دعا کی قبولیت کیلئے ایک وسیلہ بن جائے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو وہ اس پر پشیمان ہو کر بارگاہ الہی میں اپنی خطا کا ذکر کرتے اور اپنی بے بسی و عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی رحمت اور عفو و درگزر کیلئے یوں عرض گزار ہوئے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ
الْخَاسِرِينَ ﴿٥٠﴾

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں
پر زیادتی کی اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا
اور ہم پر رحم (نہ) فرمایا تو ہم یقیناً
نقصان اٹھانے والوں میں سے
ہو جائیں گے۔

اس دعا کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عاجزی اور بے کسی کو بطور وسیلہ پیش کیا اور اس کی بخشش و مغفرت اور رحمت کے طلبگار ہوئے، احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ قبولیت تو بہ کیلئے حضرت آدم علیہ السلام نے حضور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ بھی پیش کیا اور آپ ﷺ کی تو بہ شرف قبولیت سے سرفراز ہوئی۔

دلیل نمبر ۱۰: ساری امت کیلئے دعا سے توسل

بارگاہ الوہیت میں دعا مانگتے ہوئے صرف اپنی ذات کے لئے ہی دعا نہ مانگنا
جیسے: اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي (اے اللہ! مجھ پر رحم فرما) بلکہ اپنی دعا میں ساری امت کو

شریک کرنا اور یوں کہنا: ”اللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا (اے اللہ ہم پر (پوری امت پر) رحم فرما۔)“
یوں دعا مانگنے سے خود بخود توسّل کا پہلو نکلتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا فَاعْفُرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا
سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿٢٠﴾
اے ہمارے رب! اب ہمارے گناہ
بخش دے اور ہماری خطاؤں کو
ہمارے (نوشتمہ اعمال) سے محو فرما
دے اور ہمیں نیک لوگوں کی سنگت
میں موت دے۔

یہ دعا جب اللہ کے صالح اور مقرب بندوں کی زبان سے نکلتی ہوتی ہے، تو
اجابت کی منزل کو پہنچتی ہے اور اپنی عمومیت کی بنا پر گنہگار، نیکوکار بھی اس میں شامل
ہو جاتے ہیں، سب بخشش و مغفرت الہی یہ کا مرثوہ جانفزا سنتے ہیں۔ گویا اجتماعی دعا کا
توسّل سب کے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۱: لفظ رب کی عباد الصالحین کی طرف

اضافت سے توسّل

بارگاہ الوہیت میں التجا کرتے وقت لفظ ”رب“ کو کسی مقدس اور پاکیزہ ہستی
کا مضاف کرنا بھی توسّل ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کو ”رب محمد“ ﷺ اور اسی طرح رب عباد
الصالحین یا کسی مقرب اور برگزیدہ بندے کا رب کہہ کر توسّل کیا جانا۔
قرآن حکیم میں ہے:

و اَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾

اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے خاص
قرب والے نیکوکار بندوں میں داخل
فرمالے۔

نفس مطمئنہ اور نفس راضیہ و مرضیہ پر فائز بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن
میں ارشاد فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝
وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ ﴿٥١﴾

اے اطمینان پا جانے والے نفس! تو
اپنے رب کی طرف اس حال میں
لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی
ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی
(گویا اس کی رضا تیری مطلوب ہو اور
تیری رضا اس کی مطلوب)۔ پس تو
میرے کامل بندوں میں شامل ہو جا
اور میری جنت (قربت و دیدار) میں
داخل ہو جا۔

اس آ یہ کریمہ میں لفظ رب کی اضافت اس نفس (بندہ مرتضیٰ) کی طرف ہے
جو اللہ کی رحمتوں، نوازشوں اور قربتوں کا مژدہ جانفزا سننے والا ہے۔ رب کو اس کی
بندگی پر ناز اور اس کی ریاضت و مجاہدہ، خلوص و للہیت پر فخر ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی
ہر آرزو و خواہش کو رب کی رضا کے تابع کر دیتا ہے اس کی ساری زندگی کا ایک ایک لمحہ

رضائے الہی کا متلاشی ہونے کی صورت میں گزرتا ہے۔ وہ مجاہدہ نفس سے نفس امارہ کی بر آرزو کو کچل دیتا ہے اور اس طرح ایمان میں ترقی کرتے ہوئے نفس مطمئنہ پر فائز ہو کر خود کو ذات الہی میں فنا کر کے بقائے دوام کی حالت میں مقام رضا پر فائز ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا بولنا رب کا بولنا، اس کا کلام کرنا رب کا کلام کرنا اور اس کا چلنا رب کا چلنا بن جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا سننا رب کا سننا بن جاتا ہے۔ ایسے بندوں کا تو سُل کرتے ہوئے جب یوں کہا جائے: اے صالح بندوں کے رب! تو اس کی رحمت جوش میں آ کر مانگنے والے کے دامنِ مراد کو بھر دیتی ہے، پھر وہ مانگنے والوں کو نہیں دیکھتا بلکہ ان کو دیکھتا ہے جو اس کے مقامِ قرب پر فائز ہوتے ہیں۔ مقرب اور صالح بندوں کے تو سُل سے مانگنا خود حضور نبی اکرم ﷺ کی بھی سنت ہے۔ صبح کی دو رکعتوں کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اللهم رب جبریل و میکائیل و
 اے جبریل، میکائیل، اسرافیل اور
 اسرافیل و محمد (ﷺ)!
 محمد (ﷺ) کے رب! میں جہنم کی
 أعوذ بک من النار۔
 آگ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۱۔ المستدرک للحاکم، ۳: ۶۲۲
 ۲۔ مجمع الزوائد، ۲: ۲۱۹

۱۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱: ۱۹۵، رقم: ۵۲۰

مذکورہ کتب میں یہ حدیث حضرت اسامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جبکہ تھوڑے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث درج ذیل کتب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

۱۔ سنن النسائی، ۲: ۳۱۹
 ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۶: ۶۱

۳۔ مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۱۰، ۱۰۴

شیخ محمد بن علوی المالکی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان اسماء مبارکہ کو خاص طور پر ذکر کرنا ان کو وسیلہ بنانے کے معنی میں ہے۔

گویا آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور

جبریل، اسرافیل، میکائیل اور محمد (ﷺ) کو آپ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں۔“ ❀

دلیل نمبر ۱۲ : ذکر الہی وسیلہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ

ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ

فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ

الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ۔ ❀❀

اور (یہ) ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی

برائی کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر

بیٹھتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، پھر

اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور

اللہ کے سوا گناہوں کی بخشش کون کرتا

ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان جب گناہوں میں مبتلا ہو جائے

اور اس کا دامن عصیاں سے آلودہ ہو جائے تو ایسی صورت حال میں ذکر الہی سے

توکل، اس کی بخشش و مغفرت کا سبب بن جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں ذکر الہی کو گناہوں کی

معافی کا وسیلہ ٹھہرایا گیا ہے۔

دلیل نمبر ۱۳: ذکرِ انبیاء و اولیاء سے وسیلہ

اللہ کے محبوب اور مقرب بندوں کا ذکر کرنا یہ بھی وسیلہ ہے جسکی دلیل سورہ فاتحہ ہے جس میں اسمِ ذات، اسماء و صفات، انبیاء و اولیاء اور شہداء و صالحین کا وسیلہ پیش کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ۔ ﴿۱﴾
ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

جن لوگوں پر انعام فرمایا گیا، ان کی تفصیل ایک اور مقام پر قرآن میں یوں بیان کی گئی ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَ الرَّسُولَ
فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَ الصَّٰدِقِينَ وَ
الشُّهَدَاءِ وَ الصَّٰلِحِينَ وَ حَسُنَ
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾
اور جو کوئی اللہ اور رسول (ﷺ) کی
اطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ
قیامت) ان (ہستیوں) کے ساتھ
ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص)
انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدیقین،
شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے
ساتھی ہیں۔

سورہ فاتحہ ہر نوع کے وسیلہ کی جامع دعا ہے۔ یہ پوری سورۃ گویا سورہ وسیلہ

ہے اس میں توحید، رسالت اور شان ولایت سب جمع ہیں۔ لہذا جب نیک لوگوں کی راہ دکھانے کا ذکر ہوا تو دوسری جگہ ان کی نشاندہی ہو گئی کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اور ان لوگوں کی وجہ سے ہدایت ملنا دلیل تو سئل ہے۔

دلیل نمبر ۱۴: انعامات و احسانات الہیہ سے تو سئل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِذْ
كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا۔ ❀

اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو
جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے
تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت
پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے
باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا
تُحْصُوْهَا ۚ اِنَّ اللَّهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو
انہیں پورا شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک
اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ ❀❀

بندہ اگر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتا رہے اور ان نعمتوں کو یاد کرنے کے بعد اللہ
سے مغفرت طلب کرے تو اس وسیلے سے اللہ کو بڑا بخشنے والا پائے گے۔ یہاں صراحتاً یہ
بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت مغفرت، اس کی نعمتوں کے تذکرے کے
وسیلے سے جوش میں آتی ہے۔ جو دعا اس کے انعامات اور احسانات کو یاد کر کے اور ان

❀ النحل، ۱۶: ۱۸

❀❀ آل عمران، ۳: ۱۰۳

کا وسیلہ دے کر مانگی جائے وہ بندے کی طرف سے اللہ کی نعمتوں کا شکرانہ بن کر اجابت کو پہنچتی ہے۔ اس پر خود نص قرآنی شاہد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴿۱۵﴾ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کرونگا۔

دلیل نمبر ۱۵: وعدہ الہی سے توسُّل

اللہ تعالیٰ نے امت مصطفویٰ سے اپنی شان کے مطابق جو مختلف وعدے فرمائے ہیں، ان کا ذکر کر کے اس کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا وَاتِّبْنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۱۶﴾

اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

بندہ اپنی نماز اور دعا میں اپنے مولا سے ہم کلام ہو کر اور اپنا گناہ آلودہ دامن لیکر عرض گزار ہوتا ہے کہ یا اللہ! میرے اعمال تو اس قابل نہیں کہ ان کی وجہ سے میں بخشش و مغفرت کا مستحق ٹھہروں اس لیے تجھ سے تیرے رسولوں کی وساطت سے

سوال کرتا ہوں کہ محشر کی تپش و حرارت اور اس کی ہولناکیوں سے مجھے محفوظ و مامون فرما، میں نے تیرے برگزیدہ پیغمبروں کا دامن پکڑ لیا ہے، ان کی راہ پر چل پڑا ہوں، ان کے لائے ہوئے دین کی پیروی کر رہا ہوں، دین کی پیروی ہی کو تیرے انبیاء علیہم السلام نے نجات کا وسیلہ بنایا ہے اس لئے مجھے اپنے وعدہ کو روز روشن کی طرح دکھا دے اور تیرے وعدے ہمیشہ وفا ہی ہوتے ہیں۔

باب سوم

توسل پر اعتراضات کا رد

گزشتہ باب میں ہم نے مفہوم توئسل کی وضاحت کے لئے بے شمار آیات قرآنی میں سے صرف چند آیات کا ذکر کیا جن سے صراحت کے ساتھ توئسل کا جواز ثابت ہوا۔ اگر دین کی حقیقی روح کو سمجھتے ہوئے ہم ان ارشادات باری تعالیٰ پر غور کریں تو نفس مسئلہ سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں خود بخود دور ہو جائیں گی اور صحیح اسلامی عقیدہ سمجھ آ جائے گا کہ کون دین حنیف پر اعتدال کے ساتھ گامزن ہے اور کون غلط فہمیوں کی بنا پر راہ اعتدال سے ہٹ گیا ہے۔ اس باب میں ہم توئسل کے عدم جواز پر وارد ہونے والے بعض اعتراضات کا رد کریں گے اور جو درست موقف ہے اسے قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں اجاگر کریں گے، یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں ان آیات کا صحیح مفہوم پیش کیا جائے گا جن کی غلط تاویلات کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ توئسل کے عدم جواز پر دلیل ہیں اور دوسری فصل میں ذات انبیاء و صلحاء سے توئسل کے حوالے سے ایک ایک اعتراض کا جواب شرعی دلائل کی روشنی میں دیتے ہوئے صحیح موقف بیان کریں گے۔

فصل اوّل

عمومی اشکالات کا ازالہ

پہلا اعتراض: تو سئل بالغیر جائز نہیں

بعض لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے وسیلے کا یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ چونکہ یہ تو سئل اپنا عمل نہیں اس لئے جائز نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک صرف متوسل کا اپنا عمل صالح ہی وسیلہ بن سکتا ہے۔ وہ عمل غیر سے تو سئل کے عدم جواز پر مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

۱۔ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ﴿۱﴾

ہر انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

۲۔ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿۲﴾

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۳۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴿۳﴾

اس نے جو نیکی کمائی اس کیلئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے۔

﴿۱﴾ النجم، ۵۳: ۳۹

﴿۲﴾ الانعام، ۶: ۱۶۴

﴿۳﴾ البقرہ، ۲: ۲۸۶

توسُّل بالغیر پر درست موقف

توسُّل بالغیر پر صحیح موقف یہ ہے کہ وسیلہ پکڑنے والے کے علاوہ کسی دوسرے کا عمل بھی وسیلہ بن سکتا ہے۔ درحقیقت توسُّل کے عدم جواز میں جو آیات بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں ان کا تعلق عمل اور جزائے عمل سے ہے۔ نہ کہ قبولیت دعا اور تقرب الی اللہ کے لئے وسیلہ ڈھونڈنے سے۔ توسُّل میں اللہ کے حضور اپنی حاجت کی تکمیل کیلئے کسی محبوب شے اور برگزیدہ ہستی کا وسیلہ پیش کیا جاتا ہے جبکہ ان آیات کا تعلق وسیلے سے ہرگز نہیں اور نہ ہی وسیلہ ان کا نفسِ مضمون ہے۔

لَيْسَ لِلْبَّانِسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ کا تو فقط یہ مطلب ہے کہ انسان کو جو کچھ ملے گا وہ اس کے اپنے اعمال کی جزا ہوگی۔ توسُّل کی بحث جزا اور عمل سے نہیں بلکہ دعا اور دعا کے وقت اس کی قبولیت کیلئے کسی کو وسیلہ بنانے سے ہے۔

اسی طرح وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ کا تعلق گناہ کے بوجھ اور جواب دہی کے تصور سے ہے اور کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کا تعلق عمل اور جزائے عمل سے ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ آیات اپنے موضوع کے اعتبار سے توسُّل کی بحث سے خارج ہیں۔ عمل غیر سے توسُّل پر مسلم شریف کی صحیح حدیث دلیل قوی ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول	حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا مات الإنسان	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب
انقطع عنه عمله إلا من ثلثة: إلا	انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال
من صدقة جاریة، أو علم ینفع	منقطع ہو جاتے ہیں، لیکن تین عمل منقطع

بہ، اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهٗ ﴿۱۰﴾ نہیں ہوتے: صدقہ جاریہ، علم نافع اور

نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہتی

ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی رو سے انسان کے مندرجہ ذیل تین اعمال کو موت بھی ختم نہیں کر سکے گی اور ان کا اجر و ثواب اسے بعد از وصال بھی ملتا رہے گا:

۱۔ ان اعمال میں سے پہلا صدقہ جاریہ ہے جیسے کوئی مسجد، درسگاہ یا کوئی سڑک، ہسپتال وغیرہ کا مفاد عامہ کے لیے تعمیر کرانا، یا دین کی ترویج و اشاعت اور احیائے اسلام کیلئے کوئی مالی تعاون کرنا، یا غریب و مفلس لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی رفاہی ادارہ (welfare society) قائم کرنا یا کسی ایسی تنظیم یا فلاحی ادارے کو فنڈز مہیا فلاح و بہبود کے ان کاموں کا ثواب اسے ہمیشہ ملتا رہے گا جب تک کہ یہ قائم رہیں گے۔

۲۔ اسی طرح علم نافع ہے۔ کوئی عالم دین کسی کو پڑھائے اور درس و تدریس کے سلسلہ کو جاری رکھے یا علمی و دینی مسائل پر کوئی کتاب لکھ دے یا کوئی محقق تحقیق کرے، اس کے بعد جب تک اس کے شاگردوں کے ذریعے علم و تحقیق کی ترویج ہوتی رہے یا وہ کتاب دنیا میں پڑھی جاتی رہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں، اس کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔

۳۔ صدقہ جاریہ اور علم نافع کے بارے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ وسیلہ بن سکتے

۵۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۳۷۲

۶۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۶: ۲۷۸

۷۔ شرح السنۃ للبخاری، ۱: ۳۰۰، رقم: ۱۳۹

۸۔ مشکاة المصابیح، ۳۲

۱۔ صحیح مسلم، ۲: ۴۱

۲۔ سنن ابوداؤد، ۲: ۴۲

۳۔ سنن النسائی، ۲: ۱۳۲

۴۔ جامع الترمذی، ۱: ۱۶۵

ہیں لیکن حدیث پاک میں ولد صالح کا ذکر بھی ہے کہ وہ بھی والدین کے حق میں صدقہ جاریہ کا ذریعہ ہیں اس کے نیک اعمال سے بھی والدین کو بعد از وفات نفع پہنچتا ہے۔ بلاشبہ ولد صالح کے اعمال، عمل غیر کے زمرے میں آتے ہیں جو والدین کے لئے وسیلہ بن جاتے ہیں۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ نیک اعمال اولاد نے سرانجام دیئے ہیں لیکن والدین کی وفات کے بعد یہی اعمال صالحہ ان کی مغفرت کا وسیلہ بن رہے ہیں تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی ایک شخص کے عمل دوسرے کے لئے نفع رساں ہو رہے ہیں، جبکہ صدقہ جاریہ اس کا اپنا عمل تھا جو اس نے کیا اس کا ثواب اسے بہر حال ملتا رہے گا اور اسی طرح کا معاملہ علم و تحقیق کے ساتھ ہے جس کے ذریعے اس نے رشد و ہدایت کو پھیلایا، یہ بھی اس کا ایسا عمل تھا جس کا اجر بھی اسے ملتا رہے گا۔ لیکن ولد صالح کے اعمال صالح میت کے اپنے عمل نہ ہونے کے باوجود اس کے لئے باعث ثواب بن رہے ہیں اور وہ ولد صالح والدین کی بخشش و مغفرت کا وسیلہ بن رہا ہے۔ لہذا اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ عقیدہ درست نہیں کہ وسیلہ انسان کا صرف اپنا عمل صالح ہی بنتا ہے، کسی دوسرے کا عمل وسیلہ نہیں بنتا بلکہ عمل غیر بھی باعث نفع بنتا ہے۔

دوسرا اعتراض: ولد صالح کا عمل صالح عمل غیر نہیں

اس اصول پر قائم رہتے ہوئے کہ متوسل کے اپنے اعمال کا وسیلہ جائز ہے غیر کا وسیلہ جائز نہیں بعض لوگ مذکورہ حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ولد صالح بیشک اس کا بیٹا ہے اور اس کے نسب سے ہے، نفساً غیر بھی ہے لیکن اس کے باپ کی تربیت نے اسے نیک و صالح بنایا ہے اس بنا پر وہ جو عمل کرے گا وہ اسی کا بالواسطہ عمل تصور ہوگا اور وہ جو اعمال صالحہ

بجلائے گا اس کا اجر اس کے باپ کو بھی ملے گا اور یوں بالواسطہ یہ اسی کے اعمال کے کھاتے میں شمار ہوں گے۔ اور اس پر یہ حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ
حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَ أَجْرُ مَنْ ایجاد کیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور اس کا
عَمَلٌ بِهَا بَعْدَهُ۔ ❀ بھی جس نے اس کے بعد اس پر عمل کیا۔

صحیح موقف

اس حدیث کی یہاں یہ تاویل غلط ہے۔ اسی طرح جس طرح وہ بعض آیات کی اپنے موقف کے مطابق غلط تاویلات کرتے ہیں جن کا اصل موضوع سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ اگر سامع و مخاطب باشعور اور صاحب علم ہو تو وہ حقیقت حال سے آگاہ ہو جاتا ہے جبکہ عام آدمی صرف ان آیات کو سن کر ہی پریشان ہو جاتا ہے۔ مزید برآں آیات کی تلاوت تک ہی بات ختم نہیں کی جاتی بلکہ ان آیات کی من پسند تفسیر اور تاویل کر کے مخاطب کو پریشان بھی کیا جاتا ہے اور وہ اپنی کم علمی کی بنا پر یہ سمجھ لیتا ہے کہ آیات کا حقیقی مطلب و مفہوم یہی ہے۔ ایسی صورت میں جب تک وہ صحیح العقیدہ صاحب علم کی طرف رجوع نہ کرے تو وہ تشکیک میں مبتلا رہتا ہے۔ سو ایسی صورت حال میں ان صاحبان علم و معرفت کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو واقفان حال ہوں اور علم و عمل کا پیکر اور اہل ذکر ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۳۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۴: ۱۷۵

۴۔ فتح الباری، ۱۳: ۳۰۲

❀ ۱۔ صحیح مسلم، ۱: ۳۲۷

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۴: ۳۵۹، ۳۵۷

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾
 سو تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں خود (کچھ) معلوم نہ ہو۔

اس حدیث پاک میں یہ چیز زیر بحث نہیں کہ ولد صالح کا عمل والدین کا بالواسطہ عمل ہے یا نہیں بلکہ بالصراحت بیان یہ ہو رہا ہے کہ اعمال میں سے اولاد کے اعمال صالح کا ثواب والدین کو ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بعد از وفات نیک عمل کر کے والدین کو ایصال ثواب کریں گے جس سے ان کو فائدہ ہوگا۔

اسی طرح تو شل کے رد میں جو سوچی سمجھی (premeditated) آیات ان کا موقع محل اور اطلاق دیکھے بغیر تلاوت کی جاتی ہیں تاکہ اس طریقے سے نفس مسئلہ کا عدم جواز ثابت ہو جائے، ان میں ایک آیت کریمہ یہ بھی ہے:

وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۷﴾
 اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہیے کہ میری فرمانبرداری اختیار کریں اور مجھ پر (پختہ) یقین رکھیں تاکہ وہ راہ (مراد) پا جائیں۔

اس آیت کریمہ سے یہ موقف ثابت کرنا کہ اللہ کے علاوہ کسی غیر کو پکارنا جائز

نہیں ہے کیونکہ باری تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار کو خود سنتا بھی ہے اور اسے شرف قبولیت سے بھی نوازتا ہے درست نہیں۔ صحیح موقف یہ ہے کہ بے شک دعاؤں کا سننے والا اور اسے قبول کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی حاجت روا ہے لیکن اس سے مانگتے وقت اس کے کسی نبی، رسول اور ولی کو اس کی بارگاہ میں دعا کی قبولیت کیلئے بطور وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے جس پر ہم نے گزشتہ باب میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

شفاعت اور توسل کے عدم جواز پر یہ آیات بھی بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں:

۱- وَ اتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَ لَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٢٨﴾

اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے کچھ بدلہ نہ دے سکی گی اور نہ اس کی طرف سے (کسی ایسے شخص کی) کوئی سفارش قبول کی جائے گی (جسے اذن الہی حاصل نہ ہوگا) اور نہ اس کی طرف سے (جان چھڑانے کیلئے) کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ (امر الہی کے خلاف) ان کی امداد کی جاسکے گی۔

اس ضمن میں بطور خاص یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شفاعت کے انکار کے حوالے سے جتنی بھی آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ ساری کفار و مشرکین اور منافقین پر صادق آتی ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ان کا اطلاق مومنین پر نہیں ہوتا اس لیے کہ شفاعت کا موضوع تو مومنین کیلئے ہے، یہ کفار و مشرکین کا سرے سے موضوع ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

شفاعت کی نفی کفار و مشرکین کیلئے کی جارہی ہے۔ روز آخرت انبیاء و صالحین شفاعت کریں گے، ہمارے آقا و مولا حضور ﷺ شفاعت کبریٰ کے منصب جلیلہ پر فائز ہوں گے تو اس وقت کفار و مشرکین بھی چیخ و پکار کر رہے ہوں گے:

۲- فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ وَلَا

صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿۱۰﴾

والا ہے۔ اور نہ کوئی گرم جوش دوست ہے۔

کفار و مشرکین کا روز محشر چیخ و پکار کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز شفاعت ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کفار و مشرکین کی چیخ و پکار کا کوئی محل نہ ہوتا۔ ان کا وادہ یا مچانا خود اس آیت سے شفاعت کے ثبوت اور وقوع کو ثابت کر رہا ہے، اور اس انتفاع کا مفہوم ہی یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں شفاعت کی ہوں گی مگر مومنین کیلئے نہ کہ کفار و مشرکین کیلئے۔

لہذا کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق اہل ایمان پر کرنا اور ان آیات کو شفاعت کے عدم جواز کی دلیل بنانا حقیقت کا منہ چڑھانے کے مترادف ہے، اس لئے کہ شفاعت کا تعلق کفار و مشرکین سے نہیں۔ کفار کے حق میں شفاعت کی نفی سے اہل ایمان کے حق میں شفاعت کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ مومنین کے حق میں شفاعت نص قرآن و حدیث سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔

آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کی ضرورت

مختلف فیہ مسائل اور معاملات کے حوالے سے پیش کی جانے والی آیات کا صحیح

مفہوم جاننے کیلئے حدودِ صحت کا تعین کرنا اشد ضروری ہے۔ مناظرانہ اور فرقہ وارانہ ماحول میں خلافِ حقیقت فریقِ مخالف کو نیچا دکھانے کیلئے آیات کا صحیح معنی و مفہوم دانستہ فریقِ مخالف کو آزمائش اور پریشانی میں ڈالنے کیلئے آیات کے غلط اطلاق کا سہارا لیتا ہے اور اپنے تئیں وہ سمجھتا ہے فریقِ مخالف شکست سے دوچار ہو جائے گا۔ ایسی صورت حال میں آیات کی حدودِ صحت کا تعین کرنا چاہیے اور جمہور اہل اسلام کے ہاں قرآن و سنت کی روشنی میں آیت کا جو صحیح مفہوم بنتا ہو اور اس کا تعلق جس موضوع سے ہو اسے نظر انداز کر کے ہرگز ادھر ادھر کی باتوں میں نہیں الجھنا چاہئے۔ اس طریقے سے صحیح عقیدہ بھی واضح ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے باہمی فرقہ وارانہ کشیدگی کے ماحول کو بھی اعتدال پر لانے میں مدد ملتی ہے۔

تیسرا اعتراض: قربتِ الہی کے لئے غیر اللہ کی عبادت کی

طرح تو سئل بھی جائز نہیں

توسئل کے عدم جواز پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین بتوں کی پوجا کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں لہذا جس طرح تقربِ الہی کے لئے ان بتوں کی عبادت کرنا ناجائز اور ناپسندیدہ فعل ٹھہرا، اسی طرح اب اگر کوئی اللہ کے قرب کے لئے کسی کا توسئل کرے تو وہ بھی اسی طرح ناجائز ہے۔ منکرین توسئل بطور دلیل قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ

ہم تو ان کی پرستش محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا مقرب بنادیں۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ مشرکین بتوں کی پوجا اللہ کا قرب حاصل کرنے

کیلئے کرتے تھے وہ انہیں معبود سمجھ کر عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے قرب کیلئے وسیلہ تصور کرتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وسیلے کو رد کر دیا۔ لہذا وسیلہ و توسل جائز نہیں ہے۔

جواب: غیر اللہ کی عبادت دلیل توسل سے جائز نہیں ہو سکتی

حقیقت یہ ہے مذکورہ بالا آیت کریمہ توسل کے انکار اور رد میں ہے ہی نہیں۔ توسل کے عدم جواز پر یہ بالکل جاہلانہ اور متعصبانہ استدلال ہے۔ یہ آیت کریمہ غیر اللہ کی عبادت کے حرام ہونے پر نص قطعی کا حکم رکھتی ہے، اور اس حرمت کو کوئی دلیل جواز و حلت میں نہیں بدل سکتی۔ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے، اسلام نے اسے ناجائز قرار دے دیا، اور اسے شرک و کفر قرار دیا جب ان کی بت پرستی کو اسلام نے حرام اور شرک قرار دیا تو اس کے جواز میں انہوں نے یہ دلیل پیش کی اور بجائے اس کے کہ وہ بتوں کی عبادت سے برات کا اظہار کرتے اور اس حرام فعل کو ترک کر دیتے، وہ ڈھٹائی سے دلیل جواز کے درپے ہوئے کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں مگر معبود سمجھ کر ان کی عبادت نہیں کرتے بلکہ اس لیے ان کی عبادت کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہو جائے یعنی ہم تقرب الی اللہ کیلئے انہیں وسیلہ بناتے ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اس دلیل کو رد کر دیا گیا کہ اگر کوئی تقرب اور وسیلہ کے ارادے سے بھی غیر اللہ کی عبادت کرے تو پھر بھی یہ شرک اور حرام قطعی ہے، کوئی دلیل اس کو جائز نہیں کر سکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ مشرکین نے اپنے مشرکانہ اور حرام فعل کو جائز ثابت کرنے

کیلئے توئٹل کی دلیل کیوں دی؟ یہ بڑی بدیہی بات ہے کہ دلیل دینے والا ہمیشہ اپنے مخاطب کے نظریات و عقائد کو سامنے رکھتا ہے، اسی تناظر میں وہ ایسی دلیل لاتا ہے جو اس کے فریق مخالف و مخاصم کیلئے نہ صرف قابل قبول بلکہ اس کے اعتقاد کا حصہ بھی ہوتی ہے۔ اس دلیل پر انحصار کرتے ہوئے وہ اپنے مخاطب کو وہ دلیل دیتا ہے کہ شاید اس دلیل کی وجہ سے اس کا فعل جائز ہو جائے جبکہ اس کے برعکس اگر اسے یہ معلوم ہو کہ بت پرستی مخاطب کے نزدیک مردود ہے اور بتوں کا توئٹل بھی مردود ہے تو ایسی دلیل وہ کبھی بھی نہیں دے گا۔ یا یوں کہہ لیں اگر انہیں یہ معلوم ہو کہ بت پرستی شرک ہے اور توئٹل بھی شرک ہے تو ایسی صورت میں بت پرستی کے جواز کیلئے وہ توئٹل کی دلیل کیوں دیتے؟ گویا مشرکین کا بت پرستی کے شرک نہ فعل کے جواز کیلئے توئٹل کی دلیل دینا اس بات کا اظہار تھا کہ شاید اس جائز فعل..... دلیل توئٹل سے امر حرام یعنی بت پرستی کا کوئی جواز نکل آئے۔ وہ بخوبی جانتے تھے حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام توئٹل کو جائز سمجھتے ہیں اگر انہیں معلوم ہوتا کہ اسلام توئٹل کو جائز نہیں سمجھتا تو وہ کبھی بھی حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کو بت پرستی کے جواز کیلئے توئٹل کی دلیل پیش نہ کرتے۔ بت پرستی کے جواز کیلئے توئٹل کی دلیل پیش کرنا اس بات کا واضح اظہار تھا کہ توئٹل اسلام میں جائز ہے۔

اللہ رب العزت نے ان کی اس دلیل کو رد کر کے انہیں یہ باور کرایا کہ تمہارا توئٹل عند اللہ بے شک مقبول اور جائز ہی کیوں نہ ہو مگر اس سے شرک جائز نہیں ہو سکتا شرک قطعی حرام ہے۔ توئٹل جیسی ارفع دلیل بھی بت پرستی کو شرک سے پاک نہیں کر سکتی۔ لہذا شرک شرک ہی رہا۔ اس کے جواز کیلئے دی جانے والی دلیل کو اللہ رب العزت نے قبول نہیں کیا۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ
 يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ
 يَشَاءُ۔ ❀

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس
 کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر
 (جو گناہ بھی ہو) جس کے لئے چاہتا ہے
 بخش دیتا ہے۔

وہ ہر گناہ کو معاف کر دیتا ہے مگر فعل شرک کو معاف نہیں کرتا۔ گویا شرک ایسا فعل
 ہے جو ہر حال میں ناقابل قبول اور ناقابل معافی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ آیہ کریمہ
 کی رو سے شرک رد ہوا، تو سب رد نہیں ہوا۔

پہلی تمثیل

یہ بات بالکل اسی طرح ہے جیسے (معاذ اللہ) کوئی بیٹا ماں کو جوتی سے مار رہا ہو
 اور باپ بیٹے کا ہاتھ روک کر پوچھے کہ ماں کو کیوں مار رہے ہو؟ بیٹا جواب میں کہے کہ میں
 ماں کو کبھی بھی نہ مارتا اور مجھے معلوم ہے کہ یہ ناپسندیدہ کام ہے مگر میں نے یہ سارا کچھ اس
 لیے کیا کہ وہ غلیظ گالیاں دے رہی تھیں۔ مارنے کے جواز کے بارے میں بیٹے کی اس دلیل
 کے پیچھے اس کا یہ خیال کارفرما تھا کہ باپ کو گالیاں دینے سے شدید نفرت تھی۔ اُس کی اس
 نفسیات کو جان لینے سے بیٹے کا گمان غالب یہ تھا کہ شاید گالیاں دینے والی دلیل کام کر
 جائے گی اور اس کی حرکت پر باپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور وہ کہے گا: بیٹا! تم نے اپنی ماں
 کو مار کر اچھا کیا ہے اور تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ غلیظ گالیاں دینے پر اسے ایسا ہی سبق
 ملنا چاہئے۔ مگر باپ نے یہ کہنے کی بجائے بیٹے کو دو چار تھپڑ رسید کر دیئے اور اپنی ناراضگی کا
 اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے گندی گالیاں دینا اچھی بات نہیں مگر پھر بھی وہ تمہاری ماں
 ہے، تمہیں اس کو مارنے کا کوئی حق نہیں۔ اس طرح بیٹے نے اپنی ماں کو مارنے کی جو دلیل

دی وہ بلا جواز تھی اور باپ نے اسے رد کر دیا۔

بتوں کی پوجا کے بارے میں جب کفار و مشرکین سے پوچھا جائے گا تو اسی طرح وہ کہیں گے کہ ہم انہیں معبود تو نہیں سمجھتے محض تو شل کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں۔ غیر اللہ کی پرستش کے جواز میں ان کی دلیل تو شل کو اس بنا پر رد کر دیا جائے گا کہ تمہاری اس دلیل سے بت پرستی کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

دوسری تمثیل

ایک ناپاک چیز کو پاک چیز کی دلیل سے پاک نہیں کیا جاسکتا۔ یا ایک حرام فعل کو محض دلیل جواز سے حلال نہیں کیا جاسکتا جیسے کوئی کہے کہ میں شراب پیتا ہوں۔ اس سے کوئی پوچھے کہ شراب کیوں پیتے ہو؟ اور وہ کہے: غم غلط کرنے کیلئے پیتا ہوں۔ تو اسے کہا جاسکتا ہے کہ غم دور کرنے کے شراب نوشی کے فعل حرام کے سوا اور بھی بے شمار طریقے ہیں، مثلاً انسان باغ میں سیر کرے، ورزش کرے، صبح کی ٹھنڈی فضا میں سانس لے، ذکر و اذکار کرے، عبادات و نوافل ادا کرے وغیرہ۔

اب جہاں تک فی نفسہ غم غلط کرنے کی دلیل کا تعلق ہے تو یہ جائز ہے مگر اس دلیل سے شراب کیسے حلال ہو سکتی ہے۔ دلیل جواز سے شراب کی حرمت ختم نہیں ہو سکتی کہ غم غلط کرنے کی دلیل سے شراب کا پینا حلال سمجھا جائے۔ اسی طرح جب کفار و مشرکین سے پوچھا جائے کہ بت پرستی کیوں کرتے ہو؟ اور وہ کہیں: ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے اللہ کا قرب مل جائے۔ ان کی اس دلیل کو اس لئے رد کر دیا گیا کہ تو شل سے بت پرستی اور شرک جائز نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک باری تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا تعلق ہے تو اس کے بے شمار جائز

طریقے موجود ہیں۔ بت پرستی اس کا قرب حاصل کا طریقہ نہیں ہے، یہ تو حرام اور شرک ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کیلئے جائز طریقوں کو استعمال میں لایا جائے تاکہ اس کا حقیقی قرب اور اس کی رضا و خوشنودی ملے، جبکہ بت پرستی قرب الہی کا نہیں بلکہ عذاب الہی کا باعث بنتی ہے۔

چوتھا اعتراض: انبیاء کرام و اولیاء عظام خود وسیلے کے متلاشی ہیں

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جن مقربین کو لوگ اپنا وسیلہ بناتے ہیں ان کا تو خود اپنا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے وسیلے کے متلاشی رہتے ہیں لہذا وہ کس طرح دوسروں کے لئے وسیلہ بن سکتے ہیں؟ اس لئے انبیاء و اولیاء کا وسیلہ درست نہیں۔ اس غلط موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے معترضین قرآن حکیم کی جس آیت کو تاویل کے غلط معنی پہناتے ہیں، وہ درج ذیل ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ
إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ
أَقْرَبُ ❀

یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں (یعنی ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہم کے بت اور تصویریں بنا کر انہیں پوجتے ہیں) وہ (تو خود ہی) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے (بارگاہ الہی میں) زیادہ مقرب کون ہے۔

آیت کریمہ سے جوازِ توسُّل کا ثبوت

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ توسُّل کے جواز پر بہت بڑی دلیل ہے۔ اس سے جو یہ بات ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ انبیاء و صلحاء کا خود اپنا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے وسیلہ تلاش کرتے ہیں، لہذا دوسروں کے لئے وسیلہ نہیں بن سکتے، ان کا یہ استدلال غلط ہے۔ لیکن ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ جو خود نیکوکار اور مقرب الہی ہیں وہ کس کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں، قرآن نے اس کا جواب یہ دیا کہ

أَيُّهُمْ أَقْرَبُ: وہ جو ان میں سے اللہ کے زیادہ قریب ہیں وہ انہیں اللہ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ بناتے ہیں۔ گویا مقرب لوگ اقرب الی اللہ کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ غرضیکہ وہ لوگ جو اللہ کے زیادہ مقرب ہیں اور اقرب الی اللہ ہیں ان کا اپنا عمل یہ ہے کہ وہ ہر وقت وسیلے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ اپنے سے زیادہ مقرب الی اللہ کو تلاش ہی اس لیے کرتے ہیں تاکہ اسے اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے۔ جب توسُّل خود مقربانِ بارگاہِ الہی کا عمل ٹھہرا تو یہ عام لوگوں کے لئے بطریقِ اولیٰ جائز ہونے میں کیا امر مانع ہے؟

فصل دُوم

اَنْبیاء و صلحاء سے تَوَسُّل
وَر حقیقت عملِ صالح سے تَوَسُّل

اعترض

انبیاء، اولیاء اور صلحاء سے عدم جوازِ توسُّل پر ایک موقف یہ ہے کہ چونکہ ان کے اعمال ان کے ساتھ خاص ہیں اور وہ ان کیلئے وسیلہ بنتے ہیں تو ایک متوسِّل جس کے اپنے اعمال اس کیلئے وسیلہ ہوں اس کیلئے کوئی دوسرا شخص کیسے وسیلہ بن سکتا ہے۔ یعنی وسیلہ صرف اعمالِ صالحہ سے درست ہے نہ کہ ذواتِ صالحین سے۔

جواب

ہم ان کے اس موقف کو اس لئے درست تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ہم جو حضور نبی اکرم ﷺ دیگر انبیاء علیہم السلام، اہل بیت اطہار اور اولیاء و صلحاء سے توسُّل کرتے ہیں اور ان کا وسیلہ پیش کرتے ہیں تو یہ اس وجہ سے ہے کہ ہمیں ان سے بے پناہ محبت و عقیدت ہے اور وسیلہ اس کا پیش کیا جاتا ہے جس سے محبت ہو اور یہ مسلمہ امر ہے کہ اللہ کے محبوب، مقرب اور مقبول بندوں سے محبت کرنا بذاتِ خود عملِ صالح ہے اور یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کے اثبات پر دلائل شرعیہ شاہد ہیں جنہیں کسی دلیل سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

مقربین الہی کی محبت وسیلہ سے عبارت ہے

اللہ کے بندوں سے محبت کی وجہ سے متوسِّل بارگاہِ الہی میں اپنا ہی عمل پیش کرتا

ہے کہ اے مولا کریم! مجھے جو تیرے پیارے حبیب ﷺ سے محبت ہے اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور اولیاء و صلحاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے محبت ہے، اپنے اس عمل محبت کا واسطہ اور وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں کہ میری فلاں حاجت پوری فرمادے۔ گویا اللہ کے بندوں کی محبت دعا کی قبولیت کیلئے وسیلہ بن جاتی ہے اور بلاشبہ محبوبان الہی کی محبت جہاں امر الہی کی تعمیل ہے وہاں بہت بڑا عمل صالح بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

قال رسول الله ﷺ: إن الله إذا أحب عبداً، دعا جبريل الطيّل، فقال: إني أحب فلاناً فأحبه۔ قال: فيحبه جبريل۔ ثم ينادي في السماء، فيقول: إن الله يحب فلاناً فأحبوه فيحبه أهل السماء۔ قال: ثم يوضع له القبول في الأرض۔ ❀

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ سو جبرئیل بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ پھر جبرئیل آسمان میں ندا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی فلاں سے محبت کرو، پھر آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس کی محبت کو زمین (یعنی دنیا میں) اتار

❀ ۱۔ صحیح مسلم، ۲: ۳۳۱

۲۔ صحیح البخاری، ۱: ۲۵۶

۳۔ صحیح البخاری، ۲: ۱۱۵، ۸۹۲

۴۔ مؤطا امام مالک: ۷۲۳

۵۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۲۱۳

۶۔ مشکاة المصابیح: ۲۲۵

دیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے باری تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنا محبوب بنایا، پھر جبرئیل امین اور سب فرشتوں کو حکم دیا کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔ فرشتوں نے تعمیل امر کرتے ہوئے اس بندے کو اپنا محبوب بنالیا۔ یوں ساری آسمانی دنیا اللہ کے اس محبوب بندے کی محبت میں حکم الہی کے تحت شریک ہو گئی۔ بات یہاں تک ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ باری تعالیٰ نے اپنے اس بندے کی محبت کو اہل زمین کے دلوں میں اتار دیا اور اس بندے کی محبت و مقبولیت کو اس طرح عام کر دیا کہ ہر کوئی اس سے محبت کرنے لگا۔ گویا اللہ والوں سے محبت کرنا یہ اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس اعتبار سے یہ عمل خود ایک ایسا عمل صالح ہے جس میں اللہ رب العزت نہ صرف خود شریک ہے بلکہ اپنے ملائکہ اور زمینی مخلوق کو بھی اس میں شریک کر رہا ہے۔ جب یہ عمل سنت الہیہ ہونے کے ساتھ ساری زمینی و آسمانی مخلوق کا مقبول عمل ٹھہرا تو متوہل کے حق میں اس سے بڑھ کر عمل صالح اور کیا ہو سکتا ہے۔

روزِ محشر محبت و محبوب کی باہمی قربت

حقیقی محبت وہ عمل صالح ہے جو محبت کو محبوب کی قربتوں کے مقام پر فائز کرتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے:

جاء رجل الى رسول الله ﷺ،	ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت
فقال: يا رسول الله! متى قيام	میں آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول
الساعة؟ فقام النبي ﷺ الى	اللہ! قیامت کب آئے گی؟ حضور نبی
الصلوة، فلما قضى صلاته، قال:	اکرم ﷺ نماز کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
این السائل عن قيام الساعة؟	نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ

فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا، يَا رَسُولَ اللَّهِ۔
 قَالَ: مَا أَعَدَدْتُ لَهَا؟ قَالَ: يَا
 رَسُولَ اللَّهِ! مَا أَعَدَدْتُ لَهَا كَبِيرَ
 صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ إِلَّا أَنِّي أَحَبُّ إِلَيْهِ
 وَرَسُولُهُ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
 الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ وَانْتَّ مَعَ مَنْ
 أَحَبَّتْ۔ فَمَا رَأَيْتَ فَرَحَ
 الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ
 بِهَذَا۔ ❀

نے فرمایا: قیامت کے متعلق پوچھنے والا
 کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: یا
 رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ
 ﷺ نے فرمایا: تم نے قیامت کیلئے کیا
 تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا: یا
 رسول اللہ! نہ تو میں نے بہت زیادہ
 نمازیں پڑھی ہیں اور نہ ہی بے شمار
 روزے رکھے ہیں مگر اتنی بات ضرور ہے
 کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت
 رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:
 (قیامت کے دن) انسان اس کے
 ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے اور
 تیرا حشر بھی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے
 ساتھ تجھے محبت ہے۔ راوی کہتے ہیں
 کہ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو
 جتنی خوشی اس بات سے ہوئی، میں نے

۲۔ صحیح ابن حبان، ۱۶: ۳۳۵، رقم: ۷۳۲۸

۵۔ شرح السنۃ للبقوی، ۱۳: ۴۰، رقم:

۹۔ ۳۳۷۵==

❀ ۱۔ جامع الترمذی، ۲: ۶۱

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۲۰۰، ۱۷۸،

۱۰۴، ۱۶۸

۳۔ صحیح ابن حبان، ۱: ۱۸۲، ۹: ۲۰۸،

رقم: ۸، ۱۰۵

انہیں کسی اور بات سے اتنا خوش ہوتے
ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جہاں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اعمال صالحہ ہیں اور ان کی ادائیگی انسان کو اجر و ثواب کا مستحق قرار دیتی ہے وہاں اس کے ساتھ ساتھ محبت بھی ایسا عمل صالح ہے جس کا اجر محبوب کی قربت ہے۔ محبت کے عمل صالح ہونے پر خود حدیث کے الفاظ شاہد ہیں۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے سائل سے پوچھا: بتاؤ قیامت کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ تو اس کے جواب میں سائل کہتا ہے: یا رسول اللہ

== یہ حدیث ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ مندرجہ ذیل کتب میں بھی روایت کی گئی ہے:

۱۔ صحیح البخاری، ۵۲۱:۱، صحیح

۹۔ مسند ابی یعلیٰ، ۵:۱۴۴، رقم: ۲۷۵۸

۲۔ صحیح البخاری، ۹۱۱:۲

۱۰۔ مسند ابی یعلیٰ، ۶:۲۵۶، ۳۶،

رقم: ۳۵۵۷، ۱:۳۲۸۰

۱۱۔ صحیح ابن حبان، ۲:۴۲۳-۳۲۳،

رقم: ۵۶۳-۵

۳۔ صحیح البخاری، ۱۰۵۹:۲

۴۔ الصحیح لمسلم، ۲:۳۳۲، ۳۳۱

۱۲۔ المعجم الکبیر، ۳:۱۸۳، رقم: ۳۰۶۱

۵۔ مصنف عبدالرزاق، ۱۱:۱۹۹،

۱۳۔ شعب الایمان للبیہقی، ۱:۳۸۷، ۳۸۰

رقم: ۴۶۲، ۴۹۸

رقم: ۲۰۳۱۷

۱۴۔ شعب الایمان للبیہقی، ۲:۱۳۰-۱۳۰،

۶۔ مسند الحمیدی، ۲:۵۰۲، رقم: ۱۱۹۰

رقم: ۱۳۷۹

۱۵۔ مشکاة المصابیح، ۲۲۶

۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۵:۲۶۹

رقم: ۱۹۴۰۷

۸۔ مسند احمد بن حنبل، ۳:۲۷۶، ۲۵۵،

۲۰۸، ۲۰۷، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۶۷، ۱۶۵، ۱۱۰

صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اعمال میں سے نماز، روزہ اور حج جیسے بڑے اعمال تو نہیں ہیں البتہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے کا عمل میرے اعمال میں ہے۔ فرمایا: جس طرح ہر عمل کی جزاء ہے، اسی طرح یہ عمل بھی جزا سے خالی نہیں۔ انسان کو جس سے محبت ہوگی قیامت کے روز اس کا حشر و نشر اسی کے ساتھ ہوگا۔ اور جس سے محبت ہوگی قیامت کے روز اسی کی سنگت نصیب ہوگی۔ گویا قیامت کے دن محض عمل محبت کی وجہ سے اس کا حشر حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوگا، حضور نبی اکرم ﷺ کی معیت حاصل ہوگی۔ ہر محبت کا اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ حشر کا وعدہ حضور ﷺ کا وعدہ ہے اور وعدہ مصطفیٰ، وعدہ الہی ہے۔ علاوہ ازیں اس وعدے میں عمومیت ہے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین غرضیکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری امت کیلئے یہ وعدہ ہے۔

محبت رسول ﷺ ایک ایسا عمل ہے جو محبت کو جہاں دنیا میں محبوب کے بے پناہ لطف و کرم اور نوازشات و عنایات کا مستحق بناتی ہے وہاں آخرت میں بھی محبوب کے قرب اور سنگت سے ہمکنار کرتی ہے۔ چونکہ یہاں لفظ حُب عمومی معنی میں استعمال ہوا ہے اس بنا پر اس میں ہر محبت اپنے مقام، مرتبے اور منزلت کے مطابق اس فیض کے حوالے سے شامل ہے۔ اس کی تصدیق حضرت انس بن مالکؓ کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: فَمَا رَأَيْتُ فَرَحَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَذَا (اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو جتنی خوشی اس بات سے ہوئی، میں نے انہیں کسی اور بات سے اتنا خوش ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔)، یعنی اس ایمان افروز بات نے اہل ایمان کو بے پناہ مسرت دی۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ کے محبوب اور مقبول بندوں کی محبت، باری تعالیٰ کے لطف و کرم کیلئے وسیلہ بن جاتی ہے اور بندہ جب اس کے حضور دست سوال دراز کرتا ہے تو وہ زبان حال سے یوں کہہ رہا ہوتا ہے: میرے مولا! مجھے

جو تیرے حبیب مکرّم ﷺ سے محبت ہے، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور اولیاء و صلحاء سے صرف تیری خاطر جو محبت ہے، میں اس عمل محبت کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں ان کے صدقے سے میری فلاں حاجت پوری کر دے۔ بندے کا اللہ کے مقبولین کے ساتھ یوں اظہار محبت اللہ کے ہاں مقبول عمل ہے اور یہی عمل بندے کیلئے وسیلہ بنتا ہے۔

محبان الہی سے محبت، محبت الہی کا باعث ہے

بندہ احکام الہی کی بجا آوری میں عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے فرائض ادا کرتا ہے تمام مسنون و مشروع اعمال صالحہ کو بجالاتا ہے اس نور عمل سے جہاں وہ ایک طرف امر الہی کی تعمیل کرتا ہے تو دوسری طرف وہ ان کے اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس اجر میں جنت کے انعامات بھی ہیں مگر اس میں سب سے اونچا مقام اللہ کی رضا و خوشنودی ہے۔ اس کے حصول کیلئے بندے کی زندگی کا ہر لمحہ اطاعت الہی میں بسر ہوتا ہے۔ وہ صرف مخصوص اوقات میں ہی نہیں بلکہ ہر وقت یاد الہی میں مگن رہتا ہے۔ اس کی محبت اور دشمنی کا مرکز و محور اللہ کی ذات ہو جاتی ہے، ایسے ہی محبان الہی کیلئے باری تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے:

وَجَبْتُ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيّ،
وَالْمُتَجَالِسِينَ فِيّ، وَ
الْمُتَزَاوِرِينَ فِيّ، وَالْمُتَبَاذِلِينَ
فِيّ۔ ❀

میری محبت ان دو بندوں کیلئے واجب
ہو چکی ہے جو میری وجہ سے آپس میں
محبت رکھتے ہیں اور میری وجہ سے ایک
دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں اور
میری وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت

۴۔ شرح النبی للبغوی، ۱۳: ۵۰-۵۹، رقم: ۳۳۶۳

۵۔ مشکاة المصابیح: ۴۲۶

❀ ۱۔ موطا امام مالک: ۲۳۳

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۲۳۳

۳۔ المستدرک للحاکم، ۴: ۱۶۹

کرتے ہیں اور میرے واسطے مال خرچ کرتے ہیں۔

اس حدیث قدسی میں باری تعالیٰ فرما رہا ہے میرے وہ بندے جو ایک دوسرے سے میری وجہ سے محبت کرتے ہیں اور میری محبت کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والوں سے بھی محبت کرتے ہیں تو میری محبت ان کیلئے لازم اور واجب ہو جاتی ہے، میں انہیں اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اسلئے کہ ان کا مقصد کوئی دنیوی غرض نہیں ہوتی، وہ میری رضا کے متلاشی بن کر آپس میں مل بیٹھتے ہیں، اور میری ہی خاطر خرچ کرتے ہیں اور میری ہی خاطر ایک دوسرے کی دید کرتے ہیں۔ ایسے بندے ہی میرے لطف و کرم، عطا و عنایات اور محبت کے مستحق ہیں۔ اب ایک متوسل کو حضور نبی اکرم ﷺ، اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، اور اولیاء و صلحاء سے جو محبت ہے اس محبت کی بنیاد محبت الہی ہے اور یہ خالصتاً وجہ اللہ ہے۔ یوں ان ہستیوں سے محبت کرنے والا وَجَبْتُ محبتی للمتحابین فی کے فرمان الہی کی رو سے اللہ کا محبوب و مقرب بن جاتا ہے۔ متوسل کا اپنا یہ عمل محبت ایسا عمل ہے جو اللہ کی بارگاہ میں عمل صالح بھی ہے اور عمل مقبول بھی اور یہ دیگر اعمال صالح سے افضل ہے اس لیے کہ اس میں رب تعالیٰ خود شریک ہے اور دوسرے اعمال کی قبولیت کے بارے میں یقین نہیں ہے، ممکن ہے وہ قبول ہوں یا نہ ہوں اور پھر ان کے ذریعے بندہ اللہ کا محبوب بھی بن جائے، مگر اولیاء و صلحاء سے محبت ایک ایسا عمل مقبول ہے جس کے وسیلہ سے متوسل، اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور یوں یہ عمل بدرجہ اتم قبولیت سے شرفیاب ہوتا ہے۔

اللہ کے لیے محبت بلندی درجات کا باعث

اللہ کے بندوں سے محبت جہاں انسان کو قرب الہی سے نوازتی ہے وہاں اس کے

درجات کی بلندی کا وسیلہ بھی بنتی ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے:

قال النبی ﷺ: إن من عباد الله
لأناساً ما هم بأنبياء ولا
شهداء، يغطهم الأنبياء و
الشهداء يوم القيامة بمكانهم
من الله۔ قالوا: يا رسول الله!
تخبرنا من هم؟ قال: هم قوم
تحابوا بروح الله، على غير
أرحام بينهم، ولا أموال
يتعاطونها، فوالله إن وجوههم
لنور، وإنهم لعلی نور، لا
ينخافون إذا خاف الناس، ولا
يحزنون إذا حزن الناس، وقرأ
هذه الآية: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ﴾۔ ❀

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے
بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو نہ تو
انبیاء ہیں اور نہ شہداء، لیکن قیامت کے
دن انبیاء اور شہداء ان کے مرتبہ پر
رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ
کون ہوں گے؟ فرمایا: وہ لوگ جو خدا
کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہیں ان
میں کوئی رشتہ داری نہیں اور نہ مال ہے
کہ وہ ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ اللہ
کی قسم! ان کے چہرے نورانی ہوں گے
اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، جب
لوگ ڈریں گے ان کو کوئی خوف نہ ہوگا،
جب لوگ غم کریں گے وہ غم نہیں کھائیں
گے۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی:
خبردار! بیشک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف
ہے، اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔

❀ ۱۔ سنن ابی داؤد، ۲: ۱۴۱ (حاشیہ)

۳۔ شعب الایمان للبیہقی، ۶: ۲۸۶، رقم:

قیامت کے روز جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا ہر کوئی اللہ کی جلالت سے خوف کے مارے کانپ رہا ہوگا اس دن کچھ ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کے چہروں پر سکون و طمانیت چھائی ہوئی ہوگی۔ وہ رشکِ خلاق ہوں گے حتیٰ کہ انبیاء و اولیاء بھی ان کے مقام و مرتبے پر رشک کر رہے ہوں گے۔ صحابہ کرام نے حیرت سے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو لوجہ اللہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے ان کی محبت کی بنیاد نہ خونی رشتے داری پر ہوگی اور نہ مال و دولت کی فراوانی پر، یہ محض اللہ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے گویا بنیاد محبت لوجہ اللہ ہوگی۔ اس محبت کی وجہ سے انہیں بے مثال درجہ بھی ملے گا اور اجر بھی، ان کے چہروں سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہیں ہوں گی اور وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس حدیث کے ذریعے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ لوگ جو اللہ کے نیک بندوں سے صرف لوجہ اللہ محبت کرتے ہیں، باری تعالیٰ انہیں اس عمل محبت کی وجہ سے اور اولیاء اللہ کے وسیلے سے قیامت کے دن بہت بڑے اجر اور مقام رفیع سے نوازے گا۔

محبت اولیاء کرام، محبت الہی کا باعث

اولیاء اللہ کی محبت ایک ایسا عمل ہے جو بندے کو اللہ کی محبت اور اس کے قرب سے سرفراز کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

قال رسول الله: لو أن عبدین	رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دو آدمی اللہ
تحابّا فی الله عز و جل، واحد	کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کریں
فی المشرق و آخر فی	اور اگر ان میں سے ایک مشرق میں ہو اور
المغرب، لجمع الله بینہما یوم	دوسرا مغرب میں، تو قیامت کے دن اللہ

القیامة۔ يقول: هذا الذى
 كنت تحبُّه فى۔ ﴿﴾
 تعالىٰ ان کو جمع کر دے گا اور اسے فرمائے
 گا: یہ وہ بندہ ہے جس کے ساتھ تو میری
 وجہ سے محبت رکھتا تھا۔

لہذا ثابت ہوا کہ انبیاء، اولیاء اور صالحین کا تو سُّل کسی بھی شکل میں، خواہ وہ دعا
 میں ان کا نام لے کر ہو یا ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یا ان سے تعلق محبت قائم کر کے یہ سب
 امور درست اور مشروع ہیں۔ اس پر مزید بحث انشاء اللہ باب نمبر 6 میں کریں گے۔
 سر دست قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اتنی بات ذہن نشین کر لی جائے کہ
 بندگان خدا جو مقربین اور صالحین ہیں، ان سے تو سُّل کا عقیدہ صحیح اور تعلیمات اسلامی کے
 عین مطابق ہے اور اس پر جتنے بھی اشکالات اٹھائے جاتے ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں اور
 جو لوگ ذوات صالحین سے تو سُّل کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ درست نہیں کیونکہ ہم نے واضح کر دیا
 کہ ذوات صالحین سے تو سُّل درحقیقت ان سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ کے کسی
 نیک بندے سے محبت کرنا خود عمل صالح ہے۔ اس لئے ذوات صالحین سے تو سُّل بھی
 درحقیقت عمل صالح سے تو سُّل ہے اور عمل صالح سے تو سُّل پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔

﴿﴾ ۱۔ شعب الایمان للبیہقی، ۶: ۴۹۲، ۲۔ مشکوٰۃ المصابیح: ۴۲۷

۳۔ کنز العمال، ۴: ۹، رقم: ۲۴۶۴۶ رقم: ۹۰۲۲

باب چہارم

عقیدہ تَوَسُّل

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

امت مصطفوی ﷺ سے شرک کا خاتمہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کی امت پر بے پایاں لطف و کرم اور نوازشات فرمائی ہیں۔ من جملہ اکرام و نوازشات میں سے ایک یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد یہ امت دوبارہ کفر و شرک کی مرتکب نہیں ہوگی۔ سابقہ امم میں ایسا بارہا ہوتا رہا کہ کسی نبی کی امت ایمان لائی مگر اس برگزیدہ نبی کے اس ظاہری دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد وہ طرح طرح کے خرافات میں مبتلا ہوتی چلی گئی، حتیٰ کہ شرک کے اندھیروں میں راہِ حق سے دور ہو گئی، لیکن امتِ مصطفوی کے باب میں اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے اپنی ظاہری حیات مبارکہ کے آخری ایام میں اس چیز کا اعلان فرمایا تھا کہ اب مجھے اس کے شرک میں مبتلا ہونے کا ڈر نہیں رہا۔ اب ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ اس بات پر غور کریں کہ وہ نبی ﷺ جو شرک و بدعات کا قلع قمع کرنے کیلئے تشریف لائے جن کے وسیلے سے ہمیں راہِ ہدایت نصیب ہوئی وہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اپنی امت کے دوبارہ شرک کی طرف پلٹ جانے کا اندیشہ نہیں رہا۔ ایک ہم ہیں محض مسلکی تعصب اور عناد کی بناء پر اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لئے ایک دوسرے پر شرک ہونے کا فتویٰ لگاتے چلے جا رہے ہیں، اس سے بڑھ کر بد بختی کوئی نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کے یہ الفاظ ہمیں دعوتِ غور و فکر دے رہے ہیں:

عن عقبہ بن عامر: أن
النبي ﷺ خرج يوماً فصلى
على اهل اُحدٍ صلاته على
الميت، ثم انصرف إلى المنبر
فقال: إني فرط لكم، و أنا
شهيدٌ عليكم، و إني و الله
لأنظرُ إلى حوضي الآن، و إني
أعطيُ مفاتيح خزائن
الأرض، أو مفاتيح الأرض، و
إني و الله ما أخافُ عليكم أن
تُشركوا بعدى، ولكن أخاف
عليكم أن تنافسوا فيها۔ ❀

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے
ہیں کہ نبی ﷺ ایک دن (احد)
تشریف لے گئے اور احد والوں کے
لئے نماز پڑھی جس طرح (عام)
مردوں پر پڑھی جاتی ہے۔ پھر منبر کی
طرف لوٹ آئے اور فرمایا: میں تمہارا
پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں
اور میں اپنے حوض (کوثر) کو اس وقت
دیکھ رہا ہوں مجھے زمین کے خزانوں (یا
زمین) کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اور اللہ
کی قسم! مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم
میرے بعد شرک کرنے لگو گے لیکن
مجھے تمہارے حصولِ دنیا میں ایک
دوسرے سے مقابلہ کا اندیشہ ہے۔

یہ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ اقدس ہے۔ آپ ﷺ نے تو اپنی امت کے بارے

❀ ۱۔ صحیح البخاری ۱: ۸۵۰، ۱۷۹

۵۔ المعجم الکبیر، ۱: ۸۰-۸۷، ۲۷۸،

رقم: ۷۰-۷۷

۶۔ شرح السنۃ للبغوی، ۱۴: ۳۱-۳۹،

رقم: ۳۸۲۲-۳۸۲۳

۷۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۴: ۱۴،

۸۔ کنز العمال، ۱۴: ۴۱۶، رقم: ۳۹۱۲۲

۲۔ صحیح البخاری ۲: ۵۸۵، ۹۵۱، ۹۷۵

۳۔ صحیح مسلم، ۲: ۲۵۰

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۴: ۴-۱۵۳، ۱۳۹

میں ذاتِ خداوندِ قدوس کی قسم کھا کر فرمایا کہ میں اپنی امت کے بارے میں شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں رکھتا۔ دوسری طرف قابلِ افسوس مقام یہ ہے کہ ہم میں سے جو لوگ بلاوجہ ایک دوسرے پر شرک کے فتوے صادر کر رہے ہیں، وہ پیارے نبی ﷺ کی اس صحیح حدیث کی طرف کیوں توجہ نہیں دیتے؟ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے۔ اتنے بڑے ائمہ حدیث کا اس روایت کو بار بار ذکر کرنے کے باوجود ہمارا رویہ اس کے خلاف ہونا دین کی حقیقی روح سے نا آشنا کی کے سوا اور کچھ نہیں۔

تو تسل جو نص صریح اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت شدہ مسئلہ ہے اور شروع سے تا امروز صحیح العقیدہ مسلمانوں کی اکثریت اس پر عمل کرتی آرہی ہے اس کو بھی بدقسمتی سے متنازعہ بنا کر موضوعِ مناظرہ و مجادلہ بنادیا گیا اور نتیجتاً اس کے جواز کے ماننے اور نہ ماننے والے بے دریغ ایک دوسرے پر شرک و کفر کا الزام لگا رہے ہیں۔ اگر ہم محبوبِ کبریا رؤف و رحیم نبی ﷺ کے ارشادِ عالیہ پر غور کریں تو خود بخود ہم پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ قرآن و حدیث میں جس طرح توئسل اور وسیلے کو جائز قرار دیا گیا اس کے باوجود اس کو ناجائز کہنا اور اس کے عدم جواز پر دلیلیں پیش کرنا ہرگز دین و ایمان کا تقاضا نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے سینکڑوں ارشاداتِ عالیہ اس بات کے شاہدِ عادل ہیں کہ قربِ الہی کے لئے وسیلہ پکڑنا اور اس کے متلاشی رہنا منشاءِ باری تعالیٰ اور منشاءِ رسول ﷺ ہے۔

جیسا کہ عمرو بن شعیبؒ روایت کرتے ہیں، آپ نے اپنے والد سے سنا اور آپ نے اپنے دادا سے سنا۔ آپ کے دادا فرماتے ہیں: ہم حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے جب قبیلہ بنو ہوازن کے ایلچی آئے اور کہنے لگے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سب ایک ہی اصل اور قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جو مصیبت ہم پر ٹوٹی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں لہذا ہم پر نظرِ کرم فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو چیزوں میں

سے ایک اختیار کر لویا تو اپنا مال و دولت لے جاؤ یا اپنی عورتیں آزاد کرالو۔ انہوں نے دونوں میں سے عورتوں اور بچوں کو اختیار کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس قدر میرا اور حضرت عبدالمطلب کی اولاد کا (مال غنیمت میں) حصہ ہے، میں وہ تم کو دے چکا لیکن جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم سب کھڑے ہو اور یوں کہو:

إنا نستعين برسول الله على
المؤمنين أو المسلمين في
نساءنا و أموالنا۔ ❀
ہم اللہ کے رسول (ﷺ) کے وسیلہ
جلیلہ سے مؤمنوں (یا مسلمانوں) سے
اپنی عورتوں اور مالوں میں مدد چاہتے
ہیں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تو انہوں نے ایسے ہی کہا۔ اب یہ الفاظ خود حضور نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس سے ادا ہوئے اور آپ ﷺ نے حکماً فرمایا کہ میرے وسیلہ سے مسلمانوں سے مدد مانگو۔ اس طرح یہ حدیث جوازِ توسل کی بہت بڑی دلیل ہے جس میں خود اللہ کے محبوب نبی ﷺ اپنے ارشاد گرامی میں مؤمنین سے استعانت و استغاثہ (یعنی مدد طلب کرنے) کا حکم دے رہے ہیں۔

آئندہ صفحات میں ہم ارشاداتِ رسول ﷺ میں سے چند ایک کا ذکر کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وسیلہ ہرگز شرک نہیں اور نہ فعلِ حرام ہے بلکہ ایک امرِ جائز اور قرب الی اللہ کے لئے دین کے جائز طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

فصل اوّل

اعمالِ صالحہ سے تَوَسُّل

اعمالِ صالحہ سے مراد حسنات یا نیکیاں ہیں۔ ان اعمال کے وسیلہ سے اگر کوئی دعا کرے کہ..... باری تعالیٰ! میرا فلاں عمل جو خالص تیری رضا جوئی کے لئے تھا، اس کے تو سئل سے تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں میری حاجت پوری فرما..... جائز ہے۔ اعمالِ صالحہ سے تو سئل پر حضور ﷺ کے چند فرمودات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مصیبت سے نجات بوسیلہ اعمالِ صالحہ

کسی مشکل اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے نیک اعمال سے تو سئل کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث شاہد عادل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

ایک دفعہ کا ذکر ہے تین مسافر جنگل سے گزر رہے تھے۔ اچانک آسمان پر گھنگھور گھٹا چھا گئی۔ ابھی بچاؤ کا طریقہ سوچ ہی رہے تھے کہ زبردست موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ ایک غار میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا چنانچہ وہ اس میں گھس گئے۔ غار کا دہانہ چھوٹا تھا اچانک ایک بھاری بھر کم پتھر لڑھکتا ہوا آیا اور غار کے دہانے پر گر گیا۔ یہ لوگ اس میں محبوس ہو کر رہ گئے۔ ان میں اتنی سکت نہیں تھی کہ تینوں مل کر بھی اسے ہلا سکتے اس لیے زندگی سے مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہی غار ان کی قبر بنے گی۔

تینوں خدا رسیدہ، رجائیت پسند اور ہر چیز کا روشن پہلو دیکھنے والے تھے، خدا کی

شان اور ذات پر ان کا توکل و بھروسہ تھا اس لیے مایوسی زیادہ دیر ان پر مسلط نہ رہی اور وہ ایک ترکیب سوچ کر دل ہی دل میں مسکرا اٹھے۔ مایوسی کے بادل چھٹ گئے تدبیر بڑی ہی ایمان افروز تھی اسلئے وہ عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا: اس مصیبت سے نجات اور رستگاری حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم نے اپنی اپنی زندگی میں صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے جو عمل کئے ہیں بارگاہ خداوندی میں ہم ان کا وسیلہ پیش کریں کہ باری تعالیٰ ان کی برکت سے ہمیں آزادی عطا کرے اور اس قید سے نکالے۔

أَنْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا اللَّهُ
صَالِحَةً، فَادْعُوا اللَّهَ بِهَا لَعَلَّهُ
يَفْرُجَهَا۔

اپنے اپنے (وہ نیک) اعمال یاد کرو جو تم
نے خالصتاً اللہ (کی رضا و خوشنودی)
کے لئے کئے ہیں، پھر ان کے وسیلے

سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرو شاید وہ اس
کو کھول دے (اور اس مصیبت سے
نجات دے)۔

تجویز چونکہ بڑی مناسب اور حسب حال تھی اسلئے سبھی اس پر عملدرآمد کرنے
کیلئے تیار ہو گئے۔ ہر ایک نے باری باری اپنے اعمال صالحہ پیش کئے۔ اور ان سے توسل
کرتے ہوئے باری تعالیٰ سے اس مصیبت سے خلاصی کیلئے التجا کی۔

پہلے شخص کا عمل صالحہ..... خدمت والدین

ان میں سے ایک شخص اپنا عمل صالحہ یوں بیان کرنے لگا: یا الہی! میرے والدین
سن رسیدہ اور بڑے ضعیف تھے، دل و جان سے ان کی خدمت کرنا میں اپنا فرض سمجھتا تھا،
سارا دن محنت مزدوری کرتا۔ جب شام کو واپس آتا تو سب سے پہلے دودھ دوہ کر اپنے

ماں باپ کو پلاتا اور بعد میں اپنے اہل و عیال اور دوسروں کی خبر گیری کرتا۔ یہ میرا روزانہ کا معمول تھا۔ ایک روز دیر سے گھر پہنچا۔ میرے ماں باپ انتظار کرتے کرتے گہری نیند سو گئے، تاہم میں نے دودھ دوہا اور پیالے میں ڈال کر ان کے سر ہانے کھڑا ہو گیا۔ ادب و احترام جگانے میں مانع تھا اور ان کو کھلائے پلائے بغیر اپنی اولاد کو کھلانا مجھے گوارا نہ تھا اس لیے پیالہ ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا کہ جب ماں باپ بیدار ہوں گے تو انہیں پلاؤں گا۔ ننھے ننھے بچے چیختے اور بھوک سے بلبلاتے رہے مگر میں نے کوئی پروا نہ کی اور اپنا اصول توڑنا پسند نہ کیا۔ آخر اسی کش مکش میں صبح ہو گئی۔

فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ
ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ
لَنَا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ۔
اے اللہ! تو جانتا ہے اگر میں نے یہ عمل
محض تیری رضا کے لیے کیا تھا تو دہانے
سے پتھر ہٹا دے تاکہ ہم آسمان دیکھ
سکیں۔

جونہی اس وفا شعار انسان نے دعائیہ الفاظ ختم کئے وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا اور انہیں آسمان نظر آنے لگا، مگر اتنا راستہ نہ بنا کہ کوئی آدمی باہر جاسکے۔

دوسرے شخص کا عمل صالحہ..... پاکیزگی دامن

دوسرا شخص اپنا عمل صالح اس طرح پیش کرتا ہے کہ مجھے اپنے چچا کی لڑکی کے ساتھ جذباتی وابستگی تھی مگر وہ پاکباز میری دلی کیفیات اور میرے جذبات و خیالات سے قطعی نا آشنا تھی۔ ایک دفعہ میں نے حال دل بیان کیا تو اس نے سختی سے ڈانٹ پلا دی اور پھر دوبارہ میری جرأت نہ ہوئی۔

اس کے بعد ایک دفعہ شدید قحط پڑا تو افلاس و بھوک کے سائے اس پر منڈلانے لگے۔

لگے۔ وہ نیک بخت فاقہ کشی سے مجبور ہو کر میرے پاس آئی اور امداد چاہی، میں نے مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا عزم کر لیا اور اسے ورغلا دیا۔ وہ مجبور تھی، میں نے سودینار کی خطیر رقم اس کے آگے ڈھیر کر دی۔ اس نے نیم دلی سے رضا مندی ظاہر کر دی۔ جب میں عملی اقدام کرنے لگا تو اسکی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، وہ صدمے سے تڑپ اٹھی اور بولی: ناحق ظلم نہ کر اور میری مجبوری سے فائدہ نہ اٹھا، اللہ سے ڈر اور یہ ناجائز اور خلاف شرع حرکت نہ کر۔ اس کی یہ بات سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، خوف الہی نے میرے اعضاء پر رعشہ طاری کر دیا۔ برائی کی نیت دب گئی اور اندر کا سویا ہوا انسان بیدار ہو گیا میں نے اسے وہیں چھوڑا اور رقم بھی نہ لی۔

اللہم! فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِي
فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهَكَ
فَاغْرُجْ لَنَا مِنْهَا۔
اے اللہ! پس اگر تیرے علم میں میں نے
تیری رضا حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا
(اور میرا یہ عمل تیری بارگاہ میں مقبول
ہے) تو ہمارا راستہ کھول دے (کہ ہم
باہر کی دنیا دیکھ سکیں)۔

اس کے دعائیہ کلمات پر پتھر مزید سرک گیا مگر ابھی اتنی گنجائش نہ ہوئی تھی کہ وہ
بآسانی باہر نکل سکتے۔

تیسرے شخص کا عمل صالحہ..... حقدار کو اس کا حق پہنچانا

تیسرا شخص اپنے نیک عمل کا وسیلہ بارگاہ الہی میں اس طرح بیان کرنے لگا: یا الہی!
ایک مرتبہ میں نے کام پر مزدور لگائے ہوئے تھے جب انہوں نے اپنا کام مکمل کر لیا تو میں
نے سب کی اجرت اور مزدوری ادا کر دی۔ ایک مزدور کے دل میں نہ جانے کیا بات آئی اور

وہ اپنی اجرت لیے بغیر چلا گیا۔ اس کی اجرت چاولوں کا ایک ٹوپہ تھی، میں نے وہ چاول کاشت کر دیے ان سے دھان کی ایک لہلہاتی فصل تیار ہو گئی، میں نے اسے فروخت کر کے بکری لی۔ تو نے اپنے فضل سے اس میں برکت ڈال دی اور اس سے مزید بکریاں پیدا ہوئیں، پھر گائے خریدی اور اس میں بھی تو نے برکت دی۔ یوں ایک مزدور کی اجرت سے اتنے زیادہ مال موٹی ہو گئے کہ وادی بھر گئی۔ اور ان جانوروں کی نگہداشت کے لیے مجھے چرواہا رکھنا پڑا۔ ایک دن وہی مزدور آیا اور بولا:

إتقِ الله ولا تظلمني وأعطني
حقی۔ فقلت: اذهب الی
تلك البقر وراعیها۔
اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق
(مزدوری) ادا کر۔ میں نے اسے کہا:
ان گایوں اور چرواہے کے پاس جا اور
انہیں لے لے، یہ تیرے ہیں۔

اس نے کہا ”اللہ سے ڈر اور میرا مذاق نہ اڑاؤ۔“ میں نے سنجیدگی سے اسے

سب کچھ بتا دیا اور وہ سارا مال لیکر چلا گیا۔

فإن كنت تعلم أني فعلت
ذلك ابتغاء وجهك، فافرج
ما بقی۔ ❀

(اے الہی!) اگر میں نے یہ ایثار صرف
تیری رضا کے لیے کیا تھا تو (اس کی
برکت سے ہماری مشکل دور فرما اور)
غار کے دہانے سے پتھر ہٹا دے (کہ ہم
باہر نکل سکیں)۔

اس طرف ان کی دعا ختم ہوئی دوسری طرف اجابت الہیہ نے دعا کو شرف قبولیت سے نوازا، ان کے اعمال صالحہ ان کی ہمیشہ کی اندھیر رات کو دن میں بدل گئے، رحمت الہی جوش میں آئی، نیک اعمال کا وسیلہ ان کی بارگاہ الہی سے انہیں ایک نئی زندگی دے گی۔ ان کے اعمال کی بنیاد رضائے الہی تھی اس لئے رحمت الہی جوش میں آئی اور پتھر غار کے دہائے سے ایک طرف لڑھک گیا اور یہ تینوں حضرات بڑی آسانی اور عافیت کے ساتھ باہر نکل آئے اور منزل مقصود کی طرف چل دیئے۔

۲۔ نماز کا وسیلہ

• بچگانہ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ وہ عمل صالح ہے کہ جس کے ذریعے بندہ اپنے مولا کے حضور سر بسجود ہو کر اپنی بندگی کا عملاً اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی عاجزی اور انکساری بہت پسند ہے اور نماز وہ عبادت ہے کہ جس میں کمال درجے کا عجز و انکسار پایا جاتا ہے اسی لئے رب ذوالجلال کو نماز کا عمل بہت محبوب ہے۔ نماز کے وسیلے اور برکت سے اللہ رب العزت اپنے بندوں کو خطائیں معاف فرمادیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ارایتم لو ان نہرا بباب احدکم	(مجھے بتاؤ) اگر تم میں سے کسی کے
یغتسل منه کل یوم خمس	دروازے پر نہر ہو اور وہ دن میں پانچ
مرات۔ هل یقی من ذرۃ	دفعہ اس میں نہاتا ہو کیا اس کے جسم پر
شیء؟ قالوا: لا یقی من ذرۃ	میل تام کی کوئی چیز باقی رہ جائے گی؟
شیء۔ قال: فذالک مثل	حاضرین نے جواب دیا: نہیں۔
الصلوات الخمس، یمحوا	فرمایا: یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔

خدا تعالیٰ ان (کے وسیلہ اور برکت)
سے گناہ مٹاتا ہے۔

اللہ بہن الخطایا۔ ❀

۳۔ نوافل کے تو سُل سے قربِ الہی

بندۂ مومن کا مقصود اپنے معبود حقیقی اور مالک اصلی کے قرب اور رضا کا حصول ہوتا ہے۔ نوافل کے ذریعے بندہ اپنے مولا کی رضا بھی حاصل کرتا اور قرب بھی گویا نوافل کے تو سُل سے بندے کو قربِ الہی نصیب ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کی ٹانگیں بن جاتا ہوں

لا یزال عبدی یتقربُ الیَّ
بالنوافل حتی احببته: فکنْتُ
سمعه الذی یسمع بہ، و
بصرہ: الذی یبصر بہ و یدہ
التي یبطش بہا، و رجلہ التي
یمشی بہا۔ ❀❀

۴۔ سنن النسائی: ۸۱:۱

۵۔ سنن الدارمی: ۱/۲۱۳، رقم: ۱۱۸۷

۶۔ مسند احمد بن حنبل: ۲/۳۷۹

❀ ۱۔ صحیح مسلم: ۱/۲۳۵

۲۔ صحیح البخاری: ۱/۷۶

۳۔ جامع الترمذی: ۲/۱۱۰

❀❀ صحیح البخاری: ۲/۹۶۳

جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔

۴۔ بیٹیوں کی بہتر پرورش سے توسل

دور جاہلیت میں لوگوں کا عمومی رویہ یہ تھا کہ وہ بیٹیوں کو ناپسند کرتے تھے اور جب بیٹی پیدا ہوتی تو وہ سخت پریشان ہو جاتے قرآن حکیم نے ان کے اس رویے کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا ہے کہ جیسے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو غصے سے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے (النحل، ۵۸:۱۶)۔ یہ ان مشرکین کا بیٹیوں کی پیدائش پر ناپسندیدگی کا اظہار تھا۔ اسلام نے صنفِ نازک کو وہ مقام اور مرتبہ دیا کہ جس کا تصور بھی کسی اور معاشرے میں ممکن نہیں۔ ماں، بہن، بیٹی سب قابلِ عزت و تکریم رشتے ہیں۔ اسلام نے نہ صرف ان رشتوں کی تقدیس کی بات کی بلکہ ان کی حفاظت اور پرورش پر اجر عظیم کا مژدہ بھی سنایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات گرامی میں جا بجا ہمیں اس چیز کا ثبوت ملتا ہے کہ اپنی بچیوں کی بہتر پرورش اور تعلیم و تربیت ایک ایسا عمل صالح ہے کہ اس کے وسیلے سے ماں باپ کو جہنم کی آگ سے خلاصی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں، وہ مجھ سے کچھ مانگتی تھی۔ اس نے ایک کھجور کے سوا میرے پاس کچھ نہ پایا، میں نے اس کو وہی دے دی۔ اس نے کھجور دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دی اور پھر اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف

جاءتني امرأة معها ابنتان تسألني، فلم تجد عندي غير تمر واحدة، فأعطيتها فقسمتها بين ابنتيها، ثم قامت فخرجت، فدخل النبي ﷺ فحدثته، فقال: من بلى من هذه البنات شيئا، فأحسن إليهن،

كُنْ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔ ❀

لائے میں نے حضور ﷺ سے
سارا ماجرا کہ سنایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:
جو کوئی بیٹیوں کے ذریعے آزمایا گیا اور
اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو یہ اس
کیلئے دوزخ سے حجاب بن جاتی ہیں۔

۵۔ استغفار کرنے والوں کا تو سُّل

اللہ تعالیٰ کے گھر کو اس کے ذکر سے آباد کرنا، اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے
کے ساتھ محبت کرنا اور اس وقت اٹھ کر اللہ کو یاد کرنا جب اکثر لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہوں
یہ ایسے اعمال صالحہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو نہایت پسند ہیں اور ان اعمال کو سرانجام دینے والوں کی
برکت سے اللہ تعالیٰ اپنی دیگر مخلوق سے بھی عذاب ٹال دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد
گرامی ہے:

إِنَّ اللَّهَ سَبْحَانَهُ يَقُولُ: إِنِّي لَأَهْمُ
بَاهِلِ الْأَرْضِ عَذَابًا، فَإِذَا
نَظَرْتُ إِلَى عِمَارِ بَيْوتِي
وَالْمُتَحَابِّينَ فِيَّ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ
بِالْأَسْحَارِ، صَرَفْتُ عَنْهُمْ۔ ❀❀

بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں زمین
والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں لیکن
جب میرے گھر آباد کرنے والوں، باہم
میرے لئے محبت کرنے والوں اور پچھلی
رات کو استغفار کرنے والوں کو دیکھتا
ہوں تو (اپنا غضب) ان سے پھیر دیتا ہوں۔

❀❀ ۱۔ شعب الإیمان للبیہقی،

۶: ۵۰۰، رقم: ۹۰۵۱

۲۔ تفسیر الدر المنثور، ۳: ۲۱۶

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۸۸۷

۲۔ صحیح مسلم، ۲: ۳۳۰

فصل دُوم

دُعا میں وسیلہ پیش کرنا

۱۔ اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ سے توسُّل

جس طرح متوسِّل کے اپنے اعمال اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی اللہ کے اسمائے حسنی کا ذکر اپنا شعار بنالے تو وہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کی قبولیت کے لیے وسیلہ بن جاتے ہیں۔ جیسے سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیات میں صفاتِ الہیہ کا بیان ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝
الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مَلِكِ يَوْمِ
الدِّينِ ۝

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو
تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا
ہے۔ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے
والا ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔

ان تعریفات کے بعد بندہ اللہ کی بارگاہ میں اپنا مدعا بیان کرتا ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ
نَسْتَعِينُ ۝

(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے
ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کے حوالے سے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا

ہے کہ عبادت کو استعانت پر مقدم کیوں کیا گیا ہے؟ عبادت تو اللہ کے فضل و کرم اور توفیق و عنایت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو تو عبادت کیسے ممکن ہے۔ اس لئے چاہیے تو یہ تھا کہ پہلے اللہ کی مدد طلب کی جاتی یوں اس کی مدد و اعانت اور توفیق سے بندہ عبادت میں مصروف ہو جاتا۔ اس بنا پر استعانت کو عبادت پر مقدم کرنا چاہیے تھا نہ کہ مؤخر۔ اس سوال کا امام بیضاوی اپنی 'تفسیر' میں اس طرح جواب دیتے ہیں کہ عبادت کو استعانت پر مقدم کر کے تو ٹل گیا ہے تاکہ اس کی قبولیت کی امید پیدا ہو جائے:

و قدمت العبادة على الاستعانة
ليتوافق رؤوس الآي، و يعلم
منه أن تقديم الوسيلة على
طلب الحاجة ادعى إلى
الإجابة۔ ❀

عبادت کو استعانت پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے تاکہ آیات کے آخری حروف میں موافقت پیدا ہو جائے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ (عبادت) کو حاجت کے طلب کرنے (استعانت) پر اس لیے مقدم کیا ہے تاکہ قبولیت کی کوئی صورت ہو جائے۔

یہ تعلق بندگی ہے، اور پھر بندہ آگے دعا کرتا ہے:

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ❀
ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ❀❀

بندہ اپنے تعلق بندگی کا واسطہ دے کر رب کی بارگاہ میں دعا کر کے ہدایت طلب کرتا ہے۔ یوں اسماء حسنی کا ذکر اور پھر کلمات بندگی اور دعائے ہدایت اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بن جاتے ہیں۔ بندہ اللہ کے اسماء کا ذکر کر کے اپنی عبدیت کو بطور توسل پیش کرتا ہے اور اپنی عبدیت کو تذلل اور خشوع کی صفات سے آراستہ کر کے کمال بندگی میں نقص کا اعتراف کرتا ہے۔ اس کیفیت میں اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہو جاتا ہے اور یہ دعا اس کیلئے وسیلہ بن جاتی ہے۔

۲۔ اسم ذات کے وسیلے سے دعا کرنا

بعض اوقات ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کے توسل سے سوال کرتے ہیں، اسی طرح ہم اس کا ذاتی اسم جلالت لے کر بھی سوال کرتے ہیں جو کہ جائز ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ سے اس طرح کرنا ثابت ہے۔ "سنن ابن ماجہ" میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللهم! انی اسئلك بانک اے میرے مولا! میں تجھ سے تیرے
انت اللہ۔ اللہ ہونے کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔

۳۔ صفات و افعال کے توسل سے دعا کرنا

اسی طرح کبھی اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا فعل کے توسل سے سوال کیا جاتا

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۳۶۰، ۳۲۹

۱۔ سنن ابن ماجہ: ۲۸۲

۵۔ شرح السنۃ للبخاری، ۵: ۸۔ ۳۷۷: رقم:

۲۔ سنن ابوداؤد، ۱: ۲۱۶

۶۰-۱۲۵۹

۳۔ جامع الترمذی، ۲: ۱۸۵

ہے، جیسا کہ ایک روایت میں حضور نبی اکرم ﷺ سے یہ دعا منقول ہے:

اللهم! إني أعوذ برضاك من
سخطك و بمعافاتك من
عقوبتك۔ ❀

اے اللہ! میں تیری رضا کے سبب تیری
ناراضگی سے اور تیرے عفو و درگزر کے
توئیل سے تیرے عذاب سے پناہ
چاہتا ہوں۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور
افعال کے وسیلہ سے اس سے سوال کرنا اور اپنی حاجت کو پیش کرنا صحیح ہے۔

۴۔ حضور ﷺ کے مقام وسیلہ سے توئیل

جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کے مقام وسیلہ پر فائز ہونے کی دعا اور اس کا
توئیل ایک مومن کو رحمت الہیہ کا سزاوار بناتا ہے، وہاں اسے شفاعت رسول کا بھی
حقدار ٹھہراتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل
ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من
صلى علي صلاة صلى الله عليه
بها عشرا، ثم سلوا الله لي
الوسيلة۔ فإنها منزلة لي الجنة

جب تم مؤذن کو اذان دیتے سنو، تو تم
بھی وہی کہو جو وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر
درود بھیجو، بے شک جس نے مجھ پر
ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس مرتبہ
رحمت بھیجتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے

❀ ۱۔ صحیح مسلم، ۱: ۱۹۲

۲۔ سنن ابوداؤد، ۱: ۱۳۵

۳۔ سنن ابن ماجہ: ۲۸۱

۴۔ موطا امام مالک: ۱۹۷

۵۔ مسند احمد بن حنبل، ۶: ۲۰۱

۶۔ صحیح ابن حبان، ۵: ۲۵۸، رقم: ۱۹۳۲

۷۔ صحیح ابن خزيمة، ۱: ۳۲۹، رقم: ۶۵۵

لَا تَبْغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ وَ
أَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ
سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حُلَّتْ عَلَيْهِ
الشَّفَاعَةُ ❀

لیے وسیلہ مانگو، بے شک یہ (وسیلہ)
جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے
خاص بندے کے لیے مخصوص ہے اور
اور مجھے امید ہے وہ خاص بندہ میں ہی
ہوں۔ پس جس نے میرے لئے
وسیلہ مانگا، اس کے لئے قیامت کے
دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔

حضور نبی اکرم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجنا دس مرتبہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی
رحمت کا مستحق ٹھہراتا ہے اور اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کا مقام محمود اور وسیلہ پر فائز
ہونے کی دعا شفاعت رسول ﷺ کو مومن کے حق میں اس ارشاد گرامی کے مطابق
واجب ٹھہراتی ہے۔

-
❀ ۱۔ صحیح مسلم، ۱: ۱۶۶	۹۔ صحیح ابن خزیمہ، ۱: ۲۱۹، رقم: ۴۱۸
۲۔ سنن أبوداؤد، ۱: ۵-۸۳	۱۰۔ مشکاة المصابیح، ۵: ۶۳
۳۔ جامع الترمذی، ۲: ۲۰۳	۱۱۔ کنز العمال، ۷: ۷۰۰، رقم: ۲۰۹۹۸
۴۔ سنن النسائی، ۱: ۱۱۰	۱۲۔ شرح السنۃ للبخاری، ۲: ۲۸۳-۵، رقم:
۵۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۱۶۸	۴۲۱
۶۔ صحیح ابن حبان، ۴: ۹۰-۵۸۸، رقم:	۱۳۔ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، ۳۳،
۲-۱۶۹۰	رقم: ۹۱
۷۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱: ۱۰-۳۰۹	۱۴۔ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، ۱: ۱۵۸،
۸۔ مسند ابوعوانہ، ۱: ۳۳۶	رقم: ۴۵

۵۔ قبولیت دعا کے لیے وسیلہ درود شریف

صلوٰۃ و سلام ایک ایسا محبوب و مقبول عمل ہے جو کسی صورت میں اور کسی مرحلے پر بھی مردود اور ظنی القبول نہیں بلکہ قطعی القبول ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مقبول ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر پڑھنے والا فاسق و فاجر، گناہگار اور معصیت میں لت پت ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کا یہ عمل رد نہیں کیا جاتا اور جب وہ درود و سلام پڑھتا ہے تو قبول کر لیا جاتا ہے۔

ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک گناہگار شخص سے بھی صلوٰۃ و سلام قبول کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے بہت سے معانی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

رحمت بھیجنا، قرب عطا کرنا، ذکر بلند کرنا، اور برکت دینا

اب اگر ان معانی پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک نعمت بھی ایسی نہیں جو حضور ﷺ کو پہلے سے حاصل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہر لمحہ ان پر نازل ہوتی رہتی ہیں اور یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا اور اس کے ختم ہونے کا بھی کوئی امکان نہیں۔ یہی قرب خاص کی بات تو اس کا اندازہ اس قرب سے لگایا جاسکتا ہے جو باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کو معراج کی شب عطا کیا کہ تمام فاصلے مٹ گئے۔ جیسا کہ فرمایا:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ
أَدْنَىٰ ۖ

پھر (یہاں تک بڑھے کہ) صرف دو
کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم

فاصلہ رہ گیا۔

ایک شب کے قرب کا یہ عالم ہے تو جو قرب آپ ﷺ کو مسلسل عطا کیا جا رہا ہے، اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ ذکر کی بلندی اور رفعت کا بھی یہی عالم ہے۔ خدا نے رفعتِ ذکر کی وہ شان عطا کی جس کا کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ غرضیکہ صلوٰۃ کے جتنے معانی ہیں وہ حضور ﷺ کو پہلے ہی سے حاصل ہیں۔ اس لیے ایک بندہ جب بارگاہِ الوہیت میں عرض گزار ہوتا ہے: اللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (اے اللہ! اپنے حبیب) محمد (ﷺ) پر صلوٰۃ بھیج)، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے بندے! میں تو پہلے ہی صلوٰۃ بھیج رہا ہوں، برکت دے رہا ہوں، ذکر بلند کر رہا ہوں اور قرب خاص عطا کر رہا ہوں، تیرے کہنے کی ضرورت نہیں اس پر پہلے ہی سے عمل ہو رہا ہے۔ چونکہ تو نے اپنے لئے کچھ نہیں مانگا، مال نہیں مانگا، اولاد نہیں طلب کی، بیماری سے شفا کے لیے دعا نہیں کی، اپنی کسی اور غرض کو بیچ میں نہیں ڈالا بلکہ صرف میرے محبوب کے لیے صلوٰۃ و سلام کی بات کی ہے اور ان پر درود بھیجنے کی درخواست اور دعا کی ہے، اس لیے تیری دعا قبول ہے۔

چونکہ دعا سے پہلے ہی اس پر عمل ہو رہا ہوتا ہے اس لیے درود پڑھنے والا خواہ گنہگار ہی ہو اس کی دعا قبول کر لی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درود پاک قطعی القبول ہے اور اس کے رد و نامقبول کیے جانے کا کوئی امکان نہیں۔

ظنی القبول عبادت کو قطعی القبول کیسے بنایا جائے؟

عبادات چونکہ ظنی القبول ہیں مگر چونکہ انسان باقاعدہ اہتمام، تیاری اور شرائط و لوازمات کے مطابق عبادت کرتا ہے جس کے لیے اسے جگہ و دو کرنا، وقت نکالنا اور

آرام ترک کر کے ادھر آنا پڑتا ہے اور خاصی مشقت بھی اٹھانا پڑتی ہے اس لیے طبعی طور پر اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی عبادت قبول ہو اور اس کی یہ مشقت رائیگاں نہ جائے، اس عبادت کا اسے صلہ ملے مگر اللہ کی بارگاہ بے نیاز کی بارگاہ ہے۔ قرآن کہتا ہے:

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ
الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ۔ ﴿۵۵﴾
اسی کی طرف پاک کلام بلند ہوتا ہے
اور وہی عمل صالح کے مدارج کو بلند
کرتا ہے۔

اس لیے انسان طبعی اقتضاء سے مجبور ہو کر ایسے حیلے بہانے تلاش کرتا ہے جن کے سبب اس کے اعمال درجہ قبولیت پر پہنچنے کے قابل ہو جائیں اور خامیوں کو مٹا دیں اور لغزشوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح قبول کر لئے جائیں۔ رحمت خداوندی نے اس طبعی طلب کے سلسلے میں اسے بے یار و مددگار اور بے آسرا نہیں چھوڑا بلکہ اپنے لطف و کرم سے خود اسے ایک ایسا ذریعہ عطا کیا ہے جس کی وساطت سے وہ بآسانی اپنے ظنی القبول اعمال کو قطعی القبول بنا سکتا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہر عمل اور عبادت کے شروع اور آخر میں درود و سلام پڑھ لے۔ چونکہ درود شریف قطعی القبول عمل ہے اس لیے جب وہ بارگاہ خداوندی میں پیش ہوگا تو قبول کیا جائے گا اور رحمت حق سے کیا بعید ہے کہ اس کے بارگاہ میں اعمال کی طشتی پیش ہو اور اس میں سے صرف درود و سلام قبول کر لے اور ان کے درمیان جو اعمال ہیں انہیں رو کر دے۔ اس لیے اعمال کو قطعی القبول بنانے کا بڑا ہی مؤثر اور یقینی طریقہ یہ ہے کہ ہر نیک عمل کے آغاز و اختتام پر صلوٰۃ و سلام پڑھ لیا جائے۔

کائنات کا سب سے آخری عمل درود شریف

باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَ يَبْقَىٰ
وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ
الْإِكْرَامِ ۝

جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا
ہو جانے والا ہے۔ اور صرف آپ کے
پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی جو
نہایت بزرگی اور عظمت والی ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔

جب ہر چیز کو نیست و نابود اور فنا ہو جانا ہے تو فقط اللہ رب العزت کی ذات
ہی باقی رہ جائے گی اور اس کی حمد کرنے والا بھی کوئی نہیں رہے گا۔ تو اس وقت بھی درود
پاک ایسا عمل ہے جو جاری و ساری ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ عمل فرماتا ہے، جیسا
کہ ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّ اللَّهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى
النَّبِيِّ۔

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے
نبی (ﷺ) پر رحمت بھیجتے ہیں (اور
بھیجتے رہیں گے)۔

ہر ذی روح کو فنا ہے۔ اس کائنات کی ہر مخلوق نے ذائقۃ الموت کے فرمان

الرحمن، ۵۵: ۷-۲۶

آل عمران، ۱۸۵: ۳

احزاب، ۵۶: ۳۳

الہی کے مطابق ایک مرتبہ موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ بقاء و دوام فقط ایک ہی ذات حی و قیوم اللہ جلّ جلالہ کو ہے۔ چونکہ درود پاک اللہ تبارک و تعالیٰ کا بھی عمل ہے اور جب باری تعالیٰ ابداً موجود ہے اور اس پر فنا نہیں ہے تو اس کا عمل بھی اس کے ساتھ قائم و دائم رہے گا۔ اسلئے قرآن حکیم میں یُصَلُّونَ فعل مضارع میں استعمال کیا گیا ہے جو کہ حال و مستقبل پر دلالت کرنے کی وجہ سے دائمی مفہوم رکھتا ہے۔ حال کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہر موجود لمحہ، حال ہے اور ہر آنے والا لمحہ، مستقبل ہے۔ تو گویا اللہ رب العزت کا اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجنا ہر لمحہ جاری ہے اور ابد الابد تک جاری رہے گا۔ اس میں آج تک نہ کبھی کوئی انقطاع آیا ہے اور نہ آ سکتا ہے۔ اسلئے یہی مسلمہ حقیقت ہے کہ درود شریف ہی اس کائنات کا سب سے آخری عمل ہے اور اسی عمل کو ہی صفت الوہیت کی وجہ سے دوام حاصل ہے۔ اور جب ہم اس کے وسیلے سے دعا کریں گے تو دعا ضرور قبول ہوگی۔

۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام

کے وسیلے سے دعا کرنا

ایک صحیح حدیث کے مطابق حضور ﷺ نے خود اپنی ذات اور انبیاء علیہم السلام کے وسیلے سے دعا فرمائی۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں:

لما ماتت فاطمة بنت أسد بن	جب حضرت علی بن ابوطالب کی والدہ
هاشم أم علي بن أبي طالب،	فاطمہ بنت اسد بن ہاشم وصال
دخل عليها رسول الله ﷺ،	فرما گئیں تو حضور نبی کریم ﷺ ان کے
فجلس عند رأسها، فقال:	پاس تشریف لائے اور آپ کے

رَحْمَكِ اللَّهُ يَا أُمِّي! كُنْتُ أُمِّي
 بَعْدَ أُمِّي وَ تَشْبِعْنِي، وَ تَعْرِينِ
 وَ تَكْسِينِي، وَ تَمْنَعِينَ نَفْسَكِ
 طَيِّبًا وَ تُطْعِمِينِي، تُرِيدِينَ
 بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ وَ الدَّارَ
 الْآخِرَةَ۔ ثُمَّ أَمَرَ أَنْ تُغَسَّلَ ثَلَاثًا،
 فَلَمَّا بَلَغَ الْمَاءُ الَّذِي فِيهِ
 الْكَافُورُ سَكَبَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
 بِيَدِهِ، ثُمَّ خَلَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
 قَمِيصَهُ فَأَلْبَسَهَا إِيَّاهُ وَ كَفَّنَهَا
 بِبَرْدٍ فَوْقَهُ، ثُمَّ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ
 ﷺ أَسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، وَ أَبَا أَيُّوبَ
 الْأَنْصَارِيَّ، وَ عُمَرَ بْنَ
 الْخَطَّابِ، وَ غُلَامًا أَسْوَدَ
 يَحْفَرُونَ، فَحَفَرُوا قَبْرَهَا، فَلَمَّا
 بَلَغُوا اللَّحْدَ حَفَرَهُ رَسُولُ
 اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ، وَأَخْرَجَ تَرَابَهُ
 بِيَدِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ دَخَلَ رَسُولُ
 اللَّهِ ﷺ فَاضْطَجَعَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ:
 اللَّهُ الَّذِي يُحْيِي وَ يُمِيتُ وَ هُوَ

سرہانے بیٹھ گئے، پھر فرمایا: اے امی
 جان! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے،
 میری والدہ ماجدہ کے بعد آپ ہی
 میری ماں تھیں۔ آپ مجھے بھوک میں
 سیر ہو کر کھلاتی اور خود بھوکی رہتی تھیں
 اور آپ مجھے پہناتی تھیں اور اچھی
 چیزیں خود کھانے کی بجائے مجھے
 کھلاتی تھیں۔ آپ یہ سب کچھ اللہ کی
 رضا اور روزِ آخرت کی خاطر کرتی
 تھیں۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے
 فرمایا کہ ان کو تین مرتبہ غسل دیا
 جائے۔ پھر جب کافور کا پانی لایا گیا تو
 حضور نبی کریم ﷺ نے پانی انڈیل کر
 اپنے ہاتھوں میں لیا پھر اپنی قمیض اتار
 کی اور وہ قمیض انہیں پہنادی اور اپنی
 چادر سے انہیں کفن پہنایا۔ پھر حضور
 ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید،
 حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت
 عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اور غلام کو بلایا
 کہ وہ قبر کھودیں۔ پس انہوں نے ان

حَيٍّ لَا يَمُوتُ. أَغْفِرُ لَأُمِّي
 فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ وَلَقِّنُهَا
 حُجَّتَهَا، وَوَبِّعُ عَلَيْهَا مَدْخَلَهَا
 بِحَقِّ نَبِيكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ مِنْ
 قَبْلِي۔ فَإِنَّكَ أَرْحَمُ
 الرَّاحِمِينَ۔ وَكَبَّرَ عَلَيْهَا أَرْبَعًا وَ
 اَدْخَلُوهَا اللَّحْدَ هُوَ وَالْعَبَّاسُ،
 وَابُوبَكْرُ الصَّدِيقُ ۞

تو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ
 سے قبر کھودی اور اس سے اپنے ہاتھوں
 سے مٹی نکالی اور جب فارغ ہو گئے تو
 حضور ﷺ اس میں لیٹ گئے۔ پھر
 فرمایا: اے اللہ، تعالیٰ جو زندگی اور
 موت دیتا ہے اور وہ خود ہمیشہ زندہ
 رہنے والی ذات ہے، اے موت نہیں
 آئیگی، (اے اللہ!) تو میری ماں
 فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان
 کو سوالات کے موقع پر جوابات تلقین
 فرمادے اور اپنے نبی (محمد ﷺ) اور
 ان انبیاء کے وسیلہ سے جو مجھ سے
 پہلے تھے، ان کی قبر کو وسیع فرمادے،
 بیشک تو سب رحم کرنے والوں سے
 زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ (اور پھر
 حضور ﷺ نے) چار مرتبہ تکبیر کہی

۴۔ العلل المتناہیۃ للجوزی، ۱: ۹-۲۶۸،
 رقم: ۴۳۳

۵۔ مجمع الزوائد، ۹: ۷-۲۵۶

۱۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۲: ۲۴-۳۵۱،
 رقم: ۸۷۱

۲۔ المعجم الأوسط للطبرانی، ۱: ۳-۱۵۲، رقم: ۱۹۱

۳۔ حلیۃ الأولیاء لابن نعیم، ۳: ۱۲۱

(یعنی نماز جنازہ پڑھائی)، اور پھر
آپ ﷺ نے، حضرت عباس اور
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما
نے ان کو لحد میں اتار دیا۔

اس حدیث پاک کی سند میں ایک راوی 'روح بن صلاح'، کو بعضوں نے
ضعیف کہا ہے، جبکہ ابن حبان اور امام حاکم نے اسے ثقہ کہا ہے۔ محمود سعید مدوح نے
روح بن صلاح کو صادق اور اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ❀

۷۔ سائلین کا توسُّل

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز
کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلے
اور یہ دعا مانگے: اے اللہ! میں تجھ
سے تیرے سائلین کے وسیلہ سے سوال
کرتا ہوں اور میں تجھ سے (نماز کی
طرف اٹھنے والے) اپنے ان قدموں
کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، بے
شک میں نہ کسی برائی کی طرف چل پڑا
ہوں نہ تکبر اور غرور سے، نہ دکھاوے

قال رسول الله ﷺ: من خرج
من بيته إلى الصلاة فقال:
اللهم! إني أسألك بحق
السائلين عليك، و أسألك
بحق ممشاي هذا، فإني لم
أخرج أشراً ولا بطراً ولا رياءً
و لا سُمعةً و خرجتُ اتقاء
سخطك و ابتغاء مرضاتك،
فأسألك أن تُعبدني من النار

وَأَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي، إِنَّهُ لَا
يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔ أَقْبِلْ اللَّهُ
عَلَيْهِ بِوَجْهِهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ سَبْعُونَ
أَلْفَ مَلِكٍ۔ ❀

اور نہ کسی دنیاوی شہرت کی خاطر نکلا
ہوں، میں تو صرف تیری ناراضی سے
بچنے کیلئے اور تیری رضا کو حاصل کرنے
کے لئے نکلا ہوں۔ پس میں تجھ سے
سوال کرتا ہوں، کہ مجھے دوزخ کی
آگ سے نجات دے، میرے
گناہوں کو بخش دے، بے شک تو ہی
گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ
اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ستر ہزار
فرشتے اس کی مغفرت طلب کرتے
ہیں۔

اس حدیث کی سند حسن حدیث کی شرائط کے مطابق ہے اور مندرجہ ذیل پانچ
مشہور حفاظ حدیث نے اسے حسن حدیث قرار دیا ہے:

۱۔ حافظ دمیاطی نے 'المتجر الرابع فی ثواب العمل الصالح' میں

❀ ۱۔ سنن ابن ماجہ: ۵۷

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۰: ۲-۲۱۱، رقم:

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۲۱

۹۲۵۱

۳۔ عمل الیوم والیلة لابن السنی: ۳۰،

۶۔ المتجر الرابع فی ثواب العمل الصالح:

رقم: ۸۳

۲۔ ۶۳۱، رقم: ۱۳۲۱

۴۔ الترغیب والترہیب، ۲: ۲۵۸

۷۔ میزان الاعتدال للذہبی، ۲: ۴۴۷، رقم:

۴۳۸۴

۲۔ حافظ منذری نے 'الترغیب والترہیب' میں۔

۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے 'عمل الاذکار' میں۔

۴۔ حافظ عراقی نے 'أحادیث الإحياء' کی تخریج میں۔

۵۔ حافظ بوسیری نے 'مصابح الزجاجة' میں۔

ابن خزيمة نے اپنی 'صحیح' میں فضیل بن مرزوق سے روایت کرتے ہوئے

اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے۔ ❀

۸۔ ضعفائے امت کا توسل

نیک بندوں کے علاوہ مسافروں، مریضوں اور وہ سب جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمانے کی بات کی ہے یا جن کی نسبت فرمایا کہ میں ان کے ساتھ ہوں، ان کی مدد کرتا ہوں اور اپنی شفقت و رحمت سے نوازتا ہوں ان کا وسیلہ پیش کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا يَنْصُرُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ
بُضْعِيهَا بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ
وِإِخْلَاصِهِمْ۔ ❀❀
بے شک اللہ تعالیٰ کمزور لوگوں کی دعا،
نماز اور خلوص کے باعث ہی تو اس
امت کی مدد فرماتا ہے۔

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرمایا:

❀ رفع المنارة: ۲-۱۷۰

❀❀ ۱۔ سنن النسائي، ۲: ۶۳

۳۔ حلیۃ الاولیاء لابن نعیم، ۵: ۲۶

۲۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۶: ۳۳۱

أَبْغَوْنِي الضَّعِيفَ فَإِنَّكُمْ إِنَّمَا
تُرْزَقُونَ وَ تَنْصَرُونَ
بِضَعْفَائِكُمْ۔ ❀

مجھے کمزور لوگوں میں تلاش کرو۔ بے
شک کمزور لوگوں کے سبب ہی تمہیں
رزق عطا کیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی
جاتی ہے۔

گویا ضعیف و نادار لوگوں کے توسُّل سے باری تعالیٰ امت مسلمہ کو نہ صرف
اپنی مدد و نصرت سے نوازتا ہے بلکہ انہیں رزق اور وسائل بھی عطا کرتا ہے۔ لہذا ان کے
وسیلے سے مانگی گئی دعا بھی قبولیت سے نوازی جاتی ہے۔

۹۔ انبیاء علیہم السلام کی دعا سے توسُّل

حضرت سعد بن وقاصؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دَعْوَةُ ذِي النُّونِ إِذْ دَعَا وَ هُوَ
فِي بَطْنِ الْحَوْبِ: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا
أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ
الظَّالِمِينَ﴾ فَإِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا
رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا
اسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ۔ ❀❀

مچھلی کے پیٹ والے (نبی یعنی حضرت
یونس علیہ السلام) نے مچھلی کے پیٹ میں
جو دعا مانگی، وہ یہ تھی: ”(اے اللہ!)
تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات
پاک ہے، بے شک میں ہی (اپنی
جان پر) زیادتی کرنے والوں

۳۔ مسند ابویعلیٰ، ۲: ۱۱۱، رقم: ۷۷۲

۴۔ المستدرک للحاکم، ۱: ۵۰۵

۵۔ المستدرک للحاکم، ۲: ۳۸۲

۶۔ شعب الایمان للبیہقی، ۱: ۴۳۲، رقم: ۶۲۰

❀ ۱۔ سنن النسائی، ۲: ۶۴

۲۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۶: ۳۳۱

❀❀ ۱۔ جامع الترمذی، ۲: ۱۸۸

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۱: ۱۷۰

میں سے تھا۔“ بے شک جب کبھی کسی
مسلمان مرد (و عورت) نے کسی بھی
(جائز) مقصد کے لیے ان الفاظ سے
دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا۔

بارگاہ الوہیت کے آداب جو اللہ کے کسی نبی کو ہوتے ہیں وہ کسی بھی دوسرے
ولی اور مقرب بندے کو نہیں ہو سکتے اور اسی طرح درجہ بدرجہ ان آداب کی حقیقی معرفت
میں کمی آ جاتی ہے، اس باب میں اسی بنا پر خواص اور عوام میں فرق رکھا جاتا ہے اور نیکو
کاروں کی حسنات ابرار کی سیئات ٹھہرتی ہیں۔

جب اللہ کا نبی بارگاہ الوہیت کی کمال معرفت رکھتے ہوئے اور آداب
ربوبیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اور سراپا ادب بن کر عرض کناں ہوتا ہے تو اس کا ہر ہر
لفظ قبولیت و اجابت الہی کے شرف سے سرفراز ہوتا ہے اور اگر ایسی دعا سے توسل
کرتے ہوئے بارگاہ الوہیت میں کوئی التجاء کی جائے تو زبان نبوت کی ضمانت پر وہ رد
نہیں ہوتی بلکہ شرف قبولیت سے ہمکنار ہوتی ہے۔

== عمل الیوم والیلۃ للنسائی: ۴۱۶، ۸۔ الترغیب والترہیب، ۲: ۲۸۸

باب پنجم

حضور نبی اکرم ﷺ

سے

توسل

توسل بالنبی ﷺ کا عقیدہ

حضور ﷺ کے اس دنیا سے وصال فرمانے کے بعد بھی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت جاری ہے۔ آپ ﷺ بحیثیت نبی اور رسول اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک آپ ﷺ ہی کی نبوت و رسالت جملہ احکام کے ساتھ باقی رہے گی۔ جب سارے احکام باقی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ توسل کا حکم ختم ہو جائے۔ جب آپ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں آپ ﷺ سے توسل کئے جانے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور امت مسلمہ میں بالاتفاق آج بھی اس کے جواز کا اعتقاد پایا جاتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت، جمیع احکام، اطاعت، اتباع اور ادب کے ہوتے ہوئے بعد از وصال سلسلہ توسل کے منقطع ہونے کا کیا جواز رہ جاتا ہے جبکہ قرآن حکیم اور حدیث رسول میں کوئی نص بعد از وصال توسل کے انقطاع پر موجود نہیں۔ لہذا جن نصوص قرآنی سے آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں توسل ثابت ہے ان ہی نصوص سے بعد از وصال بھی توسل ثابت ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کی شان والا تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت سے قبل بھی آپ ﷺ سے توسل کیا گیا۔ ائمہ و محدثین نے اپنی کتابوں میں ثقہ روایات کے ساتھ آپ ﷺ کے قبل از ولادت فیوض و برکات کو ثابت کیا ہے۔ اس باب میں ہم انشاء

اللہ تو سُل بالنبی ﷺ کی ممکنہ صورتوں کو دلائل کی روشنی میں ثابت کر کے تو سُل کے بارے میں صحیح عقیدہ بیان کریں گے۔

تو سُل بالنبی ﷺ کی ممکنہ صورتیں

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے تو سُل کی تین صورتیں ہیں:

- ۱۔ التوسُل بالنبی ﷺ قبل ولادته (ولادت سے قبل نبی اکرم ﷺ سے تو سُل)
- ۲۔ التوسُل بالنبی ﷺ فی حیاتہ (نبی اکرم ﷺ سے ان کی ظاہری حیات میں تو سُل)

- ۳۔ التوسُل بالنبی ﷺ بعد وصالہ (نبی اکرم ﷺ سے ان کے وصال کے بعد تو سُل)

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں تو سُل کرنا اور پھر آپ ﷺ کے ولادت سے پہلے اور وصال کے بعد حیاتِ برزخی میں تو سُل کرنا، یہ تمام صورتیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور آج تک علماء کبار ان سے عقیدہ تو سُل کا استنباط کرتے چلے آئے ہیں۔ قرآن و حدیث سے ٹھوس دلائل کے ساتھ ان تمام صورتوں کو آئندہ صفحات میں اجاگر کیا جائے گا۔

فصل اوّل

ولادت سے قبل نبی اکرم ﷺ سے توسُّل

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے توسل کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق سے قبل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور بعد از وصال ہر دور میں جاری و ساری رہا ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی معافی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے توسل کرنا، ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی خطا کی معافی کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو رب کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کیا اور رب رحیم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ان کی بھول چوک کو معاف کر دیا۔

امام طبرانی، ابن المنذر، سیوطی اور بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں سے مرفوعاً جو حدیث روایت کی ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی فکرِ توبہ میں مستغرق تھے کہ اس عالم اضطراب میں آپ علیہ السلام کو یاد آیا کہ میں نے اپنی پیدائش کے وقت عرشِ معلیٰ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں)، لکھا دیکھا تھا جو اس امر کا مظہر ہے کہ بارگاہِ الہی میں جو مقام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، وہ مقام کسی اور کو میسر نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے عرش پر اپنے نام کے ساتھ ان کا اسم گرامی لکھا ہوا ہے۔ اس پر آپ علیہ السلام نے

دعا میں کلماتِ توبہ کے ساتھ ان کلماتِ توسل کا اضافہ کر کے عرض کیا:

أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتُ
(اے اللہ!) میں تجھ سے محمد (ﷺ)
کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میری
مغفرت فرما۔

ابن المذکر کی روایت میں مندرجہ ذیل کلمات درج ہیں:

اللهم! إني أسألك بجاه محمد
عبدك و كرامته عليك أن
تغفر لي خطيئتي۔
اے اللہ! میں تجھ سے تیرے محبوب
بندے محمد (ﷺ) کے واسطے سے اور
اس بزرگی کے وسیلے سے جو انہیں تیری
بارگاہ میں حاصل ہے، سوال کرتا ہوں
کہ تو میری خطا بخش دے۔

چنانچہ ان کلماتِ استغفار سے جو حضور ﷺ کے وسیلے سے ادا ہوئے
آپ ﷺ کی توبہ قبول ہوگئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”واقعۃً“ محمد ﷺ مجھے تمام
مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں۔ تم نے ان کے واسطے سے مجھ سے درخواست کی ہے میں
نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔ طبرانی کی
روایت میں مزید یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تمہاری اولاد میں سب
انبیاء سے آخری نبی ہیں۔

امام حاکم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن عمر بن الخطاب، قال: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی
قال رسول الله ﷺ: لما ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب

اَقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا غَفَرْتَ لِي۔ فَقَالَ اللَّهُ: يَا آدَمُ! وَ كَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَ لَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ! لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَ نَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتَ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قِوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَيَّ اسْمَكَ إِلَّا أَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ۔ فَقَالَ اللَّهُ: صَدَقْتَ يَا آدَمُ! إِنَّهُ لِأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ اذْعَنِي بِحَقِّهِ، فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَ لَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ۔ ❀

حضرت آدم عليه السلام خطا کے مرتکب ہوئے تو انہوں نے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) عرض کیا: اے پروردگار! میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ تو اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہچان لیا حالانکہ ابھی تک میں نے انہیں تخلیق بھی نہیں کیا؟ اس پر حضرت آدم عليه السلام نے عرض کیا: مولا! جب تو نے اپنے دست قدرت سے مجھے تخلیق کیا اور اپنی روح میرے اندر پھونکی، میں نے اپنا سرا پر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے ہر ستون پر لا إله إلا الله، محمد رسول الله لکھا ہوا دیکھا۔ تو میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ اسی کا نام ہو سکتا ہے جو تمام

❀ المستدرک، ۲: ۶۱۵

یہ حدیث مختلف اسناد کے ساتھ مندرجہ ذیل کتب میں بھی روایت کی گئی ہے:
۱۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۵: ۲۸۹
۲۔ تاریخ ابن عساکر، ۲: ۶۰-۳۵۹==

مخلوق میں سے تجھے سب سے زیادہ
 محبوب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے
 فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا ہے،
 مجھے ساری مخلوق میں سے سب سے
 زیادہ محبوب وہی ہیں۔ اب جبکہ تم نے
 اس کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کی ہے
 تو میں نے تجھے معاف کر دیا اور اگر
 محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی تخلیق
 نہ کرتا۔

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اگرچہ وہ اس کی سند میں
 عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا ضعف جانتے تھے۔ تاہم یہ حدیث بیان کرتے وقت
 انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کتاب میں پہلی حدیث ہے جو میں نے
 عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے روایت کی ہے۔ امام بلقینی نے بھی اپنے 'فتاویٰ' میں اس
 حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام تقی الدین سبکی نے 'شفاء السقام فی زیارة خیر الانام' (ص:
 ۱۲۰) میں امام حاکم کے قول کی تصدیق کی ہے، اگرچہ وہ اس کے متعلق امام ابن تیمیہ
 کی تنقید اور رد جانتے تھے، مگر انہوں نے اسے مسترد کیا ہے۔

بہت سے علماء، مفسرین اور محدثین نے اپنی کتب میں اس واقعے کو اور ان

== ۳۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ۲۵۹: ۷، ۵۔ مجمع الزوائد، ۲۵۳: ۸

۶۔ البدایہ والنہایہ، ۱۳۱: ۱

۷۔ الجوہر المنظم، ۶۱

رقم: ۴۶۹۸

۴۔ المعجم الصغیر للطبرانی، ۸۲: ۳، ۲

کلماتِ توٹل کو بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں اور پہلے بیان کئے گئے کلمات پر مبنی روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ یہ کلمات بھی اسی دعا کا اضافی حصہ ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ اور واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور یہ مبارک وسیلہ قبولیت دعا کے لئے اکسیر ہے۔

امام احمد بن محمد قسطلانی نے حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم ﷺ سے توٹل کرنا 'المواہب اللدنیہ' (۱: ۲-۸۱، ۴: ۵۹۴) میں احادیث سے ثابت کیا ہے۔ اور امام زرقانی نے اس کی 'شرح' (۱: ۲۰-۱۱۸، ۱۲: ۲۱-۲۲۰) میں اس کی تصدیق کی ہے۔

محدث ابن الجوزی نے اپنی کتاب 'الوفاء باحوال المصطفیٰ' کے پہلے باب (۳۳: ۱) میں اسے بیان کیا ہے۔ کتاب کے تعارف میں وہ لکھتے ہیں: 'اس کتاب میں میں نے صحیح احادیث کو ضعیف کے ساتھ نہیں ملایا۔ اسی صفحہ پر انہوں نے ایک حدیث میسرۃ سے روایت کی ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: 'جب شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو بہکایا تو انہوں نے توبہ کی اور میرے نام کے وسیلے سے اللہ سے معافی طلب کی۔' ابن الجوزی نے اسی کتاب کے باب 'نبی ﷺ کی دوسرے انبیاء پر فضیلت' (۳۵۹: ۱) میں لکھا ہے: 'یہ آپ ﷺ کی دوسرے انبیاء پر فضیلت (کی حقیقت) کے اظہار کا حصہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کو عطا کی جانیوالی حرمت (تقدس و پاکیزگی) کے وسیلہ سے اپنے رب سے معافی مانگی، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔'

مولانا اشرف علی تھانوی نے 'نشر الطیب' کی دوسری فصل (ص: ۲۰) کا آغاز

ہی انہی احادیث کے بیان سے کیا ہے۔

حتیٰ کہ حضرت آدم کو حضرت حوا علیہما السلام سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے وقت بھی حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا اور اسی کو اس عقد میں وسیلہ بنایا گیا۔ اسے امام ابن الجوزی نے 'سلوة الأحرار' میں بیان کیا ہے، اور امام صاوی نے اپنی تفسیر 'حاشیۃ الجلالین' (۱: ۲۳) میں لکھا ہے:

و إنما هو ليظهر قدر محمد
لآدم من أول قدم، إذ لولا ما
تمتع بزوجه، فهو الواسطة لكل
واسطة حتى آدم۔

اور یہ (حکم الہی) اس لیے تھا کہ حضرت
محمد ﷺ کی قدر و منزلت پہلے ہی قدم پر
حضرت آدم علیہ السلام پر آشکار ہو جائے۔
(اور وہ یہ جان لیں کہ) اگر حضور ﷺ

نہ ہوتے تو انہیں نعمت زوجیت بھی نہ
ملتی، کیونکہ وہی ہر واسطہ کے لیے حقیقی
واسطہ ہیں، حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کا بھی۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ روایت 'نشر الطیب' (ص: ۲۱) میں نقل کی

ہے۔

قاضی عیاضؒ نے 'الشفاء' (۱: ۸-۲۲۷) میں نصیح اور مشہور احادیث کے ساتھ
حضرت آدم علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنا بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابو محمد
الحکی اور ابواللیث السمرقندی نے اسے ذکر کیا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے
بہت زیادہ ملتی جلتی حدیث الآجری (متوفی ۳۶۰ھ) نے بھی بیان کی ہے، کہ جن کے
متعلق ملا علی قاری کہتے ہیں: 'الحلی کا قول ہے کہ یہ (الآجری) امام و مرشد ابوبکر محمد بن
حسین بن عبد اللہ البغدادی معلوم ہوتے ہیں کہ جنہوں نے 'الشريعة فی السنة'، 'الأربعون'

اور دوسری کتابیں تالیف کیں۔ ❀

ملا علی قاری کے اس قول کی تصدیق امام ابن تیمیہ نے ان الفاظ میں کی ہے:
 'یہ حدیث شیخ ابوبکر الآحمری نے اپنی کتاب 'الشریعة' (ص: ۴۲۷) میں بیان کی
 ہے۔ ❀❀

امام جلال الدین سیوطی نے یہ حدیث تفسیر 'الدر المنثور' (۵۸:۱) اور 'الخصائص
 الکبریٰ' (۶:۱) کے علاوہ 'الریاض الأنیقة فی شرح اسماء خیر الخلیقة' (ص: ۹-۲۸) میں بھی
 بیان کی ہے، جہاں وہ کہتے ہیں کہ امام بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے۔

اتنے بڑے پایہ کے علماء و محدثین کرام کا اس حدیث پاک کو روایت کرنا اس
 بات کی دلیل ہے کہ تو سئل آدم علیہ السلام والی روایت بڑی قوی ہے۔ اس حدیث پاک کو
 نقل کرنے والے علماء میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب کے لئے شرط لگائی کہ وہ
 کوئی موضوع روایت اس میں درج نہیں کریں گے۔

جیسا کہ امام بیہقی نے 'دلائل النبوة' کے تعارف میں کہا کہ انہوں نے اس
 کتاب میں صرف صحیح احادیث کو لیا ہے۔ عصر حاضر کے مشہور مکی عالم و محدث شیخ محمد بن
 علوی المالکی اپنی کتاب 'مفہیم يجب أن تصحح' کے صفحہ ۱۲۷ پر امام بیہقی کی 'دلائل النبوة'
 کے بارے میں امام ذہبی کا بے لاگ تبصرہ ان الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

علیک بہ فإنه کله هدی و تم اس کو لازم پکڑو کیونکہ یہ مکمل ہدایت
 نور۔
 و نور ہے۔

علامہ زرقانی نے امام ذہبی کا یہ قول 'المواہب اللدنیة' کی 'شرح' (۱:۱۲۰)

❀ شرح الشفاء لملا علی قاری، ۶:۱-۳۷۵

❀❀ قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة لابن تیمیہ: ۵-۸۴

میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح امام ابن تیمیہ کا اپنے 'فتاویٰ' (۲: ۱۵۰) میں اس کو نقل کر کے اس سے استشہاد کرنا بھی اس حدیث کے قوی ہونے کے لئے کافی ہے جبکہ عام طور پر ان کو متنازعہ سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ یہ حدیث اور ایک دوسری حدیث جو کہ میسرۃ سے مروی ہے، بیان کر کے کہتے ہیں: 'یہ دونوں احادیث اسی موضوع پر پائی جانے والی مستند احادیث کی تفسیر جیسی ہیں۔' اس قول کے بارے میں امام محمد بن علوی المالکی لکھتے ہیں:

فہذا يدل على أن الحديث عند
ابن تیمیہ صالح للإستشهاد و
الإعتبار، لأن الموضوع أو
الباطل لا يستشهد به عند
المحدثين۔ ❀

پس (ابن تیمیہ کا یہ بات کہنا) اس پر
دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث ان کے
نزدیک معتبر ہے، کیونکہ موضوع یا باطل
حدیث سے محدثین کے نزدیک
استدلال نہیں کیا جاتا۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ توئل جائز امر ہے اور ضروری نہیں کہ جس ذات سے توئل کیا جائے وہ بوقتِ توئل موجود یا زندہ ہو اور یہ کہ عالم میں حضور نبی اکرم ﷺ کے وجودِ جسدی سے پہلے توئل کیا گیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں حضرت آدم علیہ السلام جب 'أسالك بحق محمد' کے الفاظ کے ذریعے رب کی بارگاہ میں اپنی خطا کی معافی کے لئے عرض کرتے ہیں تو رحمت باری تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے ان الفاظ کے انتخاب پر جوش میں آ جاتی ہے۔ اور فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ کہہ کر انہیں بخشش و مغفرت کا مژدہ جانفزا سنا دیا جاتا ہے۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی ساری ذریت (اولاد) کو اپنے اس عمل سے یہ تعلیم

دے دی ہے کہ جب بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی و معصیت کے مرتکب ہو جاؤ اور تمہارا دامن گناہوں سے لت پت ہو جائے تو مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، بارگاہ الوہیت میں پختہ توبہ کا ارادہ لے کر اس کے حبیب مکرّم ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگو، بارگاہ الوہیت سے تمہارے سارے گناہ اسی طرح معاف کر دیئے جائیں گے، جس طرح میری خطا کو وسیلہ مصطفیٰ ﷺ سے معاف کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
جَاءُواكَ فَاسْتُغْفِرُوا اللَّهَ وَ
اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا
اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿۴۰﴾

اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب
اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی
خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ
سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ)
بھی ان کیلئے مغفرت طلب کرتے تو وہ
(اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر)
ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت
مہربان پاتے۔

۲۔ یہود کا حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا

حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے یہود اپنے حریف مشرکین عرب پر
فتح پانے کیلئے آپ ﷺ کے وسیلہ سے بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے جسکے نتیجے میں
فتح سے ہمکنار ہوتے۔ اس بات پر نص قرآنی شاہد عادل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ
يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ
فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ
فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف
سے وہ کتاب (قرآن) آئی جو اس
کتاب (توراة) کی (اصلاً) تصدیق
کرنے والی ہے جو ان کے پاس
موجود تھی، حالانکہ اس سے پہلے وہ خود
(نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور
ان پر اترنے والی کتاب قرآن کے
وسیلے سے) کافروں پر فحیابی (کی
دعا) مانگتے تھے، سو جب ان کے پاس
وہی نبی (حضرت محمد ﷺ) اپنے اوپر
نازل ہونے والی کتاب قرآن کے
ساتھ (تشریف لے آیا جسے وہ) پہلے
ہی سے (پہچانتے تھے تو اسی کے منکر
ہو گئے، پس (ایسے دانستہ) انکار
کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

آیت کریمہ میں بیان ہو رہا ہے کہ وہ رسول جن کے وسیلہ جلیلہ سے مشرکین
عرب پر فتح پانے کے لئے یہود بارگاہ الہی میں دعا مانگا کرتے تھے جب وہ بزم آراء
ہستی ہوئے تو وہ اپنے تعصب و عناد کی بنا پر آنے والے رسول کی کمال معرفت ہونے

کے باوجود..... جن کو ان کی آمد کی علامات سے جانتے پہچانتے بھی تھے..... ان کا انکار کر بیٹھے اور وادی کفر میں سرگرداں ہو گئے۔ جب انہوں نے اپنے کفر کا اظہار کیا تو غیرت حق جوش میں آ گئی اور فرمایا:

فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾
پس (ایسے دانستہ) انکار کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

بات چونکہ حضور نبی اکرم کی عظمت و رفعت اور نبوت و رسالت کے انکار سے متعلق تھی اس لئے شعلہ غضب الہی بھڑک اٹھا، اور وہ ملعون قرار پائے حالانکہ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر کفار کا ذکر آیا ہے مگر لعنت کا ذکر ہر مقام پر نہیں آیا کیونکہ اس کا ذکر اُس جگہ آتا ہے جہاں باری تعالیٰ کا غضب جوش مارنے لگے اور وہ جرم ناقابل معافی اور شدید مقام ناراضگی ہو۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال میں حضور نبی اکرم ﷺ کے منکرین پر جتنی کثرت کے ساتھ لعنت کی گئی ہے اتنی کثرت کے ساتھ کسی اور سورت میں نہیں کی گئی۔ ان آیات کے پس منظر اور سیاق و سباق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ لعنت الہیہ کے نزول کی وجہ شان رسالت مآب ﷺ کا انکار، اس کی عظمت و رفعت سے بیزاری اور اس کے ذکر میں بخل و حسد ہے۔

قرون اولیٰ سے لے کر آج تک مفسرین کی اکثریت نے اس آیت کریمہ کا جو معنی بیان کیا ہے وہ اصلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ﴿۸۹﴾ اس آیت کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطہ و وسیلہ سے دعا کرنے کی برکت کا ذکر ہے کہ خود اہل کتاب، حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے، کفار و مشرکین عرب سے جنگوں کے

دوران اللہ تعالیٰ سے اپنے کامیابی و کامرانی کی دعا، آنحضرت ﷺ کے وسیلے سے مانگا کرتے تھے۔ ان کی دعا کے کلمات یہ تھے:

اللهم! انصرنا بالنبي المبعوث
فی آخر الزمان الذي نجد نعتہ
و صفته فی التوراة۔ ❀
اے اللہ! زمانہ آخر میں بھیجے جانے
والے نبی (ﷺ) کہ جن کی تعریف
اور صفات ہم تورات میں پاتے ہیں،
کے وسیلے سے ہماری مدد فرما۔

بعض روایات میں حضور ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ قرآن مجید کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہاں یہود کی مذمت اسی حوالے سے کی گئی ہے کہ مقامِ تأسف ہے کہ جب تک حضور ﷺ کی بعثت نہ ہوئی تھی تو کامیابی کی دعائیں بھی انہی کے وسیلے سے مانگتے تھے مگر جب آپ ﷺ تشریف لے آئے تو ان کے منکر ہو گئے۔ مفسرین کرام نے اس حوالے سے جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱۔ امام قرطبیؒ

قال ابن عباس: كانت يهود
خيبر تقاتل غطفان فلما التقوا
هزمت يهود، فعادت يهود
بهذا الدعاء و قالوا: إنا
نسألك بحق النبي الأمي
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ خیبر
کے یہودی غطفان قبیلے سے برسر
پیکار رہا کرتے تھے۔ پس جب دونوں
کا آنا سامنا ہوا تو یہودی شکست
کھا گئے۔ پھر انہوں نے یہ دعا پڑھتے

الذی وعدتنا أن تخرجہ لنا فی
آخر الزمان إلا تنصرونا
علیہم۔ قال: فكانوا إذا التقوا
دعوا بهذا الدعاء فہزموا
غطفان، فلما بعث النبی ﷺ
کفروا، فأنزل اللہ تعالیٰ: ﴿وَ
كَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى
الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ای بک یا
محمد۔ ❀

ہوئے دوبارہ حملہ کیا: ”(الہی!) ہم تجھ
سے سوال کرتے ہیں اس نبی
امی ﷺ کے وسیلہ سے جنہیں تو نے
آخری زمانہ میں ہمارے لیے بھیجنے کا
ہم سے وعدہ کیا ہے، ان کے مقابلہ
میں ہماری مدد فرما۔“ ابن عباس رضی اللہ
عہما عنہ کہتے ہیں کہ جب بھی وہ دشمن کے
سامنے آئے تو انہوں نے یہی دعا
پڑھی اور غطفان (قبیلہ) کو شکست
دی۔ لیکن جب نبی اکرم ﷺ مبعوث
ہوئے تو انہوں نے (آپ ﷺ کا)
انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت
اتاری: ”حالانکہ اس سے پہلے وہ خود
(نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ اور
ان پر اترنے والی کتاب قرآن کے
وسیلے سے) کافروں پر فتیابی (کی
دعا) مانگتے تھے۔“ یعنی اے محمد! آپ
کے وسیلہ سے (فتح کی دعا مانگا کرتے
تھے)۔

۲۔ علامہ آلوسی

نزلت فی بنی قریظہ و النضیر
 کانوا یستفتحون علی الأوس
 و الخزرج برسول اللہ ﷺ
 قبل مبعثہ۔ قالہ ابن عباس
 وقتادہ۔ و المعنی یطلبون من
 اللہ تعالیٰ أن ینصرہم بہ علی
 المشرکین، کما روی السدی
 أنهم کانوا إذا اشتد الحرب
 بینہم و بین المشرکین
 أخرجوا التوراة و وضعوا
 أیدیہم علی موضع ذکر
 النبی ﷺ، و قالوا: اللہم! إنا
 نسألك بحق نیک الذی
 وعدتنا أن تبعثہ فی آخر
 الزمان أن تنصرنا الیوم علی
 عدونا، فینصرون۔ ❀

یہ آیت بنی قریظہ اور بنی نضیر کے
 بارے میں نازل ہوئی جو اوس اور
 خزرج پر حضور ﷺ کی بعثت سے قبل
 آپ ﷺ کے وسیلے سے فتح یابی کی
 دعا مانگتے تھے۔ حضرت ابن
 عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے
 اسی بات کو بیان کیا ہے۔ اور معنی یہ
 ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے تھے کہ اس
 نبی کے وسیلے سے مشرکین کے
 خلاف ان کی نصرت فرمائے جیسا کہ
 السدی نے بیان کیا ہے کہ جب ان
 کے اور مشرکین کے درمیان لڑائی
 زوروں پر آ جاتی تو وہ تورات شریف
 کھول کر اس مقام پر جہاں حضور نبی
 اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا ہاتھ رکھ دیتے اور
 دعا کرتے: اے اللہ! ہم تجھ سے
 تیرے اس نبی کے صدقے دعا کرتے

ہیں جنہیں تو نے آخری زمانے میں
مبعوث فرمانے کا ہم سے وعدہ کیا
ہے، آج ہمارے دشمنوں کے خلاف
ہماری نصرت فرما۔ پس (اس دعا کی
برکت سے) انکی مدد کی جاتی۔

۳۔ امام رازی

أَنْ يَهُودَ مِنْ قَبْلِ مَبْعَثِ مُحَمَّدٍ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ نَزُولِ الْقُرْآنِ
كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ أَيْ يَسْأَلُونَ
الْفَتْحَ وَالنَّصْرَةَ، وَ كَانُوا
يَقُولُونَ: اللَّهُمَّ! افْتَحْ عَلَيْنَا وَ
انصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ۔ ❀

حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نزول
قرآن سے قبل یہود (ان کے وسیلے
سے) فتح کی دعا مانگا کرتے تھے یعنی
فتح اور مدد طلب کرتے تھے، اور یہ
الفاظ کہا کرتے تھے: اے اللہ!
ہمیں اُمّی نبی ﷺ کے صدقے فتح و
نصرت عطا فرما۔

۴۔ امام جلال الدین محلی و امام جلال الدین سیوطی

اللَّهُمَّ! انصُرْنَا عَلَيْهِم بِالنَّبِيِّ
الْمَبْعُوثِ فِي آخِرِ
الزَّمَانِ۔ ❀❀

اے اللہ! آخری زمانے میں مبعوث
ہونے والے نبی ﷺ کے وسیلے
ہمیں ان پر غلبہ عطا فرما۔

۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی

يستنصرون، أى على مشركى
العرب، ويقولون: اللهم!
انصرنا عليهم بالنبي المبعوث
فى آخر الزمان الذى نجد
صفته فى التوراة۔ ❀

وہ مشرکین عرب پر فتح مانگتے تھے اور
کہتے: اے اللہ! آخری زمانے میں
بھیجے جانے والے جس نبی کی صفت
ہم (اپنی کتاب) تورات میں پاتے
ہیں، ان کے وسیلہ سے ہمیں ان پر غلبہ
عطا فرما۔

۶۔ امام ابن کثیر

كانت اليهود تستنصر
بمحمد ﷺ على مشركى
العرب۔ ❀❀

یہود مشرکین عرب پر حضور ﷺ کے
وسیلہ سے غلبہ کی دعا مانگتے تھے۔

۷۔ امام جلال الدین سیوطی

۱۔ عن ابن عباس، قال: كانت
يهود بنى قريظة و النضير من
قبل أن يبعث محمد ﷺ
يستفتحون الله، يدعون على
الذين كفروا، و يقولون:

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ
بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہود حضرت
محمد ﷺ کی بعثت سے قبل کفار پر غلبہ
کی دعا مانگا کرتے تھے اور کہتے: اے
اللہ! ہم اُمّی نبی ﷺ کے وسیلے سے

❀ التفسیر المظہری، ۹۴:۱

❀❀ تفسیر القرآن العظیم، ۱۲۴:۱

تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں کہ ہمیں
ان پر غلبہ عطا فرما۔ پس ان کی مدد کی
جاتی۔

اللهم! إنا نستنصرک بحق
النبي الأمی إلا نصرتنا علیهم،
فینصرون۔ ❀

اسی طرح یہ روایت بھی ہے:

۲۔ عن ابن عباس، قال: کان
یهود أهل المدینة قبل قدوم
النبي ﷺ إذا قاتلوا من یلیهم
من مشرکی العرب من أسد و
غطفان و جُھینة و عُذرَة
یستفتحون علیهم و
یستنصرون یدعون علیهم
باسم نبی الله، فیقولون: اللهم،
ربنا! انصرنا علیهم باسم
نبيک و بکتابک الذی تنزل
علیه الذی وعدتنا أنك باعثه
فی آخر الزمان۔ ❀❀

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
یہود مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ کی (اس
دنیا میں) تشریف آوری سے قبل جب
وہ مشرکین عرب میں سے اسد،
غطفان، جہینہ اور عذرہ سے جنگ
کرتے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے اسم
گرامی کے صدقے اس پر فتح و نصرت
حاصل کرنے کی دعا کرتے، اور کہتے:
اے اللہ، ہمارے رب! اپنے اس نبی
کے اسم گرامی اور ان پر نازل ہونے
والی کتاب کے صدقے ہمیں نصرت
عطا فرما، جن کی آخری زمانے میں
بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا
ہے۔ ❀❀❀

ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل بھی اہل کتاب آپ ﷺ کی ذات اقدس کو بطور وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے۔ اگر ہم غور

==*** اسی طرح کی روایات مندرجہ ذیل کتب تفاسیر میں بھی بیان کی گئی ہیں:

۱۔ تفسیر مجاہد، ۸۳:۱	۱۱۔ تفسیر البحر المحیط، ۳۰۳:۱
۲۔ تفسیر غریب القرآن: ۵۸	۱۲۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۳:۱
۳۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن	۱۳۔ ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن
للطبری، ۳۲۵:۱	الکریم (تفسیر ابی السعود)، ۱۲۸:۱
۴۔ معالم التنزیل، ۹۳:۱	۱۴۔ تفسیر روح البیان، ۱۷۹:۱
۵۔ کشف الاسرار وعدة الارباب، ۲۷۲:۱	۱۵۔ الفتوحات الالہیة، ۸:۱-۷۷
۶۔ زاد المسیر فی علم التفسیر لابن	۱۶۔ فتح القدر للشوکانی، ۱۱۲:۱
الجوزی، ۱۱۳:۱	۱۷۔ تفسیر المنار، ۳۸۱:۱
۷۔ تفسیر البیضاوی، ۱۲۲:۱	۱۸۔ تفسیر السراج الممنیر، ۷۶:۱
۸۔ المدارک (تفسیر لسنفی)، ۶۱:۱	۱۹۔ التفسیر الممنیر، ۲۰:۱-۲۱۹
۹۔ نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور،	۲۰۔ کتاب التسهیل لعلوم التنزیل لابن
۲: ۷۶-۷۷	جزی، ۵۳:۱
۱۰۔ لباب التأویل فی معانی التنزیل،	۲۱۔ الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم، ۹۶:۱
۶۵:۱	

تفاسیر کے علاوہ اسی طرح کی روایات احادیث و سیرت کی کتب میں بھی بیان کی گئی ہیں:

۱۔ المستدرک للحاکم، ۲: ۲۶۳	۴۔ دلائل النبوة لابی نعیم، ۵: ۴۴
۲۔ الشریعة للآجری، ۸: ۴۴۶	۵۔ البدایہ والنہایہ، ۲: ۵-۲۷۴
۳۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۲: ۷۶-۷۷	

کریں تو معلوم ہوگا کہ تمام اجل معتمد اکابر محدثین اور مفسرین کرام نے اپنی کتب کو ان روایات سے زینت بخشی ہے۔ لہذا یہ غلط فہمی بھی دور ہونی چاہئے کہ شاید یہ روایات درجے کے اعتبار سے کم تر ہیں کیونکہ جو روایت تفسیر کے لئے قابل حجت ہوتی ہے وہ درجہ قبولیت میں ہوتی ہے۔ اور اس روایت کو تو ایک ہزار سال کے دوران جتنے بھی مفسرین گزرے ہیں سب نے نقل کیا ہے، کسی نے تفسیر القرآن بالقرآن اور کسی نے تفسیر القرآن بالحدیث کے تحت۔ مختلف ادوار میں مفسرین کرام، محدثین اور فقہاء وائمہ کا اس پر متفق ہونا بڑا اہم اور قابل اعتماد امر ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ تو اسرائیلیات سے آئی ہیں تو اس حوالے سے بھی یہ امر ذہن نشین رہے کہ بنی اسرائیل سے روایات لینے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

حَدَّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا
حرج۔ ﴿﴾ میں کوئی حرج نہیں۔

بعد از وصال تو سئل بالنبی ﷺ کا جواز

جس طرح اس آیت کریمہ سے قبل از ولادت و بعثت آپ ﷺ سے تو سئل کا ثبوت ہے اسی طرح یہی آیت بعد از وصال بھی آپ ﷺ سے تو سئل پر شاہد

﴿﴾ ۱۔ صحیح البخاری، ۴۹۱:۱ ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۵۰۲:۲، ۴۷۴، ۴۰۲،

۲۔ سنن ابی داؤد، ۱۵۹:۲

۳۔ جامع الترمذی، ۹۱:۲

۷۔ مجمع الزوائد، ۱۵۱:۱

۸۔ المطالب العالیہ، ۱۹۲:۱، رقم: ۶۸۸

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۶۳:۹، رقم:

۹۔ المطالب العالیہ، ۲۸۰:۳، رقم: ۳۴۷۸

۵۔ مسند احمد بن حنبل، ۵۶:۳

عادل ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس آیہ کریمہ سے بعد از وصال تو سئل بالنبی ﷺ کا کیا ثبوت ہے؟ جواب یہ ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ ابھی اس دنیا میں تشریف نہ لائے تھے اور اس وقت اگر وسیلہ جائز تھا تو اب وصال مبارک کے بعد وسیلہ کیسے ناجائز ہو سکتا ہے؟

ولادتِ مصطفیٰ ﷺ سے قبل حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کا تو سئل اور وسیلہ پکڑنے والے یہود اہل ایمان تھے، انبیاء و صلحاء کی قیادت میں جنگ لڑتے تھے اور یہ کافر تو اس وقت ہوئے جب نبی محمد ﷺ نے اپنے قدمِ میمنت لزوم سے اس سرزمین کو شرف بخشا۔ اس سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے چرچے اور تذکرے خود اہل کتاب کیا کرتے تھے۔ اپنے بچوں کو آپ ﷺ کا ذکر سناتے اور مدح کرتے اور آپ ﷺ کی بعثت کے منتظر تھے۔ مگر کیا ہوا؟ وہی نبی برحق ﷺ جن کا برسوں سے انتظار کر رہے تھے، شب و روز جن کے تذکرے کرتے تھے اور جن کے تو سئل سے فتح و کامرانی کیلئے دعائیں مانگتے تھے، جب وہ مبعوث ہوئے تو حسد اور تعصب و عناد کی وجہ سے کامل معرفت کے باوجود ان کی نبوت و رسالت کا انکار کر بیٹھے۔

غرضیکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کا یہ تو سئل اور وسیلہ آپ ﷺ کے ظہور ولادت سے پہلے کا ہے لیکن بیک وقت یہی آیت بعد از وصال آپ ﷺ کے تو سئل اور وسیلہ کے جائز ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔

فصل دُوم

حضور نبی اکرم ﷺ سے حیاتِ ظاہری میں

توسل

خاصہ خاصانِ رسل ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی یہ شانِ امتیاز ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت بلکہ ولادت سے قبل بھی آپ ﷺ سے توسُّل ہوتا رہا۔ سیدنا آدم علیہ السلام اور پھر یہود کا آپ ﷺ کو وسیلہ بنانے کا بیان گزشتہ فصل میں گزرا۔ جب امِ سابقہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں دشمنوں پر فتح اور اپنے گناہوں کی مغفرت کیلئے التجائیں کرتی تھیں تو امتِ مصطفویٰ تو بطریقِ اولیٰ آپ ﷺ کے توسُّل کی حقدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں صراحتہً اس بات کا ثبوت پایا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ تعالیٰ نے امتِ مرحومہ پر بے شمار انعامات فرمائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے توسُّل کیا، آپ ﷺ نے ان کو یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست سوال کیا کرو بلکہ آپ ﷺ نے تو خود ان کو وسیلہ کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ سے توسُّل پر قرآن حکیم سے جو دلائل بطورِ استشہاد ثابت ہیں وہ درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر ۱: حضور نبی اکرم ﷺ کے توسُّل سے امت سے

عذاب کا ٹل جانا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری میں توسُّل کے بارے میں قرآن حکیم ہماری رہنمائی یوں فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ

اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ

فِيهِمْ طَوَّافٌ مَّا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ
وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٥٠﴾

زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے
در آنحالیکہ (اے حبیبِ مکرم!) آپ
بھی ان میں (موجود) ہوں اور نہ ہی
اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب
فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے)
مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

باری تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی وجہ سے اپنے نظام کو بدل دیا۔ اہم سابقہ
جب ایک خاص وقت اللہ کی تک نافرمانی میں تمام حدود تجاوز کر جاتیں اور پیغام حق کو قبول
کرنے سے انکار کر دیتیں تو اس نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں عذاب الہی کی گرفت میں
آ جاتیں۔ کبھی ان پر آسمانوں سے پتھر برسائے جاتے، کبھی صورتیں مسخ کر دی جاتیں اور
کبھی سیلاب میں غرق کر دیئے جاتے غرضیکہ طرح طرح کے عذاب ان پر مسلط کر دیئے
جاتے جن سے پتہ چل جاتا کہ ان کی نافرمانی کے باعث انہیں عذاب کی گرفت میں لیا گیا
ہے۔ مگر جوں ہی حضور نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کے وجود
اقدس کی برکت و توسل سے باری تعالیٰ نے اپنا قانون و ضابطہ تبدیل کر دیا۔ آپ ﷺ کے
باعث نہ صرف امتِ اجابت (مؤمنین و مسلمین) بلکہ امتِ دعوت (کفار و مشرکین اور یہود و
نصارئ) سے بھی دنیاوی عذاب اٹھائے گئے۔ یہ عذاب کا اٹھایا جانا کسی خاص وقت اور
زمانے کیلئے نہ تھا بلکہ یہ ابد الابد تک حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کے ساتھ لازم
کر دیا گیا ہے۔ جب تک آپ ﷺ کی نبوت و رسالت موجود رہے گی، اس وقت تک
عذاب الہی نہیں آئے گا اور بلاشبہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک جاری و ساری

رہے گی کیونکہ وَأَنْتَ فِيهِمْ کی برہان قطعی کی بنا پر حضور نبی اکرم ﷺ کا وجود اقدس رحمت الہی کا باعث بن گیا۔ لہذا جب تک وجود مصطفیٰ ﷺ باقی ہے تو خود رب کائنات کی ضمانت پر پہلی امم کی طرح نہ صرف یہ امت بلکہ تمام دنیائے انسانیت عالمگیر عذابوں میں گرفتار نہیں ہوگی۔ پس عذاب الہی اور نوع بشر کے درمیان حضور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ جلیلہ ایک لاک (barrier) بن گیا ہے۔

واسطہ رسالت قبولیت استغفار کیلئے شرط ہے

مذکورہ آیہ کریمہ میں دو وسیلے ہیں: ایک حضور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ ہے اور دوسرا ذکر الہی (استغفار) کا ہے کہ باری تعالیٰ گنہگاروں کو اس وجہ سے بھی عذاب نہیں دیتا۔ گویا کہ استغفار بھی عذاب کوٹالنے کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کا وسیلہ ہونا پہلے بیان کیا اور اپنی بارگاہ میں استغفار کا بعد میں۔ اس ترتیب کا بغور جائزہ لینے سے یہ حکمت سامنے آتی ہے کہ استغفار اور توبہ انہی لوگوں کی قبول ہوگی جو حضور علیہ السلام کے ساتھ متعلق ہیں اور آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں کی استغفار قبول کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ وہ محض آپ ﷺ کی نبوت پر ہی ایمان نہ لائیں بلکہ ایمان لانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی مانیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آج بھی ہم میں موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ جب یہ عقیدہ پختہ ہو جائے گا تو پھر ہمارے توبہ و استغفار سے عذاب ٹل جائے گا۔

کفار و مشرکین کا چیلنج

تعجب خیز امر یہ ہے کہ کفار و مشرکین چیلنج کرتے: اے اللہ! ہم تیرے نازل کردہ قرآن کو نہیں مانتے، اگر یہ قرآن جس کے ہم انکاری ہیں، حق ہے تو ہم پر عذاب نازل

فرما۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے ان کے عذاب کو دعوت دینے کا ذکر کیا ہے:

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا
حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٥﴾

اور جب انہوں نے (طعناً) کہا: اے
اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری طرف
سے حق ہے تو (اس کی نافرمانی کے
باعث) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے
یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔

کفار و مشرکین نے یہ چیلنج قرآن کی حقانیت و صداقت کو پرکھنے کے لیے کیا۔ مگر
اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس سے متصل آیت میں فرمایا کہ اگر میرا محبوب تم میں نہ
ہوتا تو تمہارا غرور و تکبر بھی سابقہ قوموں کی طرح ضرور ختم ہو جاتا۔ اب میری رحمت کو گوارا
نہیں کہ ایک طرف میرا محبوب تم میں موجود ہو اور دوسری طرف تم پر عذاب بھی نازل ہو اس
لئے کہ میں نے اپنے حبیب ﷺ کو سارے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد باری
تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً
لِّلْعَالَمِينَ ﴿٥٥﴾

اور (اے رسول محتشم!) ہم نے آپ کو
نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا
کر۔

یہاں پر خدا تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اس کے حبیب کی شانِ رَحْمَةً
لِّلْعَالَمِينَ اور سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۳۳ میں کیا گیا اس کا اعلان کفار و مشرکین کی
نافرمانی و معصیت کے باوجود ان پر عذاب الہی کے نازل ہونے میں مانع ہے، وگرنہ تاریخ

انسانی گواہ ہے کہ ان جیسے سرکش اور باغی اپنی نافرمانی کے باعث کسی دور میں بھی اس کے عذاب سے محفوظ نہیں رہ سکے اور بالخصوص وہ قومیں جنہوں نے تکبر و غرور کا مظاہرہ کیا اور اس کے عذاب کو دعوت دی تو ان میں سے کسی کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں کی صورت میں ڈھل گئیں، کوئی غرق آب ہوا اور کوئی خوفناک آواز سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ غرضیکہ جیسی انہوں نے نافرمانی کی ویسے ہی عذاب سے انہیں دوچار کر دیا گیا۔

قرآنی جواب

یہ بات قابل توجہ ہے کہ کفار و مشرکین نے اپنی دائمی کفر والی نفسیات کے مطابق جب آیہ مذکورہ میں قرآن کے حق ہونے کو عذابِ حجار اور عذابِ الیم کے نزول سے مشروط کیا تو اس کے جواب میں اس آیت سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس چیلنج کا جواب دیا اور اپنے محبوب ﷺ کی عظمت و رفعت اور شانِ رحمت کو اجاگر کر دیا اور یوں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس دنیوی زندگی میں کفار و مشرکین سے بھی عذاب کے ٹلنے کا وسیلہ بن گئی۔

اس کی تائید سورہ آل عمران سے بھی ہوتی ہے جس میں وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کی ضمانت رشد و ہدایت کا باعث بن جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنْتُمْ تُتْلَىٰ	اور تم (اب) کس طرح کفر کرو گے
عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ	حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر
رَسُولُهُ ط وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ	اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم
هُدًى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٠﴾	میں (خود) اللہ کے رسول موجود ہیں اور

جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ لیتا
ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف
ہدایت کی جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے پہلے یہ بیان ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو کفر کی
طرف لوٹانے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتے رہے جن میں سے ایک سنگین ترین یہ تھا
کہ وہ صبح مسلمان ہو جاتے اور شام کو یہ کہہ کر کافر ہو جاتے کہ ہمیں تو دین اسلام پسند نہیں
آیا۔ اس ذہنیت میں پس پردہ نیت بد اور یہ سازش کار فرما ہوتی کہ کفر کی طرف ہمارا دوبارہ
پلٹنا دیکھ کر ممکن ہے کوئی کمزور عقیدہ مسلمان بھی دوبارہ کفر اختیار کر لے۔ یعنی یہ سوچی سمجھی
اسلام سے بیزار کرنے کی ایک چال تھی جسے باری تعالیٰ نے بے نقاب کر دیا کہ رسول ﷺ
کی موجودگی کے باعث وہ اپنے برے عزائم میں ناکام و خاسر رہیں گے۔ علاوہ ازیں آیہ
کریمہ کے سیاق و سباق کے حوالے سے اہل ایمان کو اطمینان دلاتے ہوئے باری تعالیٰ
نے فرمایا کہ اگر تمہیں کفر کی طرف پلٹنے اور ایمان کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہو تو اس کے
لیے ایک ہی نسخہ ہے اور وہ نسخہ وسیلہ ہے۔ اسے پیش نظر رکھنے اور اختیار کرنے سے کبھی بھی تم
مومن ہونے کے بعد کفر کی طرف نہیں پلٹو گے اور وہ وسیلہ تمسک بالقرآن اور تمسک
بالرسول ﷺ (قرآن اور رسول ﷺ کو تھامے رہنا) ہے۔ یہ دو وسیلے تمہیں حالت ایمان
میں قائم رکھنے کے لیے کافی ہوں گے۔

لطیف نکتہ

اس آیت کریمہ میں عقیدہ رسالت کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔
یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے اندر قرآن موجود ہے بلکہ فرمایا کہ تمہارے اندر رسول ﷺ

موجود ہیں۔ یہ بھی تو فرمایا جاسکتا تھا کہ تم کیسے کافر ہو سکتے ہو حالانکہ تمہارے اندر قرآن بھی ہے اور رسول ﷺ بھی موجود ہیں، مگر یہ انداز بھی اختیار نہیں کیا۔ جب اپنی کتاب کا ذکر کیا تو فرمایا کہ تمہارے اوپر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ خالی کتاب کا ہونا کفر کی طرف پلٹنے سے نہیں بچا سکتا بلکہ کوئی کتاب پڑھ کر سنانے والا بھی ہونا چاہیے اور وہ میرا محبوب ہے جو تمہیں میری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور وہ خود سراپا قرآن ہیں۔ اس لئے قرآن حضور نبی اکرم ﷺ کے فرائض چہارگانہ میں سے تلاوت آیات کے فریضے کو یوں بیان کرتا ہے:

رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ - (اور) ایک ایسا رسول (بھیجا ہے) جو تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے۔

باری تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ قرآن حکیم کا جو بھی فیض ملتا ہے وہ رسول ﷺ کی تلاوت سے ملتا ہے۔ تو قرآن سے تمسک اگر رسول ﷺ کے واسطے سے ہوگا تو فیض ملے گا ورنہ گمراہی تمہارا مقدر بن جائے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ اِيَّكَ هِيَ بَاتِ ذَرْيَعَةٍ بَهِتْ سَ لَوْكُو كُوْ كَرَاهِ تُهْرَاتَا هُے اور بَهِتْ سَ لَوْكُو كُوْ كَرَاهِ تُهْرَاتَا هُے

عجب طرفہ صورت حال ہے کہ وہی قرآن سب کے پاس ہوگا، مگر کچھ لوگ اس سے گمراہی حاصل کریں گے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٠﴾
اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ
لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف
ہدایت کی جاتی ہے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کا دامن کیا ہے؟
اللہ کا دامن رسول مقبول ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ قرآن کی زبان میں حضور
علیہ السلام کی غلامی کا نام الْاِغْتِصَامُ بِاللّٰهِ ہے۔ اللہ کے محبوب کا دامن تھام لیا جائے تو
یہی الْاِغْتِصَامُ بِاللّٰهِ ہے اور پھر جو اللہ کے محبوب ﷺ کی سیرت و اسوہ میں اپنی زندگی کو
ڈھال لیتا ہے تو ہدایت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

دلیل نمبر ۲: صحابہ کرام کی معافی بوسیۃ مصطفیٰ ﷺ

یہ غزوہ احد کا واقعہ ہے کہ جب کچھ صحابہ کرام جن کی حضور ﷺ نے ایک خاص
جگہ (ذَرَّہ) پر ذمہ داری لگائی تھی اور مزید برآں تاکید فرمائی تھی کہ فتح ہو یا شکست تم نے
ہرگز اپنی جگہ نہیں چھوڑنی لیکن ان میں سے کچھ حضرات نے مال غنیمت کے حصول کیلئے ذَرَّہ
کو چھوڑ دیا جس کے باعث کفار و مشرکین مکہ نے پیچھے سے پلٹ کر حملہ کر دیا جس سے لشکر
اسلام میں بھکڑ مچ گئی، انتشار پیدا ہو گیا اور بہت سے صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ حضور علیہ
السلام نے منتشر صحابہ کو اپنی طرف بلایا، بعد ازاں وہ جم کر لڑے اور فتح پائی۔ پھر اگلے دن
جب جنگ احد سے واپس پلٹے تو حضور علیہ السلام نے ایک اور معرکے کی دعوت دے دی،
زخموں سے چور چور اور نڈھال جسم صحابہ کرام دوبارہ جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس
جاثاری پر اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کو ان پر رحم آ گیا۔ باری تعالیٰ نے چاہا کہ احد

والے دن صحابہ کرامؓ سے جو خطائیں ہوئی تھیں مثلاً:

۱۔ مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے درہ چھوڑنا

۲۔ میدان جنگ میں حضور علیہ السلام کو چھوڑ کر چلے جانا

جن سے لشکر اسلام کو بہت نقصان ہوا حتیٰ کہ خود سرور کائنات ﷺ کا چہرہ اقدس زخمی ہو گیا۔ اتنی بڑی ناقابل معافی خطا پر رحمت حقؑ ندائے مصطفیٰ ﷺ پر پہلے معرکے سے فراغت کے فوری بعد دوسرے معرکے کیلئے تیار ہو جانے اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر جانثاری کا مظاہرہ کرنے پر جوش میں آگئی اور صحابہ کرام کی اس عظیم جانثاری پر انہیں معاف کرنے کا ارادہ فرمایا تو اپنے حبیب سے فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ سُوَّآپَ اِن سَے دَرگِزَر فرمایا کریں اور اِن کے لَئے بَخِشش مانگا کریں۔

اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت کی سفارش کی گئی ہے۔ گویا صحابہ کرامؓ کو معافی کا پروانہ اس وقت تک جاری نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے استغفار کا وسیلہ شامل نہ ہو جائے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ باری تعالیٰ اپنی شان جلالت کے مطابق معاف کرنے کا مالک ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس باب میں اس کے ماذون بندے ہیں۔ مالک معاف فرمانا چاہتا ہے اور ماذون سے فرماتا ہے کہ میرے محبوب! میں تیرے صحابہ کو معاف فرمانا چاہتا ہوں پہلے تو انہیں معاف کر اور مجھ سے ان کی معافی کی درخواست کر، تاکہ میں انہیں تیرے کہنے پر معاف کر دوں۔ رب مالک ہو کر بھی اپنے اختیار خاص میں اپنے ماذون بندے کو کیسے اذن دے رہا ہے۔ اسی حقیقت کو اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا

خان نے یوں بیان کیا:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں تیرا میرا
اگر ”تیرا میرا“ کا فرق ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھے بغیر ہی معاف فرما
دیا جاتا۔ لیکن باری تعالیٰ معاف بھی فرمانا چاہتا ہے اور اپنے محبوب کی سفارش کے بغیر
معاف بھی نہیں فرماتا۔ اس لئے کہ

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مفر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

دلیل نمبر ۳: ملتی ہے شفاعت کی خیرات مدینے میں

حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں تو سئل پر قرآن مجید کی یہ آیت
کریمہ بڑی قوی دلیل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
جَاءُواكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَ
اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا
اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿۴۰﴾

اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب
اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی
خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے
معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان
کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس
وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو
توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان

پاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو یہ ہدایت عطا فرمائی ہے کہ جب بھی وہ کوئی گناہ کر بیٹھیں یا ان سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس کی بخشش کیلئے اگر وہ درِ مصطفیٰ ﷺ پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے اس وسیلہ کی بناء پر ان کو معاف فرما دے گا۔ منشاء ایزدی بھی یہی ہے کہ خطا کار اہل ایمان اپنے گناہوں کو بخشوانے کیلئے درِ مصطفیٰ ﷺ پر حاضر ہو جائیں اور ان کا دامن رحمت پکڑ کر ان کے توسل اور وسیلہ سے بارگاہ خداوندی میں التجا کریں۔ پھر جب رسول ﷺ بھی ان کی شفاعت کریں گے تو یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دے گا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں اس آیت کا اطلاق ہوتا تھا اسی طرح بعد از وصال بھی یہ جاری و ساری رہے گا۔ (اسی باب کی فصل سوم میں اس پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔)

دلیل نمبر ۴: توسلِ مصطفیٰ ﷺ سے بینائی لوٹ آنا

آیات بینات کے علاوہ خود نبی اکرم ﷺ کے ارشادات گرامی میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ آپ ﷺ سے آپ کی ظاہری حیات مبارکہ میں توسل کیا گیا بلکہ آپ ﷺ نے خود حکماً فرمایا۔ جیسا کہ حضرت عثمان بن حنیفؓ فرماتے ہیں:

أن رجلاً ضرير البصر أتى	کہ ایک نابینا شخص بارگاہ نبوی میں حاضر
النبي ﷺ، فقال: ادع الله لي	ہوا اور عرض گزار ہوا: (یا رسول اللہ صلی
أن يعافيني. فقال: إن شئت	اللہ علیٰ وسلم!) اللہ تعالیٰ سے دعا
آخرك لك وهو خير، وإن	فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمائے۔

شئت دعوت. فقال: ادعُه
فأمره أن يتوضأ فيحسن
وضوئه، و يُصلي ركعتين، و
يدعو بهذا الدعاء: اللَّهُمَّ! إِنِّي
أَسْأَلُكَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ
بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا
مُحَمَّدُ! إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ
إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ
لِتَقْضِيَ، اللَّهُمَّ! فَشَفِّعْهُ فِيَّ۔ ❀

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تو
چاہے تو میں اس کو موخر کرتا ہوں اور یہ
تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو
دعا کروں۔ اس نے عرض کیا: اس سے
دعا فرمادیجئے۔ پس آپ ﷺ نے اسے
وضو کرنے کا حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر
کے دو رکعت نفل پڑھ پھر یہ دعا کر: اے
اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور
آپ کی طرف آپ کے نبی محمد ﷺ کی
رحمت کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں
آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی
طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری یہ

۸۔ شفاء السقام فی زیارة خیر الانام: ۱۲۳

۹۔ کتاب الأذکار للنووی: ۸۳

۱۰۔ اسد الغابۃ، ۳: ۵۷۱

۱۱۔ تحفۃ الاشراف، ۷: ۲۳۶، رقم: ۶۰۷۹

۱۲۔ البدایۃ والنہایۃ، ۳: ۵۵۸

۱۳۔ الجوہر المنظم لابن حجر: ۶۱

۱۴۔ تحفۃ الذاکرین للشوکانی: ۵-۱۹۴

❀ ۱۔ سنن ابن ماجہ: ۱۰۰

۲۔ جامع الترمذی، ۴: ۱۹۷

۳۔ عمل الیوم والیلۃ للنسائی: ۷۱، رقم:

۹-۶۵۸

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۱۳۸

۵۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۱۶۶

۶۔ المستدرک للحاکم، ۱: ۳۱۳، ۵۱۹

۷۔ صحیح ابن خزيمة، ۲: ۶-۲۲۵، رقم: ۱۲۱۹

حاجت پوری فرما دے۔ اے اللہ! آپ
اپنے نبی کی شفاعت کو میرے حق میں
قبول فرمائیں۔

ابن ماجہ اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جبکہ امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام حاکم کی بیان کردہ ایک اور روایت کے الفاظ ذرا مختلف ہیں جس میں حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا ایک نابینا شخص آیا اس نے اپنی بینائی ختم ہونے کی شکایت کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری رہنمائی کرنے والا کوئی بھی نہیں اور میں سخت مشکل سے دو چار ہوں۔ اس کی بات سننے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْمِضَاةَ فَتَوْضًا، ثُمَّ صَل
رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْ: اللَّهُمَّ! إِنِّي
أَسْأَلُكَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ
بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيِّ
الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ
بِكَ إِلَى رَبِّكَ فَيَجَلِّي لِي عَنْ
بَصَرِي۔ اللَّهُمَّ! شَفِّعْهُ فِيَّ وَ
شَفِّعْنِي فِي نَفْسِي۔ قَالَ
عثمان: فَوَاللَّهِ! مَا تَفَرَّقْنَا وَ لَا
طَالَ بَنَا الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ
الرَّجُلُ وَ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ

وضو کے لیے لوٹا لاؤ پھر وضو کرو اور دو
رکعت نماز پڑھو پھر کہو: اے اللہ! میں تجھ
سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف
تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کے وسیلہ جلیلہ
سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم! میں آپ کے توسل سے
آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں
کہ وہ میری آنکھیں روشن کر دے۔
اے اللہ! تو اپنے نبی کی شفاعت کو
میرے بارے میں اور میری دعا کو بھی
میرے حق میں قبول فرما۔ حضرت عثمان

ضرر قسط۔ ❀

بن حنیف فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم
ابھی مجلس سے اٹھے ہی نہ تھے اور نہ ہی
کوئی طویل گفتگو کی کہ وہ شخص (صحیح
سلامت آنکھوں کے ساتھ) داخل
ہوا، گویا اس کو کوئی اندھا پن تھا ہی نہیں۔

امام حاکم نے اسے امام بخاری کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام
ذہبی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔

❀ المستدرک للحاکم، ۱: ۷۳۶۔

علاوہ ازیں اس صحیح الاسناد حدیث پاک کو جن بڑے بڑے محدثین کرام نے نقل کیا ہے، وہ
مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ امام نسائی نے 'عمل الیوم واللیۃ' میں، ص: ۴۱۸، رقم: ۶۶۰
- ۲۔ امام بخاری نے 'التاریخ الکبیر' میں، ۶: ۱۰-۲۰۹
- ۳۔ امام احمد بن حنبل نے 'مسند' میں، ۴: ۱۳۸
- ۴۔ امام بیہقی نے 'دلائل النبوة' میں، ۶: ۷-۱۶۶
- ۵۔ امام ابن السنی نے 'عمل الیوم واللیۃ' میں، ص: ۲۰۲، رقم: ۶۲۲
- ۶۔ حافظ منذری نے 'الترغیب والترہیب' میں، ۱: ۴-۴۷۳
- ۷۔ علامہ سبکی نے 'شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام' میں، ص: ۴-۱۲۳
- ۸۔ امام ابن کثیر نے 'البدایۃ والنہایۃ' میں، ۴: ۵۵۹
- ۹۔ امام سیوطی نے 'الخصائص الکبریٰ' میں، ۲: ۲۰۱
- ۱۰۔ امام قسطلانی نے 'المواہب اللدنیۃ' میں، ۴: ۵۹۴
- ۱۱۔ امام زرقانی نے 'شرح المواہب اللدنیۃ' (۲: ۱۲-۲۲۱) میں روایت کیا ہے۔
- (نوٹ: اسی موضوع سے متعلق ایک اور حدیث پر بحث اگلی (تیسری) فصل میں ملاحظہ کیجئے۔)

شیخ محمود سعید مدوح اپنی کتاب 'رفع المنارہ' (ص: ۱۲۳) میں اس حدیث کی

تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا إسناد صحيح، و قد
صححه غير واحد من الحفاظ
..... فيهم الترمذی، و
الطبرانی و ابن خزيمة، و
الحاکم و الذہبی۔
یہ تمام سندیں صحیح ہیں جن کو بہت سے
حفاظ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے
..... جن میں سے امام ترمذی، امام
طبرانی، ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی بھی
ہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہی اپنا حاجت روا سمجھ رہا ہے اور دستِ سوال بھی اسی کے آگے دراز کیا جا رہا ہے کہ وہی ناممکن کو ممکن کرنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ دعا کے کلمات خود حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس نے سکھائے جن میں سوال اور توجہ بارگاہ الہی کو بنییک محمد ﷺ نبی الرحمة کے توسل سے قبولیتِ سوال کو یقینی بنانے کیلئے مزین کیا جا رہا ہے۔ توسل میں فقط آپ ﷺ کی ذات اقدس کو ہی وسیلہ نہیں بنایا گیا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی آپ ﷺ کو عطا کردہ شانِ رحمت للعالمین کو بھی وسیلہ بنایا گیا ہے۔ گویا سائل یوں کہہ رہا ہے: باری تعالیٰ! میں تجھے تیرے سب سے زیادہ پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شانِ رحمت للعالمین کا واسطہ دے کر تجھ ہی سے مانگتا ہوں کہ میری ختم ہو جانے والی بینائی کو لوٹا دے اور میری آنکھوں کی ختم ہو جانے والی روشنی کو دوبارہ بحال کر دے۔

دعا چونکہ وسیلہ مصطفیٰ ﷺ سے مانگی گئی تھی اس لیے رب کی رحمت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ کوئی میرے نبی رحمت ﷺ کا وسیلہ دے کر مجھ سے مانگے اور اس کی دعا قبول نہ ہو حتیٰ کہ دعا کی قبولیت کیلئے زیادہ وقت اور عرصہ بھی صرف نہ ہوا اور نہ ہی عالم اسباب حائل ہوا۔

یہ تو سُل مصطفیٰ ﷺ کی برکت تھی جس نے بینائی کو اس طرح فی الفور بحال کر دیا جیسے وہ گئی ہی نہیں تھی۔

دلیل نمبر ۵: حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے نزول

باراں

حضور نبی اکرم ﷺ کے ظاہری حیات مبارکہ میں جب بھی بارش رکتی اور قحط کے آثار پیدا ہوتے تو صحابہ کرامؓ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر بارگاہ خداوندی سے دعا کی التجا کرتے حالانکہ وہ خود بھی دعا کر سکتے تھے۔ اس بات میں تو شک کی گنجائش نہیں کہ وہ ہم سے زیادہ دین کا فہم رکھنے والے تھے مگر وہ جانتے تھے کہ اللہ کے خاص اور عام بندوں میں فرق ہوتا ہے۔ عام بندے کی دعا رد بھی کی جاسکتی ہے لیکن جو بندہ اس کا مقرب بن جائے اور وہ اسے محبوب رکھے تو ایسے بندے کی دعا کو فوری شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں آ کر صحابہ کرام کا ان کے وسیلہ سے دعائیں کرنے میں یہی راز تھا کہ لوگ عبد اور عبدہ کے فرق کو سمجھیں اور اللہ کے مقبول بندوں کے مقام و مرتبے سے آگاہ ہوں۔ چنانچہ جب بھی بارش رکتی اور قحط کا اندیشہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدھے بارگاہ مصطفویٰ ﷺ میں حاضر ہو جاتے اور رحمت خداوند کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرتے جب ان کی دعا کے وسیلہ سے فوری بارش ہو جاتی۔ کتب احادیث میں ایسے ایمان افروز واقعات کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے۔ یہاں ہم ان میں سے بعض کو نقل کرتے ہیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے رحمت خداوند جوش میں آ جاتی ہے اور مجبور محتاج لوگوں پر لطف و عنایات کا سماں پیدا ہو جاتا۔

پہلا واقعہ

جب حضور ﷺ ابھی بچے تھے تو اس دور میں زبردست قحط اور خشک سالی نے عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، لوگ پانی کی ایک ایک بوند کو ترس گئے اور ان کیلئے آسمان کو حسرت بھری نظروں کے ساتھ دیکھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ بھوک سے ان کے جسم نڈھال ہو گئے، آپیں اور حسرتیں آنسوؤں میں ڈھل گئیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا اور آسمان پر ایک بدلی بھی نمودار نہ ہوئی۔ آخر حضرت ابوطالب کو حضور نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے بارش مانگنے کی کارگردہیر سو جھی، چنانچہ حضرت ابوطالب کی قیادت و معیت میں تمام لوگ ایک میدان میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: ”اے پروردگار! اس حسین بچے کے طفیل ہم کو بارش عطا فرما، ہم اس کا وسیلہ تیرے دربار میں پیش کرتے ہیں۔“ آپ نے تین بار اسی طرح کہا اور وہ آسمان جو آگ برسانے کا منظر پیش کر رہا تھا، اچانک ابر آلود ہو گیا۔ ہر طرف گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں اور مینہ برسنے شروع ہو گیا، اتنی زبردست اور موسلا دھار بارش ہوئی کہ چھتوں کے پر نالے منہ زور نالوں کی طرح بہنے لگے۔ ❀

دوسرا واقعہ

اس واقعہ سے تقریباً پینتالیس سال بعد جب خاندان بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں نظر بند کیا گیا تو اس وقت حضرت ابوطالب نے ایک زوردار قصیدہ لکھا، جس میں اس

❀ ۱۔ تاریخ ابن عساکر بحوالہ المواہب اللدنیہ، ۴: ۳۰۲-۳۰۳

۲۔ الروض الانف للسهلی، ۱: ۱۷۹۔

۳۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، ۱۱: ۱۴۳-۱۴۴

واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا اور اہل مکہ کو آگاہ کیا کہ ایسی بابرکت ہستی کو وہ تمہارے سپرد نہیں کریں گے بلکہ ان کے دفاع میں اپنی جان اولاد اور ہر چیز قربان کر دیں گے۔ جو لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اپنی یہ متاع بے بہا ان کے سپرد کر دیں گے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اس ایمان افروز قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے:

و ابيضُ يُستسقى الغمامُ بوجهه
ثمالُ اليتامى عصمةً للأراملِ

(وہ روشن چہرے والے کہ جن کے چہرہ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کے بچاؤ اور بیواؤں کے فریادرس ہیں۔)

حضرت ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں:

مجھے بارہا ابوطالب کا یہی شعر یاد آ جاتا تھا جب میں نبی کریم ﷺ کا چہرہ دیکھتا تھا اور آپ ﷺ بارش کی دعا میں مصروف ہوتے تھے۔ ابھی منبر شریف سے اترتے بھی نہ تھے کہ پرنا لے بہنا شروع ہو جاتے۔

حضرت ابن عمرؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے طلب باران کیلئے اکثر آپ ﷺ کے توسل سے التجائیں کی جاتی تھیں اور آپ ﷺ کی دعا کے وسیلہ سے نزول باران ہو جاتا۔ بخاری شریف میں اس روایت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن دینار نے اپنے والد

سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں

نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ

وہ ابوطالب کا شعر پڑھتے تھے کہ ”وہ

روشن چہرے والے کہ جن کے چہرہ

عن عبد الله بن دينار، عن أبيه

قال: سمعتُ ابنَ عمرَ يتمثلُ

بشعر أبي طالب:

و ابيضُ يُستسقى الغمامُ بوجهه

ثمالُ اليتامى عصمةً للأراملِ

و قال عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا
سَالِمٌ عَنْ أَبِيهِ: وَرَبَّمَا ذَكَرْتُ
قَوْلَ الشَّاعِرِ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى
وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ يُسْتَسْقَى، فَمَا
يَنْزِلُ حَتَّى يَجِيشَ كُلُّ مِزَابٍ:
'وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ' ❀

انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی
ہے جو یتیموں کے فریاد رس اور بیواؤں
کے غمخوار ہیں۔“ عمر بن حمزہ نے کہا:
ہمیں سالم نے اپنے والد (عبداللہ بن
عمر) سے خبر دی کہ میں شاعر کا یہ شعر کبھی
یاد کرتا اور میں نبی
کریم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھتا جبکہ
آپ ﷺ بارش کیلئے دعا فرماتے آپ
ابھی منبر سے نہ اترتے تھے پر نالے
زور سے بہنے لگتے: ”وہ روشن چہرے
والے کہ جن کے چہرہ انور کے وسیلے
سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں
کے فریاد رس اور بیواؤں کے غمخوار
ہیں۔“

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۱: ۱۳۷

۲۔ سنن ابن ماجہ، ۱: ۲۱-۹۱

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۹۳

۴۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۳-۱۲۲

۵۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳: ۳۵۲

البدایۃ والنہایۃ، ۲: ۲۰۷-۲۷۱

تحفۃ الاشراف، ۵: ۳۵۹، رقم: ۶۷۷۵

عمدة القاری، ۷: ۳۱-۲۹

فتح الباری، ۲: ۴۹۴

تیسرا واقعہ

اس ضمن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مختلف روایات منقول ہیں، جن میں سے چند ایک ذیل میں درج ہیں:

۱۔ بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطبُ یومَ الجمعة، إذ جاء رجلٌ فقال: یا رسول اللہ! قحطُ المطر، فادعُ اللہَ أن یسقینا۔ فدعا، فمطرنَا۔ فما کدنا أن نصلَ إلی منازلنا، فما زلنا نمطرُ إلی الجمعةِ المُقبلَةِ۔ قال: فقام ذالک الرجلُ أو غیرُهُ، فقال: یا رسول اللہ! ادع اللہَ أن یصرفه عنا۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللهم! حوالینا ولا علینا۔ قال: فلقد رأیتُ السحابَ یقطعُ یمیناً و شمالاً، یمطرون و لا یمطرُ أهلُ المدینَةِ۔ ❀

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک ایک شخص آگیا اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بارش رک گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب فرمائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہم اپنے گھروں کو بڑی مشکل سے واپس ہوئے یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی آدمی یا کوئی اور کھڑا ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس بارش کو کسی اور جگہ بھیج دے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: یا اللہ تعالیٰ! ہم پر نہیں، بلکہ ہمارے ارد گرد علاقوں پر (بارش) نازل فرما۔ حضرت انس نے

۴۔ البدایہ والنہایہ، ۴: ۳۰۳-۳۰۲

۵۔ فتح الباری، ۲: ۵۰۸

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۱: ۱۳۸

۲۔ صحیح مسلم، ۱: ۴۹۳

۳۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۱۳۰

کہا: میں نے دیکھا کہ فوراً بادل دائیں
بائیں چھٹ گیا، مدینہ منورہ کے سوا گردو
پیش پر برابر بارش ہوتی رہی۔

کہ ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازے
سے مسجد کے اندر داخل ہوا جو منبر شریف
کے سامنے ہے اور رسول اللہ ﷺ
کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ پس
وہ شخص آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا،
پھر اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مویشی
ہلاک اور راستے منقطع ہو گئے ہیں، پس
اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم پر بارش
برسائے۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں
کہ) اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے
دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور (بارگاہِ الہی
میں) عرض گزار ہوئے: اے اللہ! ہم پر
بارش برسنا، اے اللہ! ہم پر بارش برسنا،
اے اللہ! ہم پر بارش برسنا۔ حضرت
انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم آسمان
پر نہ تو بادل، نہ بادل کا کوئی ٹکڑا دیکھتے
تھے اور نہ ہمارے اور سلع (پھاڑ) کے

۲۔ أن رجلاً دخل المسجد
يوم جمعة، من باب كان نحو
دار القضاء، ورسول الله ﷺ
قائم يخطب، فاستقبل رسول
الله ﷺ قائماً، ثم قال: يا
رسول الله! هلكت الأموال، و
انقطعت السبل، فادع الله
يغثنا، فرفع رسول الله ﷺ
يديه، ثم قال: اللهم أغثنا، اللهم
أغثنا، اللهم أغثنا۔ قال أنس:
ولا والله، ما نرى في السماء
من سحاب، ولا قزعة، و ما
بيننا و بين سلع من بيت ولا
دار۔ قال: فطلعت من ورائه
سحابة مثل الترس، فلما
توسطت السماء انتشرت، ثم
أمطرت، فلا والله، ما رأينا

الشمس ستاء، ثم دخل رجل من
 ذلک الباب فی الجمعة.....
 یعنی الثانیة..... و رسول الله
 قائم یخطب، فاستقبله قائما،
 فقال: یا رسول الله! هلکت
 الأموال، و انقطعت السبل،
 فادع الله یمسکها عنا، قال:
 فرفع رسول الله ﷺ یدیه، ثم
 قال: اللهم! حوالینا و لا علینا،
 اللهم! علی الآکام و الطراب، و
 بطون الأدوية و منابت
 الشجر۔ قال: فأقلعت، و
 خرجنا نمشی فی الشمس۔
 قال شریک: فسالت أنس بن
 مالک: أهو الرجل الأول؟
 فقال: ما أدری۔

درمیان کوئی گھریا مکان تھا۔ پھر سلع
 (پہاڑ) کے پیچھے سے کوئی ڈھال کے
 برابر بدلی کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ پس
 جب وہ آسمان کے درمیان آیا تو پھیل
 گیا، پھر بارش ہوئی، خدا کی قسم! ہم نے
 چھ دن تک آسمان پر سورج نہ دیکھا۔
 پھر اگلے جمعہ ایک شخص اسی دروازے
 سے داخل ہوا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ
 کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ وہ
 آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس
 نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مویشی
 ہلاک اور راستے منقطع ہو گئے ہیں۔ پس
 اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر
 بارش روک دے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان
 کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے
 اپنے ہاتھ اٹھائے اور

- ❁ ۱۔ صحیح البخاری، ۱: ۱۰۱، ۱۳۹، ۸۔
 ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۲۵۶۔
 ۳۔ صحیح ابن حبان، ۳: ۳۰۲، رقم: ۹۹۲۔
 ۴۔ مسند ابی یعلیٰ، ۵: ۴۱۶، رقم: ۳۱۰۔
 ۵۔ موطا امام مالک، ۱: ۱۷۹۔
 ۶۔ صحیح مسلم، ۱: ۴۰۳، ۲۹۳۔
 ۷۔ سنن النسائی، ۱: ۲۲۵، ۲۲۴۔
 ۸۔ سنن ابن ماجہ، ۹۱۔

(بارگاہِ الہی) میں عرض گزار ہوئے:
 اے اللہ! (بارش) ہمارے ارد گرد ہو،
 ہم پر نہ ہو۔ اے اللہ! پہاڑوں، ٹیلوں
 اور وادیوں اور درختوں کے اگنے کے
 مقامات پر (بارش) ہو۔ حضرت
 انس ؓ کہتے ہیں کہ بارش منقطع ہوگئی
 اور ہم (مسجد سے) باہر نکلے جبکہ ہم
 دھوپ میں چل رہے تھے۔ شریک نے
 کہا: میں نے انس بن مالک ؓ سے
 پوچھا کہ کیا وہ شخص پہلے والا ہی تھا؟
 انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا۔

ایک مرتبہ عہد رسالت مآب میں
 مدینہ میں قحط پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے
 روز ہمارے درمیان خطبہ ارشاد فرما
 رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر
 عرض کیا: اے اللہ کے رسول! گھوڑے

۳۔ أصاب أهل المدينة قحط
 على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم،
 فبينما هو يخطب يوم الجمعة،
 إذ قام رجل فقال: يا رسول
 الله! هلكت الكراع، هلكت

۱۲۔ شرح السنۃ للبغوی، ۴: ۵، ۴۱۲، رقم: ۷۔

۱۳۔ نصب الرایۃ للزیلعی، ۲: ۹، ۲۳۸۔

۱۴۔ البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۴، ۴۷۲۔

== ۹۔ صحیح ابن خزیمہ، ۳: ۱۲۷، ۱۲۴، رقم

۱۰۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳: ۵، ۳۵۴۔

۱۱۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۴۰، ۱۳۹۔

الشاء، فادع الله يسقينا۔ فمد يديه و دعا، قال أنس: و إن السماء لمثل الزجاجه فهاجت ریح أنشأت سحابا، ثم اجتمع، ثم أرسلت السماء عزاليها، فخرجنا نخوض الماء حتى أتينا منازلنا، فلم نزل نمطر إلى الجمعة الأخرى، فقام إليه ذلك الرجل أو غيره، فقال: يا رسول الله! تهدمت البيوت، فادع الله يحسبه، فتبسم ثم قال: حوا لنا و لا علينا۔ فنظرت إلى السحاب تصدع حول المدينة كأنه اكليل۔ و فی رواية أخرى، قال أنس: یريهم الله كرامة نبيه و إجابة دعوته۔ ❀

اور بکریاں ہلاک ہو گئی ہیں، پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم پر بارش برسائے۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے دستِ اقدس اٹھائے اور دعا فرمائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (اس وقت) آسمان شیشے کی طرح (صاف) تھا، (لیکن حضور پر نور ﷺ کی دعا مبارک سے) فوراً ہوا چلی اور بادل آ گئے، پھر گھنے ہو گئے اور پھر آسمان نے اپنے دہانے کھول دیئے (یعنی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی)۔ ہم وہاں سے نکلے اور (بارش میں بھگتے اور) پانی میں ڈوبتے ہوئے اپنے گھروں تک پہنچے۔ دوسرے جمعہ تک بارش نہ ٹھہری تو اس روز وہی یا کوئی اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! مکانات منہدم ہو گئے ہیں،

پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ یہ سلسلہ رک جائے۔ آپ ﷺ مسکرا دیئے، پھر (بارگاہِ الہی میں) دعا کی: (بارش) ہمارے ارد گرد ہو، ہم پر نہ ہو۔ پس میں نے دیکھا کہ بادل مدینہ کے ارد گرد چھٹ گئے (اور مدینہ المنورہ ایسے ہو گیا کہ) گویا مدینہ کے اوپر کا آسمان تاج ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے نبی ﷺ کی کرامت اور ان کی دعاؤں کی قبولیت دکھاتا ہے۔

چوتھا واقعہ

یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ قحط پڑا۔ ایک روز ایک دیہاتی روتا پیٹتا حضور رحمت مجسم، مشکل کشا آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے لوگوں کی تکالیف و

۱۰۔ صحیح ابن خزیمہ، ۶: ۳-۱۲۵، رقم: ۱۷۸۹

۱۱۔ السنن الکبریٰ للبیہقی،

۳: ۳۵۷، ۳۵۸-۳۵۳

۱۲۔ شرح السنۃ للبیہقی، ۶: ۳-۴۱۵، رقم:

== ۵۔ سنن ابوداؤد، ۱: ۱۷۳

۶۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۲۷۱

۷۔ مسند ابی یعلیٰ، ۶: ۸۲، رقم ۳۳۳۴

۸۔ البدایہ والنہایہ، ۴: ۴۷۴

۹۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۱۴۰

مصائب اور خشک سالی کی حشر سامانیوں اور تباہ کاریوں کا نقشہ جس موثر پیرائے میں بصورت اشعار کھینچا، وہ اس طرح ہے:

”یا رسول اللہ! جن حالات میں ہم آپ کے پاس طلب دعا و مناجات کیلئے آئے ہیں وہ کچھ اس قسم کے ہیں کہ افلاس کے باعث جواں لڑکیاں کام کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں اور محنت و مشقت کی وجہ سے ان کے سینے لہو لہان ہو گئے ہیں اور صورت حال کی سنگینی نے لوگوں کو اس حد تک خود غرض بنا دیا ہے کہ ماں جیسی شفیق ہستی بھی اپنے بچے سے غافل ہو گئی ہے۔ اور بھوک کی ناتوانی نے بچے کو اس حد تک نڈھال کر دیا ہے کہ بے حس و حرکت گرا پڑا ہے اور اس کے منہ سے کوئی تلخ یا شیریں بات نہیں نکل رہی ہے۔ لوگ جو کچھ کھاتے ہیں اس میں سے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو وہ آفت رسیدہ خراب تمر ہے یا پھر خود رو بے کار گھاس۔

و لیس لنا اِلاَّ اِلیک فرارنا

و اَین فرار الناس اِلاَّ اِلی الرسل

(آقا! ہماری بھاگ دوڑ تو صرف آپ ﷺ تک ہے اور لوگوں کی بھاگ دوڑ

رسولوں کے سوا اور کہاں تک ہو سکتی ہے۔)

”حضور نبی کریم ﷺ یہ فریاد سن کر بے قرار ہو گئے اور چادر گھسیٹتے ہوئے منبر

شریف پر جلوہ فرما ہوئے اور بارگاہ خداوندی میں دست دعا پھیلا دیئے:

”یا اللہ! تو بڑا ہی غفور رحیم ہے۔ موسلا دھارا اور لگاتار برسنے والا نفع رساں سحاب

کرم بھیج جو مردہ ڈھانچوں میں زندگی کی روح ڈال دے، پستانوں کو دودھ سے بھر دے اور

زمین کو تازگی بخش دے۔“

”ابھی نبی رحمت ﷺ نے اپنے رخ انور پر ہاتھ بھی نہیں پھیرے تھے کہ بادلوں

کے پڑے ہر طرف چھا گئے ابر کرم کے پہاڑوں نے آفاق کو ڈھانپ لیا اور اس طرح برسا شروع کر دیا جیسے برسائی نالوں کے کشادہ دہانے کھول دیئے گئے ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل تھل ہو گیا اور ہر چیز پانی میں نہا گئی۔ بارش کا تسلسل قائم رہا تا آنکہ گرد و پیش کے لوگ بھاگم بھاگ آئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! کثرت باراں کے باعث ہر چیز غرق ہونے کے قریب ہو گئی ہے جلدی سے دعا کیجئے کہ بارش رک جائے ورنہ پانی سب کچھ بہالے جائے گا۔ پانی سے محروم لوگ اس بارگاہ کرم سے اس طرح سیراب ہوئے کہ اپنی وادیوں اور نہروں کی تنگ دامانی کی شکایت کرنے لگے۔ حضور ﷺ دعا کی فوری قبولیت بارش کے نزول اور اس کی کثرت اور اپنے غلاموں کے متضاد رد عمل کا یہ عجیب منظر دیکھ کر اتنا مسرور ہوئے کہ جانفزا مسکراہٹ سے فضاؤں میں انوار اور نغمے بکھر گئے ہر شے پر بہا آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس خوشی کے عالم میں فرمایا:

لله درّ أبي طالب، لو كان حاضرا
ابو طالب کا بھلا ہوا گروہ یہاں ہوتے تو
لقرت عینا، من ینشدنا شعره؟
یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی
ہوتیں، ہمیں ان کا شعر کون سنائے گا؟

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اپنے محبوب نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر جھوم اٹھے اور عرض کی: شاید آپ یہ شعر سننا پسند فرما رہے ہیں:

و - أبيض يستسقى الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة للأرامل

(وہ روشن چہرے والے کہ جن کے چہرہ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کے بچا اور بیواؤں کے فریادرس ہیں۔)

اتنے میں بنی کنانہ کا ایک شاعر کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنا نذرانہ عقیدت اشعار کی

صورت میں یوں پیش کیا: ”اے اللہ! ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں اور یہ حمد شکر گزار بندوں کی طرف سے ہے کیونکہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے رخ پر نور کے وسیلہ سے بارش عطا کی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی اور ساتھ ہی نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، ایک ساعت نہ گزری تھی کہ ہم نے اس سے بھی پہلے بارش کے موتی دیکھ لیے۔ جس طرح ان کے چچا ابوطالب نے کہا ہے، وہ ویسے ہی خوبصورت اور درخشاں ہیں۔ پس جو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ برکت دیکھتا ہے۔ اور جو ناشکری اور بے قدری کرتا ہے وہ رذی چیز پاتا ہے۔“

حضور ﷺ اس کے ان صادق جذبات کے اظہار سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

ان یکن شاعرٌ احسن، فقد
احسن۔ ❀
اگر شاعر بھی اچھی بات کر سکتے ہیں تو تو
نے بہت اچھی بات کہی ہے۔

پانچواں واقعہ

اسی طرح ایک اور واقعہ کتب سیر و تاریخ میں درج ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ جب غزوہ تبوک سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو نبی فزارہ کے خستہ حال لوگ بارگاہ نبوی میں آئے اور اپنی پسماندگی، غربت اور عدم بارش کی وجہ سے

۶۔ سیرت ابن ہشام، ۱: ۱۸۰۔

❀ ۱۔ عمدۃ القاری، ۷: ۳۱۔

۷۔ المواہب اللدنیۃ، ۴: ۲۷۱۔

۲۔ فتح الباری، ۲: ۴۹۵۔

۸۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ،

۳۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۲۰۱۔

۱۱: ۴۱۔ ۱۳۹۔

۴۔ شفاء السقام، ۸: ۱۳۶۔

۵۔ البدایہ والنہایہ، ۴: ۶۷۵۔

معاشی تباہ حالی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ان پر ترس کیا اور بارگاہ خداوندی میں بارش کے لئے دعا کی جس کے نتیجے میں زوردار بارش ہوئی اور آٹھ روز مسلسل ہوتی رہی۔ اگلے جمعہ کو پھر کسی نے بارش کے تھم جانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے دعا کی: یا اللہ! ہمارے گرد و پیش ہو مگر ہم پر نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔ ❀

خلاصہ کلام

گزشتہ صفحات میں ہم نے حضور نبی کریم ﷺ سے آپ ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ میں وسیلہ بنانے کے حوالے سے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس بات پر تفصیلی روشنی ڈالی کہ آپ ﷺ سے ظاہری حیات مبارکہ میں تو سئل کیا گیا۔ اور نہ صرف کسی ایک خاص معاملے میں بلکہ جملہ دینی اور دنیوی امور میں صحابہ کرام آپ ﷺ کے وسیلہ سے بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے۔ ہماری ذکر کردہ روایات سے ثابت ہوا کہ بیماری، دکھ، تکلیف، ایمان و اسلام، گناہوں کی بخشش، اجتماعی طور پر لوگوں کی معاشی بد حالی و ابتری سے نجات، الغرض تمام دینی و دنیوی حاجات میں آپ ﷺ سے تو سئل کیا گیا اور آپ ﷺ نے بھی لوگوں کے لئے بارگاہ خداوند کریم میں دعائیں کیں۔ کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ہماری بارگاہ میں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس لئے اپنے گھروں میں رہ کر اس سے مانگا کرو بلکہ آپ ﷺ نے آنے والوں کو کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحیح جگہ پہنچنے کی ہدایت و رہنمائی فرمائی ہے اور آپ کی مراد پوری ہو جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ انبیاء و رسل سے تو سئل جائز اور پسندیدہ عمل ہے۔

❀ ۱۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۴۰۶-۱۳۳
 ۲۔ البدایہ والنہایہ، ۴: ۷۰-۷۶
 ۳۔ المواہب اللدنیہ، ۴: ۷۰-۷۹
 ۴۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، ۸: ۱۱-۱۳۳

فصل سوم

بعد از وصال حضور نبی اکرم ﷺ سے

توسل

۱۔ عطاءِ الہی بوسیۃِ مصطفیٰ ﷺ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلًّا نُمِذُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ
عَطَاءِ رَبِّكَ ط وَ مَا كَانَ عَطَاءُ
رَبِّكَ مَحْظُورًا ❀

ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں، ان
(طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ
آخرت) کی بھی۔ (اے حبیبِ مکرم! یہ
سب کچھ) آپ کے رب کی عطا
سے ہے اور آپ کے رب کی عطا
(کسی کیلئے) ممنوع اور بند نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ میں یوں نہیں فرمایا: هَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّهِمْ (یہ سب کچھ
ان کے رب کی عطا سے ہے)، بلکہ فرمایا: هَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ (یہ سب کچھ
آپ کی رب کے عطا سے ہے۔) یعنی عطا تو بے شک رب کی ہے مگر آیت مبارکہ میں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تیرا رب“ کہہ کر دیتا ہوں تاکہ ہر ایک کا دھیان میری عطا کے بعد
تیری طرف رہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ کائنات میں جس کو جو کچھ ملتا ہے وہ وسیلۃِ مصطفیٰ ﷺ سے

ہی ملتا ہے اور ملتا رہے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا:

کسی کو کچھ نہیں ملتا تری عطا کے بغیر
خدا بھی کچھ نہیں دیتا تری رضا کے بغیر

مذکورہ آیہ کریمہ کے پہلے جزو میں اللہ رب العزت نے اپنا نظام ربوبیت بیان فرمایا کہ ہم ہر ایک کو عطا کرتے اور ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔

دوسرے جزو میں فرمایا کہ اے محبوب! ہم یہ اعلان کر دینا چاہتے ہیں کہ جس کو جو کچھ عطا ہوتا ہے اور جس کو بھی نوازا جاتا ہے اور جس پر جو بھی نوازشات و عنایات کی جاتی ہیں، وہ سب کچھ تیرے رب کی عطا ہے۔

عام قاعدہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ مذکورہ آیہ کریمہ میں عَطَاءِ رَبِّکَ کی بجائے عَطَاءِ رَبِّہُمْ ہونا چاہئے تھا کہ بات مخلوق کی ہو رہی ہے اور لوگ اسے اپنا کمال نہ سمجھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ سب کچھ ان کے رب کی عطا سے ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اس آیہ کریمہ میں اس سے ہٹ کر مختلف انداز میں بات کی گئی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ان سب کو معلوم ہو جائے کہ جس کو جتنا عطا ہوتا ہے اور جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اللہ کے محبوب کے رب کی عطا ہے اور اسی کے وسیلے سے ملتا ہے۔ وہ کہیں یہ گمان نہ کرنے لگیں کہ ان کو اپنے کمال اور محنت کی وجہ سے ملتا ہے بلکہ سب کو اللہ کے محبوب کے وسیلے سے عطا ہوتا ہے۔

یہاں ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ان کا رب نہیں جن کی وہ مدد فرماتا ہے؟ ان کا رب بھی تو وہی ہے اور اسی لئے ان کی مدد و نصرت فرماتا ہے اور اگر ان کا رب نہ ہوتا تو پھر وہ انہیں کُلًّا نُمِیْذُ ھُوَ لَاۤءِ کے مصداق نہ ٹھہراتا۔ اگر وہ ان کا بھی رب ہے تو پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ ھُوَ لَاۤءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّکَ کیوں ارشاد

فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں پر یہ نکتہ آشکار ہو جائے کہ یہ عطا کیں تو سب اسی کی ہیں مگر ان سب کو محبوب ﷺ کے رب کے واسطے سے ملتا ہے۔ تو گویا یہ آیت زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے:

کوئی مانے نہ مانے اپنا تو یہ عقیدہ ہے

خدا دیتا ہے لیکن، دیتا ہے صدقہ محمد ﷺ کا

یہ ہمارا عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ صحیح و مستحکم ہے۔ علاوہ ازیں ربِّک کا کلمہ اس حقیقت کو بھی آشکار کر رہا ہے کہ جس طرح رب العالمین ایک ہے اسی طرح اس کا اصل میں مربوب بھی ایک ہی ہے اور وہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس اللہ رب العزت کے سارے فیضانِ ربوبیت کا اجمال ہے اور تمام کائنات اس اجمال (حضور نبی اکرم ﷺ) کی تفصیل ہے۔

ایک تمثیل سے وضاحت

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے: جیسے کوئی شخص باہر سے آئے اور اپنے بچے کے لئے ایک تحفہ لائے لیکن ساتھ اپنے بیٹے کے دوستوں کے لئے بھی تحائف لائے اور پھر یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے کہ باپ اپنے بیٹے کے لئے تحائف لانے کے ساتھ ساتھ اس کے دوستوں کو بھی تحائف سے نوازتا ہے۔ اگر اس امر کے دوام پکڑنے سے اس کے بیٹے کے دوست یہ سمجھنے لگیں کہ شاید یہ ہمارا حق ہے اور ہمیں ہماری ہی کسی خوبی کی وجہ سے تحفوں کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ ان کے اس گمانِ باطل کو دور کرنے کے لئے ایک دن اس لڑکے کا باپ اپنے بیٹے کے دوستوں کو جمع کر کے کہے کہ

بے شک میں تمہیں تحائف دیتا ہوں، مگر ذہن میں رکھ لو کہ تمہیں اس لئے دیتا ہوں کہ تم میرے بیٹے کے دوست ہو اور اگر چاہتے ہو کہ میری داد و دینش کا سلسلہ جاری رہے تو پھر میرے بیٹے کے ساتھ اپنے تعلق دوستی قائم رکھو اور اگر اس تعلق کو توڑ کر اسے درمیان سے ہٹا دو گے تو یہ سلسلہ عطاء بند ہو جائے گا۔

بلا تشبیہ و بلا مثال اس آیہ مبارکہ میں بھی اللہ پاک یہی نکتہ سمجھا رہا ہے کہ بلا شبہ ہر ایک کو ہم ہی نوازتے ہیں، ہر ایک کی ہم ہی مدد کرتے ہیں مگر میرے فیضان ربوبیت کا پہلا مظہر اور میرے لطف و کرم کا پہلا مرکز و محور میرا محبوب ﷺ ہے۔ اس لئے جو کچھ بھی تمہیں دیتا ہوں وہ اس وجہ سے ہے کہ میں رب محمد ﷺ ہوں۔ لہذا ہمہ وقت یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہر عطاء رب محمد ﷺ کی عطا ہے۔ اگر لوگ چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ عطا قائم رہے تو اس دامن کو تھامے رکھیں اس مرکز سے ربط قائم رکھیں۔ اگر یہ ربط قائم رہا تو اس نسبت کے توسل سے سلسلہ عطاء جاری رہے گا۔ جس دن یہ ربط ٹوٹ گیا سمجھ لینا کہ سلسلہ عطا بھی بند ہو گیا۔ پھر در بدر بھٹکتے پھرو گے، گلی گلی خاک چھانتے پھرو گے مگر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پس اس نکتے کو ذہن نشین کر لو کہ دیتا ضرور ہوں لیکن رب محمد ﷺ ہو کر دیتا ہوں۔ گویا کہ یہ نکتہ سمجھایا جا رہا ہے کہ عطاء اللہ تعالیٰ کی ہے مگر مرکز تقسیم مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔

علیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے اسی نکتہ کو کیا خوب انداز سے اجاگر کیا ہے:

بخدا! خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مقر مقر

جو وہاں سے ہو، یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں، تو وہاں نہیں

اس آیہ کریمہ پر غور کرنے سے ایک اور لطیف نکتہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ

هٰذَا مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ میں اللہ رب العزت اپنی ربوبیت کا اظہار نسبت نبوت کے

ذریعے کر رہا ہے اور یہ نکتہ بھی واضح رہے کہ رب تعالیٰ نسبتوں کا محتاج نہیں۔ وہ شانِ صمدیت کا مالک ہے، وہ بے نیاز ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ربوبیت کو نسبتِ نبوت سے متعارف کر رہا ہے۔ اس سے منشاءً ایزدی یہ ہے کہ لوگ اللہ کو رب مانیں، اللہ کی ربوبیت پر ایمان لائیں مگر براہِ راست اپنے ذرائع سے اور اپنے مساعی سے رب کو رب ماننے کی بجائے اسے رب محمد ﷺ سمجھ کر مانیں کیونکہ اس نسبت کے علاوہ معرفتِ خداوندی کا حصول ممکن ہی نہیں ہے۔

ربوبیت کی قسم بذریعہ نبوت

قرآن مجید میں جن جن مقامات پر اللہ رب العزت نے اپنی ربوبیت کا اظہار فرمایا، اسے نسبتِ نبوت کے ذریعے بیان کیا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ
بَيْنَهُمْ۔

پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی
قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں
تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے
والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم
بنالیں۔

یہاں رب العزت نے اپنی ربوبیت کی قسم حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے کھائی۔ وَرَبِّكَ کے اندازِ بیان میں مضمراً ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ محبوب! میں رب تو ہر ایک کا ہوں لیکن جو لطف تیرا رب ہونے میں ہے وہ کسی اور کا رب ہونے میں نہیں۔ صحبتِ رسول ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام ؓ پر ہونے والی نوازشات پر

نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ کو پر ہونے والی عطاؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے **مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ** کی ہی جلوہ گری تھی۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال فرمائے تو چودہ صدیاں گزر گئیں تو کیا آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط اور نسبت سے ملتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ عالم الغیب ہے۔ عندہ مفاتیح الغیب کی شان کا مالک ہے وہ تو ہر بات کو حیطہ خیال میں آنے سے بھی پہلے جانتا ہے۔ اس نے اس سوال کا جواب بھی دے دیا اور فرمایا کہ جو پہلے گزرے ہیں وہ بھی جان لیں کہ انہیں جو کچھ ملا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عطا تھی۔ اور اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ظاہری حیات سے پردہ فرما جانے کے بعد قیامت تک جتنی نسلیں بھی امت مسلمہ کی آئیں گی، جتنے طبقات اور مختلف زمانوں میں جتنے لوگ آئیں گے، ان کو بھی اسی بارگاہ سے ملے گا :

وَ مَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ اور آپ کے رب کی عطا (کسی کیلئے)
مَحْظُورًا ○ ممنوع اور بند نہیں ہے۔

یہاں پر اللہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ جس طرح گزرے ہوؤں کو تیرے رب کی عطا سے ملا، آنے والوں پر بھی قیامت تک تیرے رب کی عطا کا دروازہ اسی طرح کھلا رہے گا۔ گویا جو نسلیں گزر گئیں ان پر بھی اللہ کی عطا کی نسبت نبوت سے ہوئیں اور قیامت تک امت مسلمہ کی جتنی نسلیں آنے والی ہیں ان پر اللہ کی عطاؤں اور عنایات کی جو برسات ہوگی، جس کو بھی اور جہاں بھی جو کچھ ملے گا نسبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے گا۔

آج اگر ہم ایمان کی شمع روشن کرنا اور ایمان کی لذت و حلاوت پانا چاہتے

ہیں تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ تعلق باللہ کو مضبوط تر کر لیا جائے۔ اس لئے کہ جس طرح پہلے لوگوں نے اللہ کی عطا کو نسبت محمدی ﷺ سے پایا ہے، ہم بھی رب کی عطا کو نسبت مصطفوی ﷺ کے حوالے سے یقینی طور پر جاری و ساری رکھ سکتے ہیں اور اسی نسبت کا استحکام ہمارے سینوں میں ایمانی شمعوں کو روشن رکھے گا۔

یہ آیہ کریمہ اس تصور کو بھی واضح کر رہی ہے کہ ایمان کا مرکز نسبت و ربط رسالت کی استواری ہے اور اسی سے اللہ کی عطاؤں کا سلسلہ قائم رہتا ہے، تعلق باللہ کی بنیاد نسبت و تعلق بالرسالت ہی ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد **مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ** لوگوں کو یہ باور کر رہا ہے کہ عطا بے شک میری ہوتی ہے خواہ وہ دولت ایمان ہو، دولت عمل ہو، دولت اخلاص ہو، دولت قال ہو، دولت حال ہو اور خواہ وہ دولت عرفان و ایقان ہو۔ یاد رکھو جو کچھ بھی میری بارگاہ سے ملتا ہے وہ نسبت نبوت اور ربط رسالت سے ہی ملتا ہے۔

یہ ارشاد ربانی توحید و رسالت کے باہمی تعلق کو بھی آشکار کر رہا ہے۔ یعنی اگر انسان ربط رسالت کو مضبوط کرے تو اللہ کی بندگی کا تعلق بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ بنا بریں اس ربط اور اللہ کے ساتھ ربط میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ربط رسالت نصیب ہو جائے تو سمجھ لیں کہ تعلق بندگی نصیب ہو گیا۔ اس لئے کہ بندگی کا خمیر اسی ربط رسالت سے اٹھتا ہے، خدا کی معرفت کا تصور اسی نسبت نبوت سے جنم لیتا ہے اور اللہ کی عبدیت کا کمال اسی نسبت سے نمود پاتا ہے۔

بے شک رب تعالیٰ کی ذات اور رسول ﷺ کی ذات، اپنی ذات کے حوالے سے جدا جدا ہیں۔ اس لئے کہ وہ خالق ہے اور یہ مخلوق، وہ رب ہے اور یہ مربوب، وہ مُرسِل ہے اور یہ مُرسَل، اللہ تعالیٰ معطی ہے تو آپ ﷺ عطاؤں کا محل ہیں۔ اس میں

کوئی شک نہیں کہ وہ ذات خالق ہونے کے حوالے سے اور ہے اور یہ ذات مخلوق ہونے کے ناطے سے دو جداگانہ وجود (entities) ہیں مگر ایمان کے باب میں قرآن مجید ہمیں جو قاعدہ سمجھا رہا ہے وہ یہ کہ ذات کا فرق ضرور ہے لیکن جہاں تک معرفت، قرب و وصال، اطاعت اور نعمتوں کی عطا کا تعلق ہے دونوں میں کوئی فرق اور بعد نہیں۔ اور بقول اعلیٰ حضرت:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبت میں نہیں تیرا میرا

۲۔ مغفرت بوسیہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ جل شانہ کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کا مقام و مرتبہ بڑا ہی عظیم ہے۔ آپ ﷺ کی عظمت و عالی مرتبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں آپ ﷺ سے تو سئل جائز تھا اسی طرح بعد از وصال بھی مشروع ہے۔ کوئی شرعی و عقلی دلیل ایسی نہیں جو بعد از وصال آپ ﷺ سے تو سئل پر مانع ہو۔ قابل فہم بات یہ ہے کہ جب ہم اپنے اعمال کو بارگاہ ایزدی میں وسیلہ بنانا جائز سمجھتے ہیں تو پھر نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو بارگاہ الہی میں بطور وسیلہ پیش کرنا بطریق اولیٰ جائز امر ہے کیونکہ ہم آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ پر عمل کرتے ہوئے جو نیک اعمال کرتے ہیں وہ سنت رسول کہلاتے ہیں۔ جب سنت سے تو سئل جائز ہوا تو اس ذات سے کیوں جائز نہیں جنہوں نے ہمیں یہ سنت عطا کی ہے۔ آپ ﷺ بلاشبہ تمام مخلوقات میں سے افضل ترین ہیں اور ہمیں نیک اعمال کی ہدایت بھی تو آپ ﷺ کے وسیلہ سے نصیب ہوئی ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ ہمارے نزدیک صحیح عقیدہ یہی ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کی ذات گرامی یا دیگر نیک اعمال کو یا اللہ کے محبوب اولیاء اور صالحین کو وسیلہ بناتے ہیں تو ان تمام صورتوں میں ہم ہرگز ان کو اللہ کا شریک اور برابر نہیں سمجھتے۔ اعمال و ذات تو صرف متوسل بہ ہیں جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ متوسل الیہ ہے۔ وہ ذات وحدہ لا شریک ہے اور کوئی رسول یا نبی، ولی اور کوئی زندہ یا مردہ اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات میں۔ وسیلہ کی تمام صورتوں میں متوسل الیہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ہر کسی کی دعا و پکار کو براہ راست سن لے اور وسیلہ کے بغیر بھی دعا قبول فرمائے مگر وسیلہ سے قبولیت کی امید بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے ان پاک ہستیوں کا وسیلہ پکڑ کر فی الواقع اسی سے دعا کرتے ہیں اور اسی کو پکارتے ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ وہ ذات ستودہ صفات اپنی مخلوق میں سے محبوب ترین مخلوق اور پسندیدہ اعمال کے وسیلہ سے ہماری دعاؤں کو ضرور شرف قبولیت سے نوازے گا اور ہماری مشکلات و پریشانیوں کو دور کریگا اور ہماری حاجات پوری فرمائے گا۔ سورہ نساء میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٢٢٢﴾

اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء

پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا

نہایت مہربان پاتے۔

اس آیت کریمہ کو فقط حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ پر محمول کرنا جیسا کہ بعض لوگوں کا نظریہ ہے..... نص قرآنی کا غلط اطلاق ہوگا اور قرآن فہمی سے نا آشنائی کی دلیل ہوگی۔ مفسرین و محدثین نے ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے تو سئل کو مطلق قرار دیا ہے۔

امام حافظ عماد الدین ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

(اس آیت کریمہ میں) اللہ تعالیٰ عاصیوں اور خطاکاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جب ان سے خطا و گناہ سرزد ہو جائیں تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر خدا تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ ہمارے لئے دعا کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع کرے گا، انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اس لئے لَوْ جَدُّوا اللہ تَوَابًا رَّحِيمًا کہا۔ یہ روایت بہت سوں نے بیان کی ہے جن میں سے ابو	يُرْشِدُ تَعَالَى الْعَصَاةَ وَ الْمَذْنِبِينَ إِذَا وَقَعَ مِنْهُمْ الْخَطَاءُ وَ الْعَصِيَانِ أَنْ يَأْتُوا إِلَى الرَّسُولِ ﷺ، فَيَسْتَغْفِرُوا اللَّهَ عِنْدَهُ وَ يَسْأَلُوهُ أَنْ يَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّهُمْ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَ رَحِمَهُمْ وَ غَفَرَ لَهُمْ، وَ لِهَذَا قَالَ: ﴿لَوْ جَدُّوا اللَّهَ تَوَابًا رَّحِيمًا﴾ وَ قَدْ ذَكَرَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ الشَّيْخُ أَبُو مَنْصُورٍ الصَّبَّاحُ فِي كِتَابِهِ الشَّامِلِ الْحِكَايَةَ الْمَشْهُورَةَ عَنْ الْعَتَبِيِّ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ

فجاء أعرابی، فقال: السلام
 عليك يا رسول الله! سمعتُ
 يقول: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا
 أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
 اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
 لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ و قد
 جئتک مستغفراً لذنبی
 مستشفعاً بک الی ربی۔ ثم
 أنشأ يقول:

‘يا خير من دفنت بالقاع أعظمه
 فطاب من طيبن القاع والأکم
 نفسی الفداء لقبر أنت ساکنه
 فيه العفاف وفيه الجود والکرم’
 ثم انصرف الأعرابی فغلبتني
 عینی، فرأيت النبی ﷺ فی
 النوم، فقال: يا عتبی الحق
 الأعرابی، فبشره أن الله قد
 غفر له۔ ❀

منصور صباغ نے اپنی کتاب
 ”الحکایات المشہورہ“ میں لکھا ہے کہ
 عقی کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کی
 قبر انور کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک
 اعرابی (دیہاتی) آیا اور اس نے کہا:
 السلام علیک یا رسول اللہ! میں
 نے سنا ہے کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:
 ”اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ
 جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے
 آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے
 اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول
 (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت
 طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور
 شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ
 قبول فرمانے والا نہایت مہربان
 پاتے۔“ میں آپ کی خدمت میں
 اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہوا اور
 آپ کو اپنے رب کے سامنے اپنا
 سفارشی بناتا ہوا حاضر ہوا ہوں۔

پھر اس نے یہ اشعار پڑھے: ”اے
مدفون لوگوں میں سب سے بہتر جن کی
وجہ سے میدان اور ٹیلے اچھے ہو گئے،
میری جان قربان اس قبر پر جس میں
آپ ﷺ رونق افروز ہیں، جس میں
عفاف و جود و کرم ہے۔“ پھر اعرابی تو
لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی، میں نے
خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت
کی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:
”تھی! جا، اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ
اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف
فرمادیے۔“ ❀

❀ اعرابی کا مذکورہ بالا مشہور واقعہ درج ذیل کتب میں بھی بیان کیا گیا ہے:

- ۱۔ شعب الایمان للبیہقی، ۶: ۳-۴۹۵، رقم: ۴۱۷۸
- ۲۔ المغنی لابن محمد بن قدامہ، ۳: ۵۵۷
- ۳۔ کتاب الاذکار للنووی، ۳: ۹۲
- ۴۔ تاریخ ابن عساکر بحوالہ شفاء السقام فی زیارة خیر الانام: ۴۶
- ۵۔ شفاء السقام فی زیارة خیر الانام: ۷-۴۶
- ۶۔ الجوہر المنظم: ۵۱

اس کے علاوہ تمام مذاہب کے اجل ائمہ و علماء کا بھی کی روایت کے مطابق ==

آیت کریمہ کے الفاظ جَاءُ وَكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ گناہ گاروں اور خطا کاروں کو نبی کریم ﷺ کے توسّل سے اللہ کی بارگاہ سے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ سے حضور ﷺ کی شفاعت کا ثبوت ملتا ہے۔ لَوْجَدُوا اللّٰهَ تَوَابًا رَّحِيمًا میں توسّل کا ثبوت اس طرح ہے کہ اس کو بطور شرط عائد کیا کہ رسول ﷺ کے وسیلے سے مغفرت طلب کرو۔ لہذا واضح ہو گیا کہ جب رسول ﷺ نے امتی کے لئے عمل استغفار کیا تو یہ شفاعت ہی تو ہے اور اس شفاعت سے بخشش کا مل جانا وسیلہ ہو گیا۔

وہ لوگ جو وسیلہ اور شفاعت کو مختلف چیزیں سمجھتے ہیں انہیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ جب شفاعت کے منصب پر حضور ﷺ کا فائز ہونا آپ ﷺ کا حق ہے جبکہ امتی کے حق میں یہی وسیلہ ہے۔

علاوہ ازیں عمدۃ المفسرین امام قرطبی نے اپنی معروف تفسیر ”الجامع لأحكام القرآن“ (۶:۵-۲۶۵) میں عقی کی روایت سے ملتا جلتا دوسرا واقعہ یوں بیان کیا ہے:

”ابو صادق نے علی سے روایت کیا ہے کہ ہمارے سامنے ایک دیہاتی حضور ﷺ کی تدفین کے تین دن بعد آیا اور اس نے اپنے آپ کو نبی ﷺ کی قبر مبارک کے قریب زمیں بوس کیا، اس کی مٹی اپنے اوپر ڈالی اور پھر کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا اور ہم نے آپ کا قول مبارک سنا ہے، آپ نے اللہ سے احکامات لیے اور ہم نے آپ سے احکام لیے اور انہی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: وَ لَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ (تحقیق میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے آپ میرے لیے

== دیہاتی کا روضہ رسول ﷺ پر آ کر مغفرت طلب کرنا ان کی کتابوں میں زیارۃ روضہ رسول ﷺ یا مناسک حج کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔

استغفار فرمادیں۔) اس اعرابی کی التجاء پر اسے قبر سے ندا دی گئی:
 انه قد غفر لك۔ بیشک تمہاری مغفرت ہو گئی ہے۔

شیخ محمد بن علوی المالکی کا ایمان افروز تبصرہ

علامہ سید محمد بن علوی المالکی نے بھی اپنی تصنیف لطیف ”مفہیم محجب ان
 تصحیح (۸-۱۵۷)“ میں یہ دونوں واقعات نقل کیے ہیں اور بعد ازاں ان پر بڑا ایمان
 افروز تبصرہ کیا ہے جس کا نقل کرنا یہاں خالی از فائدہ نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”تتبی کی روایت امام نوویؒ نے اپنی معروف کتاب ”الایضاح“ کے چھٹے
 باب میں، شیخ ابو الفرج بن قدامہ نے اپنی تصنیف ”الشرح الکبیر (۳: ۴۹۵)“ میں اور
 شیخ منصور بن یونس البہوتی نے اپنی کتاب ”کشاف القناع (۵: ۳۰)“، جو مذہب حنبلی
 کی مشہور کتاب ہے، میں نقل کی ہے۔“

اس کے بعد علامہ مالکی صاحب اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:
 ”سند کے اعتبار سے یہ روایت صحیح ہو یا ضعیف، بہر حال اس پر اکابر محدثین
 نے اعتماد کیا ہے۔ ہم تو یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ان اکابرین (محدثین و مفسرین کرام)
 نے کفر اور گمراہی کو نقل کیا ہے؟ یا انہوں نے وہ بات نقل کی ہے جو بت پرستی یا قبر پرستی
 کی دعوت دیتی ہے؟ (معاذ اللہ) اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو پھر کس کو اور کس کتاب کو ثقہ
 اور معتبر کہا جائے گا؟“

۳۔ بعد از وصال حضور نبی اکرم ﷺ کے استغفار سے

توسل

حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد نے تمام اشکالات و احتمالات کا خاتمہ کر دیا ہے اور ایک مسلمان کو شرح صدر کی دولت عطا کر دی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا اور استغفار امت کے حق میں جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں قابل اطلاق تھی، اسی طرح بعد از وصال بھی آپ ﷺ کا یہ عمل اسی طرح جاری رہے گا اور اس میں کسی بھی لمحہ انقطاع ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حیاتی خیر لکم تُحدِثون و	میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے
تحدث لکم، و وفاتی خیر لکم	کیونکہ تم حدیثیں سنتے سنا تے ہو اور
تعرض علی أعمالکم، فما	میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے
رأیت من خیر حمدت اللہ	کیونکہ (میری قبر میں) تمہارے اعمال
علیہ، و ما رأیت من شر	میرے سامنے پیش ہوا کریں گے۔
استغفرت اللہ لکم۔ ❀	چنانچہ اگر نیکیاں دیکھوں گا تو

❀ مجمع الزوائد، ۹: ۲۴۰

امام ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث بزار نے روایت کی ہے اور اس کے تمام رجال صحیح ہیں۔ جبکہ امام دین الدین ابو الفضل العراقي نے بھی اپنی کتاب ”طرح التثریب فی شرح التثریب (۳: ۲۹۷)“ میں اس روایت کی اسناد کو صحیح قرار دیا۔ ابن سعد نے ”الطبقات الکبریٰ (۲: ۱۹۴)“ میں روایت کی ہے۔ ==

اللہ کا شکر بجا لایا کروں گا، اور اگر
برائیاں دیکھوں گا تو تمہارے لئے اللہ
سے استغفار کیا کروں گا۔

۴۔ توسل مصطفیٰ ﷺ سے بارش کا نزول

امام دارمی، ابوالجوزاء اوس بن عبد اللہ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کرتے
ہیں:

فقط أهل المدينة فقط
شديدًا فشكوا الى عائشة،
فقلت: انظروا قبر النبي ﷺ
مدينة کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے
تو انہوں نے حضرت عائشہ سے (اپنی
دگرگوں حالت کی) شکایت کی۔ آپ

== قاضی عیاضؒ نے ”الشفاء (۱۹:۱)“ میں یہ حدیث بیان کی ہے اور امام جلال الدین
سیوطیؒ نے ”الخصائص الکبریٰ (۲۸۱:۲)“ اور ”مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء
(ص: ۳)“ میں یہ روایت ذکر کر کے لکھا ہے کہ ابن ابی اسامہ نے اپنی ”مسند“ میں بکر
بن عبد اللہ المزنی اور بزار نے اپنی ”مسند“ میں عبد اللہ بن مسعود سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ
روایت بیان کی ہے۔ اس بات کی تائید علامہ خفاجیؒ اور ملا علی قاریؒ نے ”الشفاء“ کی
شروحات ”نسیم الریاض (۱۰۲:۱)“ اور شرح الشفاء لملا علی قاری (۳۶:۱)“ میں بالترتیب کی
ہے۔ محدث ابن الجوزی نے بکر بن عبد اللہ اور انس بن مالک ص سے یہ روایت ”الوفاء
باحوال المصطفیٰ (۸۰۹-۱۰:۲)“ میں بیان کیا ہے۔ علامہ تقی الدین سبکی نے یہ حدیث
”شفاء السقام فی زیارة خیر الانام (ص: ۳۳)“ میں بکر بن عبد اللہ المزنی سے روایت کی
ہے اور احمد بن عبد البہادی نے ”الصارم المنکی (ص: ۷-۲۶۶)“ میں کہا ہے کہ اس کی
اسناد صحیح ہیں اور بکر ثقہ تابعین میں سے ہے۔ بزار کی روایت امام ابن کثیر نے بھی ”البدایہ
والنہایہ (۲۵۷:۴)“ میں نقل کی ہے۔

فاجعلوا منه كواً إلى السماء،
حتى لا يكون بينه و بين
السماء سقف، قال: ففعلوا
فمطروا مطراً حتى نبت
العشب، و سمت الإبل حتى
تفتقت من الشحم، فسمى عام
الفتق۔ ❦

نے فرمایا: حضور کی قبر مبارک کے پاس
جاؤ اور اس سے ایک کھڑکی آسمان کی
طرف اس طرح کھولو کہ قبر انور اور
آسمان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ
رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے
ایسا ہی کیا۔ پس بہت زیادہ بارش ہوئی
حتیٰ کہ خوب سبزہ اگ آیا اور اونٹ
اتنے موٹے ہو گئے کہ (محسوس ہوتا
تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں
گئے۔ لہذا اُس سال کا نام ہی 'عام
الفتق' (سبزہ و کشادگی کا سال) رکھ دیا
گیا۔

قبر مصطفیٰ ﷺ کے توٹل سے اہل مدینہ پر طاری شدید قحط ختم ہو گیا، اور
موسلا دھار بارش نے ہر طرف بہار کا سماں پیدا کر دیا۔ جہاں انسانوں کو غذا ملی وہاں
جانوروں کو چاراملا، توٹل مصطفیٰ ﷺ کی وجہ ہونے والی اس بارش نے اہل مدینہ کو
اتنا پر بہار بنا دیا کہ انہوں نے اس پورے سال کو عام الفتق (سبزہ اور کشادگی کا سال)
کے نام سے یاد کیا۔

۴۔ المواہب اللدنیہ، ۲: ۶۷۶

۵۔ شرح الزرقانی، ۱۱: ۱۵۰

❦ ۱۔ سنن الدارمی، ۱: ۴۳، رقم: ۹۳

۲۔ الوفاء باحوال المصطفیٰ، ۲: ۸۰۱

۳۔ شفاء القمام: ۱۲۸

ایک یہ ہے کہ اس کی سند کمزور ہے، لہذا یہ روایت بطور دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔
اس حدیث کی سند یہ ہے:

”ابو نعمان نے سعید بن زید سے، اس نے عمرو بن مالک سے اور اس نے ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ سے روایت کی ہے۔“

ذیل میں ان راویوں پر کئے جانے والے اعتراضات اور ان کا رد پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابو نعمان عارم کا نام محمد بن الفضل سدوسی تھا۔ اس پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ وہ دراصل قابل اعتماد راوی تھا جیسا کہ امام ذہبی ’میزان الاعتدال (۷: ۷۷)‘ میں رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں: ”وہ امام بخاری کا شیخ اور حدیثیں یاد رکھنے والا، انتہائی راست باز تھا۔“ لیکن عمر کے آخری حصے میں مختلط ہو گیا۔ محدث برہان الدین حلبی اپنی کتاب ’المقدمہ‘ میں اسے ان راویوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جو اواخر عمر میں مختلط ہو گئے۔ امام حلبی کہتے ہیں: ”ایسے راویوں کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر لوگ ان کے اختلاط سے قبل کی روایات لیں تو وہ قبول کی جائیں گی جبکہ اختلاط کے بعد کی روایات قبول نہیں کی جائیں گی۔ اور اگر ایسے لوگ روایات لیں جن کے بارے میں ہم یہ نہیں جانتے کہ انہوں نے اختلاط سے پہلے روایت لی ہے یا بعد میں، تو وہ روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی۔“ معترضین کا کہنا ہے کہ چونکہ ہم نہیں جانتے کہ یہ روایت ابو نعمان نے اپنی یادداشت کے اختلاط سے پہلے بیان کی ہے یا بعد میں، لہذا یہ روایت بطور استشہاد نہیں لی جاسکتی۔

یہ اعتراض درحقیقت بے وقعت اور غیر معتبر ہے کیونکہ جو کچھ ابو نعمان کی روایت سے آگے بیان کیا گیا ہے، اس کے اختلاط نے اس کو متاثر نہیں کیا۔ جیسا کہ

امام ذہبی 'میزان الاعتدال' (۸:۴) میں لکھتے ہیں: "امام دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ عمر کے آخری حصے میں مختلط ہو گیا لیکن اختلاط کے بعد کوئی منکر حدیث اس سے ظاہر نہیں ہوئی اور وہ ثقہ راوی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ اس حافظ عصر کا قول ہے کہ جن جیسا عبقری امام نسائی کے بعد کوئی نہیں آیا۔" ابن حبان کا کہنا ہے کہ اختلاط کے بعد ابو نعمان کی روایات میں بہت سی مناکیر واقع ہوئی ہیں۔ امام ذہبی نے اس قول کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن حبان کوئی ایک بھی منکر حدیث بطور حوالہ پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں اور حقیقت وہی ہے جو امام دارقطنی نے بیان کی ہے۔

حافظ عراقی نے 'التقید والایضاح' (ص: ۴۶۱) میں اقرار کیا ہے کہ امام ذہبی نے ابن حبان کے اس قول کا رد کیا ہے۔ امام ذہبی نے 'الکاشف' (۷۹:۳) میں وضاحت کی ہے کہ تغیر موت سے پہلے واقع ہوا مگر پھر اس نے حدیث روایت نہیں کی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی 'تقریب التہذیب' (۲: ۲۰۰) میں فرماتے ہیں کہ ابو نعمان کا ثقہ ہونا ثابت ہے اور اواخر عمر میں تغیر واقع ہوا۔

شیخ محمد بن علوی مالکی 'شفاء القواد بزیارة خیر العباد' (ص: ۱۵۲) میں لکھتے ہیں: "ابو نعمان کا اختلاط اس کے لیے نقصان دہ ہے اور نہ ہی اس کی ثقاہت پر طعن کا سبب ہے کیونکہ امام بخاری نے 'اصح' میں ایک سو (۱۰۰) سے زیادہ روایات اس سے لی ہیں اور اس کے اختلاط کے بعد اس سے کوئی روایت نہیں لی گئی جیسا کہ امام دارقطنی نے کہا ہے۔"

امام بخاری کے علاوہ امام احمد بن حنبل، عبد اللہ بن محمد مسندی، ابن ابو خاتم رازی اور ابو علی محمد بن احمد بن خالد زریقی نے بھی ابو نعمان کے اختلاط سے قبل اس سے روایات سنی ہیں۔ (التقید والایضاح: ۴۶۲)

امام دارمی اجل حفاظ حدیث اور امام بخاری و ذہلی کے شیوخ میں سے ہیں۔
لہذا یہ ناممکن ہے کہ وہ ابو نعمان کے اختلاط کے بعد اس سے روایت لیں۔

۲۔ سعید بن زید ابوالحسن بصری جو کہ حماد بن زید کا بھائی ہے، پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ کسی حد تک ضعیف ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے بارے میں ’تقریب التہذیب (۲۹۶:۱)‘ میں کہا ہے: ”صدوق لہ اوہام“ یعنی ہے تو انتہائی راستباز لیکن بعض اوقات غلطی کر جاتا ہے۔ امام ذہبی ’میزان الاعتدال (۱۳۸:۲)‘ میں لکھتے ہیں: ”یحییٰ بن سعید نے اسے ضعیف کہا ہے، سعدی کا کہنا ہے کہ وہ حجت نہیں بلکہ اس کی احادیث ضعیف ہیں اور امام نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے۔“

معتزین و منکرین تو شل کا صرف مذکورہ بیانات کا حوالہ دینا جزوی اور تعصب پر مبنی ہے اور ان کی دلیل صرف اپنے تصورات کے مطابق ہے۔ ذیل میں اس اعتراض کا تفصیل وار جواب دیا جاتا ہے:

امام ذہبی ’الکاشف (۲۸۶:۱)‘ میں لکھتے ہیں کہ سعید بن زید پر ضعف کا الزام لگانا صحیح نہیں کیونکہ امام مسلم نے اس سے روایات لی ہیں اور ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مفصل بیان کیا ہے:

”امام بخاری نے کہا کہ مسلم بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ سعید بن زید

ابوالحسن ’صدوق (انتہائی راست باز)‘ اور ’حافظ‘ ہے۔

”امام دوری نے ابن معین سے روایت کیا کہ سعید بن زید ثقہ راوی ہے۔“

”ابن سعد نے اسے ثقہ راوی کہا ہے۔ ❀

”امام عجل نے کہا کہ وہ بصرہ سے تعلق رکھتا ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔

”ابوزرعة نے کہا کہ میں نے سلیمان بن حرب کو کہتے سنا کہ سعید بن زید ثقہ

ہے۔

”ابوجعفر دارمی نے کہا: حبان بن ہلال نے ہم سے بیان کیا کہ سعید بن زید

نے ہمیں روایت بیان کی اور وہ صدوق و حافظ ہے۔

”ابن عدی نے ’الکامل (۵: ۳-۱۲۱۲)‘ میں کہا ہے کہ سعید بن زید صدوق اور

حافظ ہے۔ اس نے کوئی منکر روایت بیان نہیں کی سوائے اس کے کہ کوئی اور اسے بیان

کرے اور وہ میرے نزدیک صدق کی قسم (راست بازوں) کے راویوں میں سے

ہے۔ ❀❀

مراکش کے مشہور محدث عبداللہ بن محمد غماری اپنی کتاب ’ارغام المبتدی الغنی

بجواز التوسل بالنبی‘ میں لکھتے ہیں: ”امام احمد بن حنبل نے سعید بن زید کے متعلق ’لیس

به باس‘ کہا ہے جس کا معنی ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں یعنی وہ بالکل صحیح ہے۔ ❀

❀❀ امام احمد کی یہ اصطلاح معنا ثقہ کے ساتھ متماثل ہے جو کہ مستند راویان حدیث

کے اعلیٰ درجوں میں سے ایک درجہ ہے۔“

ابن معین بھی لیس به باس سے مراد ثقہ لیتے ہیں۔ ❀❀❀❀

❀ الطبقات الکبریٰ، ۷: ۲۸۷

❀❀ تہذیب التہذیب، ۴: ۳۲-۳۳

❀❀❀ (امام احمد کا یہ قولی امام ذہبی نے ’میزان الاعتدال (۲: ۱۳۸)‘ میں اور حافظ

عسقلانی نے ’تہذیب التہذیب (۴: ۳۲)‘ میں بیان کیا ہے۔)

❀❀❀❀ لسان المیزان، ۱: ۱۳۱

محدث ابن الصلاح نے 'المقدمة' میں، امام سخاوی نے 'فتح المغیث' میں، حافظ ابن حجر نے 'ہدی الساری مقدمہ فتح الباری' میں اور امام نووی کی 'التقریب والتیسیر' کے مؤلف نے لیس بہ بأس اور ثقہ کی اصطلاحوں کو یکساں قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ تیسری صدی ہجری کے بہت سے محدثین مثلاً ابن معین، ابن المدینی، امام احمد، ابو زرعة، ابن ابو حاتم رازی اور یعقوب بن سفیان فساوی وغیرہ نے بھی لیس بہ بأس کو ثقہ کے درجہ کے برابر قرار دیا ہے۔

۳۔ عمرو بن مالک نکری کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں 'تہذیب التہذیب' (۸: ۹۶) میں لکھتے ہیں: "ابن حبان نے اسے اپنی کتاب 'الثقات' میں ذکر کیا ہے۔" لہذا ابن حبان کا اس کی ثقاہت قبول کرنا برحق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی نے 'تقریب التہذیب' (۲: ۷۷) میں عمرو بن مالک نکری کے بارے میں 'صدوق لہ أوہام' کہا ہے۔

حافظ ابن حجر کے قول 'صدوق' سے عمرو بن مالک نکری کے صواب کا پتہ چلتا ہے اور انہوں نے اس لفظ کو مقدم بھی کیا ہے۔ شیخ محمود سیعد ممدوح اپنی کتاب 'رفع المنارة' (ص: ۲۵۸) میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن احمد نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے: "أنه كأنه ضعفه"، انہوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ لفظ 'کان' ظن و گمان ہے، اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔"

حسن بن موسیٰ اشیب کے بارے میں جب عبد اللہ بن علی بن مدینی نے 'وکانہ ضعفه' کہا تو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی 'ہدی الساری مقدمہ فتح الباری' (ص: ۳۹۷) میں یہی کہا: "هذا ظن، لا تقوم به حجة (یہ گمان ہے، اس لیے اس سے

حجت قائم نہیں ہو سکتی۔“

پس عمرو بن مالک نکری کی ثقاہت میں اس بیان کے بعد کوئی شک و شبہ نہیں، اسی کی توضیح امام ذہبی نے ’میزان الاعتدال (۲۸۶:۳)‘ اور ’المغنی (۲۸۸:۲)‘ میں کی ہے۔ شیخ محمود سعید ممدوح لکھتے ہیں:

”ابن عدی نے ’الکامل (۱۷۹۹:۵)‘ میں عمرو بن مالک نکری کو عمرو بن مالک راہبی کے ساتھ ملا دیا ہے اور اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ اس بات کی وضاحت امام ذہبی نے ’میزان الاعتدال (۲۸۵:۳)‘ اور ’المغنی (۲۸۸:۲)‘ میں جبکہ حافظ عسقلانی نے ’تہذیب التہذیب (۹۵:۸)‘ میں عمرو بن مالک نکری کو عمرو بن مالک راہبی سے الگ بیان کیا ہے اور ابن عدی کے اختلاط کی وضاحت بھی کی ہے جس کی وجہ سے بعض محدثین نے عمرو بن مالک نکری کو ضعیف کہا اور انہوں نے یہ صرف ابن عدی کی تقلید میں بغیر غلطی کے کیا ہے۔ جیسا کہ محدث ابن الجوزی نے ’کتاب الموضوعات (۱۳۵:۲)‘ اور امام ابن تیمیہ نے ’التوسل والوسيلة‘ میں کیا۔“

علامہ ناصر الدین البانی نے ’تعلیق علی فضل الصلاة علی النبی (ص: ۸۸)‘ میں لکھا ہے: ”عمرو بن مالک نکری ثقہ ہے جیسا کہ امام ذہبی نے کہا ہے۔“ انہوں نے اپنی ایک اور کتاب ’سلسلة الاحادیث الضعیفة (۶۰۸:۵)‘ میں بھی اسے ثقہ کہا ہے۔

۳۔ ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ سے کثیر لوگوں نے روایات لی ہیں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا سماع بھی ثابت شدہ امر ہے۔ دلیل کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ امام مسلم نے ابو الجوزاء کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث بیان کی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

و قال لنا مسدد، عن جعفر ابن
سليمان، عن عمرو بن مالك
النكري، عن أبي الجوزاء،
قال: أقيمت مع ابن عباس و
عائشة اثنتي عشرة سنة، ليس
من القرآن آية إلا سألتهم
عنها۔ ❀

ہمیں مسدد نے کہا، اس نے جعفر بن
صلیمان سے، اس نے عمرو بن مالک
نکری سے اور اس نے ابو الجوزاء سے
روایت کیا: میں حضرت ابن عباس اور
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے
ساتھ بارہ سال تک رہا اور قرآن کی
کوئی آیت ایسی نہ تھی جس کے بارے
میں میں نے ان سے نہ پوچھا ہو۔

ابن سعد ایک اور روایت یوں بیان کرتے ہیں:

عن أبي الجوزاء قال: جاورت
ابن عباس في داره اثنتي عشرة
سنة مافي القرآن آية إلا و قد
سألته عنها۔ ❀ ❀

ابو الجوزاء روایت کرتے ہیں کہ میں
بارہ سال حضرت ابن عباس کا پڑوسی رہا
اور قرآن کی کوئی آیت ایسی نہ تھی جس
کی بابت میں نے ان سے نہ پوچھا
ہو۔

امام ابو نعیم اصبہانی یہ روایت ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

و كان رسولی يختلف إلى أم
المؤمنين غدوة وعشية، فما
سمعت أحدا من العلماء، و لا
أور میرا نماز شدہ صبح و شام ام المؤمنین
(حضرت عائشہ) رضی اللہ عنہا کے
پاس آتا جاتا تھا۔ پس میں نے کسی

سمعتُ أن الله تعالى يقول
لذنب: إني لأغفره إلا الشرك

بہ۔ ❀

عالم سے وہ نہیں سنا (جو کچھ میں نے
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا)
اور نہ میں نے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ گناہ
کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں اسے
ضرور معاف کر دوں گا سوائے اس کے
کہ اس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا
جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

”لیکن یہ چیز اس جواز میں مانع نہیں کہ اس نے اس کے بعد کبھی حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات نہیں کی۔ پس امام مسلم کے مذہب کے مطابق ملاقات
کے امکان کے تحت اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالمشافہ ملاقات کی
ہے۔“ ❀❀

پس جب ابوالجوزاء کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ملاقات یقین
کے ساتھ ثابت ہو گئی تو وہ مدّلس نہ رہا۔ لہذا اس کی روایت کو سماع پر محمول کیا جائے گا جو
نہ صرف امام مسلم بلکہ جمہور کا بھی مذہب ہے۔

ابو نعیم اصبہانی نے ’حلیۃ الاولیاء‘ میں ’عن عائشہ‘ کے الفاظ کے ساتھ ابو
الجوزاء کی کافی روایات صحیح قرار دی ہیں۔

ابن قیسرانی نے ’سمع عائشہ‘ کے الفاظ کے ساتھ ابوالجوزاء سے مروی

روایت بیان کی ہے۔ ❀

پس اس مفصل بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسناد حسن یا صحیح ہیں۔

شیخ محمد بن علوی المالکی کہتے ہیں: ”اس روایت کی سند بالکل ٹھیک ہے بلکہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ علماء نے اسے قبول کیا اور بہت سی ایسی اسناد سے استشہاد کیا ہے جو اس جیسی ہیں یا اس سے کم مضبوط ہیں۔“ ❀❀

لہذا اس روایت کو بطور دلیل لیا جائے گا کیونکہ امام نسائی کا مسلک تھا کہ جب تک تمام محدثین ایک راوی کی حدیث کے ترک پر متفق نہ ہوں، اس کی حدیث ترک نہ کی جائے۔ ❀❀❀

منکرین تو سئل اس روایت پر ایک اور اعتراض یہ کرتے ہیں کہ یہ موقوف ہے یعنی صرف صحابیہ تک پہنچتی ہے، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، حضور ﷺ کا فرمان نہیں ہے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک اس کی اسناد صحیح بھی ہوں تو یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ ذاتی رائے پر مبنی ہے اور بعض اوقات صحابہ کی ذاتی رائے صحیح ہوتی ہے اور بعض اوقات غلط بھی ہوتی ہے، لہذا ہم اس پر عمل کرنے کے پابند نہیں۔

اس بے بنیاد اعتراض کا سادہ لفظوں میں جواب یہ ہے کہ نہ صرف اس روایت کی اسناد صحیح اور مستند ہیں بلکہ کسی بھی صحابی نے نہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تجویز کردہ عمل پر اعتراض کیا اور نہ ہی ایسا کوئی اعتراض مروی ہے جس طرح حضرت

❀ الجمع بین الصحيحین لابن القیسرانی، ۴۶: ۱، بحوالہ رفع المنارة: ۲۶۱

❀❀ شفاء القواد بزيارة خير العباد: ۱۵۳

❀❀❀ شرح نخبہ الفکر فی مصطلح اہل الاثر: ۲۳۳

مالک دار رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایت میں اس آدمی پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا جو قبر مصطفیٰ ﷺ پر آ کر بارش کے لیے دعا کرتا ہے اور یہ روایت ہم آگے بیان کریں گے۔ یہ روایتیں صحابہ کا اجماع ظاہر کرتی ہیں اور ایسا اجماع بہر طور واثق و لازم ہوتا ہے۔ کوئی شخص اس عمل کو ناجائز یا بدعت نہیں کہہ سکتا کہ جسے صحابہ نے خاموشی سے جائز یا مستحب قرار دیا ہو۔ صحابہ کرام رحمہم اللہ کی پیروی کے لزوم کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں:

”ہمارے لیے ان کی رائے ہمارے بارے میں ہماری اپنی رائے سے بہتر ہے۔“ ❀

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کے لوگوں کو رحمتیں اور برکتیں حاصل کرنے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو وسیلہ بنانے کا حکم دیا۔

حضور علیہ السلام کی قبر انور کے پاس جا کر حضور ﷺ کے توسل سے دعا کرنا عثمانی ترکوں کے زمانے تک رہا یعنی بیسیویں صدی کے اوائل دور تک یہ طریقہ رائج رہا کہ جب قحط ہوتا بارش نہ ہوتی، اہل مدینہ چھ سات سالہ معصوم مدنی بچہ کو وضو کروا کر اوپر چڑھاتے اور وہ بچہ اس رسی کو کھینچتا جو قبر انور کے اوپر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر کئے گئے سوراخ کے ڈھکنے کو بند کرنے کے لئے لٹکائی ہوئی تھی۔ اسی طرح جب قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہتا تو بارش ہو جاتی۔

امام ابن تیمیہ نے اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پوری زندگی میں روضہ اقدس کی چھت میں اس طرح کا کوئی سوراخ موجود نہیں تھا۔ یہ اعتراض کمزور ہے کیونکہ امام دارمی اور ان کے بعد آنے والے ائمہ و علماء اس طرح کی تفصیل متاخرین سے زیادہ بہتر جانتے تھے۔

مثال کے طور پر مدنی محدث و مؤرخ امام علی بن احمد سمہودی نے امام ابن تیمیہ کے اعتراض کا رد اور امام داری کی تصدیق کرتے ہوئے 'وفاء الوفاء' (۵۶۰:۲) میں لکھا ہے: "زین المراغی نے کہا: 'جان لیجئے کہ مدینہ کی لوگوں کی آج کے دن تک یہ سنت ہے کہ وہ قحط کے زمانہ میں روضہ رسول کے گنبد..... جو کہ کعبہ خضریٰ ہے..... کی تہہ میں قبلہ رخ ایک کھڑکی کھولتے اگرچہ قبر مبارک اور آسمان کے درمیان چھت حائل رہتی۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے دور میں بھی مقصورہ شریف، جس نے روضہ مبارک کو گھیر رکھا ہے، کا باب المواجه یعنی چہرہ اقدس کی جانب کھلنے والا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور لوگ وہاں (دعا کے لیے) جمع ہوتے ہیں۔"

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قبر شریف سے تو سُل

حضرت مالک دار سے روایت ہے:

أصاب الناس قحط في زمن	حضرت عمر (بن خطاب) رضی اللہ عنہ کے
عمر، فجاء رجل إلى قبر	زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے۔
النبي ﷺ فقال: يا رسول الله!	پھر ایک صحابی نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر
استسق لأمتك فإنهم قد	پر آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ!
هلكوا، فأتى الرجل في المنام	آپ (اللہ پاک سے) اپنی امت کے
فقيل له: انت عمر فأقرئه	لئے سیرابی مانگے کیونکہ وہ ہلاک
السلام وأخبره أنكم مسقيون	ہو گئی۔ پھر خواب میں نبی ﷺ اس
و قل له: عليك الكيس!	کے پاس آئے اور فرمایا کہ عمر کے

علیک الکیس! فأتی عمر
فأخبره فبکی عمر، ثم قال: یا
رب! لا آلو إلا ما عجزت
عنه۔ ❀

پاس جا کر اسے میرا سلام کہو اور اسے
بتاؤ کہ تم سیراب کیے جاؤ گے۔ اور عمر
سے کہہ دو کہ عقلمندی اختیار کرو، عقلمندی
اختیار کرو۔ پھر وہ صحابی حضرت عمر رضی
اللہ کے پاس آئے اور ان کو خبر دی تو
حضرت عمرؓ رو پڑے۔ فرمایا: اے اللہ!
میں کوتاہی نہیں کرتا مگر یہ کہ عاجز
ہو جاؤں۔

امام ابن تیمیہ نے 'اقتضاء الصراط المستقیم' (ص: ۳۷۳) میں اس روایت کی
تائید کی ہے۔ امام ابن کثیر نے 'البدایہ والنہایہ' (۵: ۱۶۷) میں اس روایت کے بارے
میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔ اسی سند کے ساتھ ابن ابی خثیمہ نے روایت کیا ہے
جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی 'الاصابة فی تمیز الصحابة' (۳: ۴۸۴) میں لکھتے ہیں، جبکہ
وہ 'فتح الباری' (۲: ۶۰۵-۶۰۶) میں لکھتے ہیں: "یہ روایت ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے
ساتھ بیان کی ہے..... اور سیف بن عمر تمیمی نے 'الفتوح الکبیر' میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ
خواب دیکھنے والے ایک صحابی حضرت بلال بن حارث مزی تھے۔ امام قسطلانی نے

- ❀ ۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۲: ۲-۳۱،
رقم: ۱۲۰۵۱
۲۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۷: ۷۷
۳۔ الاستیعاب فی معرفة الاصحاب،
۲: ۴۶۴
۴۔ شفاء السقام فی زیارة خیر الانام: ۱۳۰
۵۔ کنز العمال، ۸: ۴۳۱، رقم: ۲۳۵۳۵
۶۔ کتاب الارشاد فی معرفة علماء الحدیث
للخلیلی، ۱: ۴-۳۱۳، بحوالہ رفع المنارة:
۲۶۲

’المواهب اللدنیۃ (۲: ۶۷۰)‘ میں کہا ہے کہ اسے ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے جبکہ علامہ زرقانی نے بھی ’شرح (۱: ۱۱-۱۵۰)‘ میں امام قسطلانی کی تائید کی ہے۔

حیرت ہے کہ بعض لوگوں نے اس صحیح الاسناد قوی حدیث کو بھی ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل اعتراض کیے ہیں:

پہلا اعتراض: اس کا ایک راوی ’اعمش‘ مدلس ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اعمش اگرچہ مدلس ہے لیکن اس کی یہ روایت درج ذیل دو وجوہات کی بنا پر مقبول ہے چاہے اس کا سماع ثابت ہو یا نہ ہو:

۱۔ اعمش کا ذکر دوسرے درجے کے مدلسین میں کیا گیا ہے اور یہ وہ مدلسین ہیں جن سے ائمہ نے اپنی صحیح کتب میں روایات لی ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ اعمش کی یہ روایت مقبول ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اگر ہم اعمش کا سماع ثابت ہونے پر ہی یہ روایت قبول کریں جیسا کہ تیسرے یا اس سے نچلے مدارج کے مدلسین کے معاملے میں کیا جاتا ہے تو اعمش کی یہ روایت مقبول ہوگی کیونکہ اس نے ابوصالح ذکوان سمان سے نقل کی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: ”جب اعمش لفظ ’عن‘ کے ساتھ روایت کرے تو اس میں احتمالِ تدلیس ہوتا ہے مگر جب اپنے بہت سارے شیوخ مثلاً ابراہیم، ابن ابی وائل، ابوصالح سمان وغیرہ سے روایت کرے تو ان کو اتصال پر محمول کیا جائے گا۔“ ❀

علاوہ ازیں امام ذہبی نے اسے ثقہ کہا ہے۔

دوسرا اعتراض: علامہ ناصر الدین البانی اپنی کتاب 'التوسل، أحكامہ و أنواعہ' میں لکھتے ہیں: "ہم اس واقعے کو مستند نہیں مانتے کیونکہ مالک دار کی ثقاہت اور ضبط معروف (known) نہیں اور اصول حدیث میں کسی راوی کے مستند ہونے کے لیے یہی دو بنیادی اصول ہیں۔ امام ابن ابی حاتم رازی نے 'کتاب الجرح و التعديل' (۲۱۳:۴) میں مالک دار کو بیان کرتے ہوئے ابو صالح کے علاوہ کسی اور راوی کا ذکر نہیں کیا جس نے اس سے روایت لی ہو، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجہول (unknown) ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ابی حاتم جو خود شیخ الاسلام اور حافظ الحدیث ہیں، نے کسی ایک کا بھی ذکر نہیں کیا جس نے اسے ثقہ قرار دیا ہو۔ اسی طرح حافظ منذری نے مالک دار کے بارے میں کہا ہے کہ میں اسے نہیں جانتا جبکہ امام ابن حجر عسقلانی نے بھی 'مجمع الزوائد' میں ایسا ہی کہا ہے۔....."

جواب: اس اعتراض کا بطلان مالک دار کے اس سوانحی تذکرے سے ثابت ہے جسے ابن سعد نے مدنی تابعین کے دوسرے طبقے میں بیان کرتے ہوئے کچھ یوں لکھا ہے: "مالک دار حضرت عمر بن خطاب ؓ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ سے روایات لے کر بیان کیں، اس سے ابو صالح سمان نے روایات لیں۔ وہ معروف (known) تھا۔ ❀

مزید بر آں یہ اعتراض حافظ خلیلی (م: ۴۴۵ھ) کے مالک دار پر تبصرے سے غلط ثابت ہوتا ہے: ”مالک دار (کی ثقاہت) متفق علیہ ہے اور تابعین (Successors) کی جماعت نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔“ ❀

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے مالک دار کا جو سوانحی خاکہ بیان کیا ہے، اس سے بھی یہ اعتراض رد ہوتا ہے:

”مالک بن عیاض، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام، اسے مالک دار کہا جاتا تھا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سنی ہیں۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایات لی ہیں۔ اس سے ابو صالح سمان اور اس (مالک دار) کے دو بیٹوں عون اور عبداللہ نے روایات لی ہیں۔

”اور امام بخاری نے ’کتاب التاریخ الکبیر (۷: ۵-۳۰۴)‘ میں مالک دار سے بحوالہ ابو صالح ذکوان یہ روایت لی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ قحط میں کہا: اے میرے پروردگار! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر یہ کہ عاجز ہو جاؤں۔

”ابن ابی خيثمه نے انہی الفاظ کے ساتھ ایک طویل روایت نقل کی ہے (جس پر ہم بحث کر رہے ہیں)..... اور ہم نے ’فوائد داؤد بن عمر رضی اللہ عنہ‘ اور ’الضعی‘ جسے امام بغوی نے جمع کیا ہے، میں مالک دار سے بحوالہ عبدالرحمن بن سعید بن یربوع مخزومی روایت نقل کی ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے ایک دن مجھے بلایا، ان کے ہاتھ میں سونے کا بٹہ تھا جس میں چار سودینار تھے، اور مجھے حکم دیا کہ اسے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے

❀ کتاب الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث بحوالہ ارغام المبتدی الغنی بجواز التوسل بالنبی

جاؤں۔ اور پھر اس نے بقیہ واقعہ بیان کیا۔

”ابن سعد نے مالک دار کو اہل مدینہ تابعین کے پہلے طبقہ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ سے روایات لی ہیں، اور وہ معروف تھا۔ ابو عبیدہ ؓ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے اسے اپنے عیال کا نگران مقرر کیا تھا، پھر جب حضرت عثمان ؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اسے وزیر خزانہ بنا دیا اور اسی لیے اس کا نام مالک دار (گھر کا مالک) پڑ گیا۔“

”اسماعیل قاضی نے علی بن مدینی سے روایت کیا ہے کہ مالک دار حضرت عمر ؓ کے خزانچی تھے۔“

ابن حبان نے ’الثقات (۳۸۴:۵)‘ میں مالک دار کو ثقہ قرار دیا

ھے۔ ❀❀

اب اگر حافظ منذری اور امام ابن حجر پیشمی نے مالک دار کے بارے میں کہا ہے کہ ہم اسے نہیں جانتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اسے ثقہ یا غیر ثقہ کچھ بھی نہیں کہا۔ تاہم امام بخاری، ابن سعد، علی بن مدینی، ابن حبان اور حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے دوسرے اجل محدثین بھی ہیں جو اسے جانتے ہیں۔ حافظ عسقلانی نے اس کا ذکر ’تہذیب التہذیب (۲۲۶:۷، ۲۱۷:۸)‘ میں بھی کیا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ علامہ ناصر الدین البانی ان کے قول کو قبول و منتخب کرتے ہیں جو مالک دار کا معاملہ نہیں جانتے اور اسے ان لوگوں کے قول پر ترجیح دیتے ہیں جو اسے جانتے ہیں۔ علامہ البانی نے مالک بن عیاض جو الدار کے لقب سے مشہور ہے، کی

روایات ردّ کی ہیں جبکہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں اپنا وزیر بنایا اور وزارت خزانہ جیسے اہم محکمے کی ذمہ داریاں تفویض کیں۔ علامہ البانی اس کے برعکس مالک دار کی نسبت کم مرتبے کے حامل لوگوں کی روایت قبول کرتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں دی جاتی ہیں:

۱۔ انہوں نے یحییٰ بن عریان ہروی کو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۴۹:۱) میں حسن قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل حافظ خطیب بغدادی کا 'تاریخ بغداد' (۱۶۱:۱۴) میں وہ قول ہے جس میں وہ یحییٰ بن عریان ہروی کو بغداد کا ایک محدث قرار دیتے ہیں: کان ببغداد محدثاً (وہ بغداد کا ایک محدث تھا)۔

یہ بیان بالکل واضح ہے۔ حافظ خطیب بغدادی نے یحییٰ بن عریان ہروی پر کوئی جرح و تعدیل کی، نہ ہی یہ ظاہر کیا کہ وہ کتنے بلند پائے کا محدث تھا یا اس کی روایات صحیح یا حسن تھیں، لیکن پھر بھی علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

۲۔ ابوسعید غفاری کو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۲۹۸:۲) میں حسن کہا گیا ہے۔ یہ بیان کرنے کے بعد کہ وہ مجہول (unknown) نہیں رہا چونکہ اس سے روایت لینے والے دوراوی ہیں، وہ لکھتے ہیں: ”پس وہ تابعی ہے۔ حفاظ کی ایک جماعت نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ لہذا حافظ عراقی کا (اس سے مروی روایت کی) اسناد کو جید کہنے میں کوئی خرج نہیں۔ اسی بات سے مجھے انشراح صدر حاصل ہوا اور میرا نفس اس پر مطمئن ہوا۔“

سوال یہ ہے کہ ابوسعید غفاری اور مالک دار کے درمیان فرق کیوں؟

۳۔ صالح بن خوات کو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۴۳۶:۲) میں حسن قرار دیا

ہے کیونکہ ایک جماعت نے اس سے روایات لی ہیں اور ابن حبان نے 'الثقات' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

جبکہ ہماری تحقیق کے مطابق حافظ ابن حجر عسقلانی نے 'تقریب التہذیب' (۳۵۹:۱) میں اسے مقبول کہا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ آٹھویں طبقہ میں سے تھا۔

تو کیا پہلے طبقے کا راوی مالک دار حسن نہیں ہوگا؟

لہذا امام ابن ابی حاتم رازی کا سکوت مالک دار کے مجہول ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ وہ اس لیے سکوت اختیار کرتے ہیں کہ وہ راوی کے بارے میں جرح و تعدیل نہیں پاتے۔ پس عدم جرح و تعدیل سے مراد راوی کی جہالت نہیں کیونکہ جہالت جرح ہے جس کی سکوت سے صراحت ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، بلکہ حقیقت میں اس طرح سے راوی کا جہل ثابت کرنے کی مخالفت کی جاتی ہے۔ کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن کے متعلق ابن ابی حاتم رازی خاموش رہتے ہیں حالانکہ دوسرے ائمہ نے ان راویوں پر جرح و تعدیل کی ہے۔ کتب اسماء الرجال اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

تیسرا اعتراض: ابو صالح ذکوان سمان اور مالک دار کے درمیان انقطاع کا گمان ہے۔

جواب: یہ گمان باطل ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس کے بطلان کے لیے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ابو صالح بھی مالک دار کی طرح مدنی تھا اور اس نے صحابہ کرام ؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں، لہذا وہ مدلس نہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے

کہ کسی سند کے اتصال کے لیے صرف معاشرت کافی ہے جیسا کہ امام مسلم نے 'اصح' کے مقدمہ میں اس بات پر اجماع کا ذکر کیا ہے۔

چوتھا اعتراض: اس روایت کا صحیح ہونا حجت نہیں کیونکہ اس کا دار و مدار ایک ایسے شخص پر ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ صرف سیف بن عمر تمیمی کی بیان کردہ روایت میں اس کا نام 'بلال' بیان کیا گیا ہے اور سیف نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

جواب: یہ اعتراض باطل ہے اس لیے کہ حجت کا دار و مدار بلال پر نہیں بلکہ حضرت عمر بن خطاب ؓ کے عمل پر ہے۔ انہوں نے بلال کو اس کے فعل سے روکا نہیں بلکہ اسے تسلیم کیا۔ آپ ؓ خود بھی رو دیے اور فرمایا: "اے میرے پروردگار! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر یہ کہ عاجز ہو جاؤں۔" لہذا قبر شریف پر آنے والا شخص خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی، اس کا عدم ذکر اس روایت کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ مالک دار کی بیان کردہ روایت صحیح ہے جیسا کہ ہم نے ابتدا میں بیان کیا۔ شیخ محمد بن علوی مالکی لکھتے ہیں:

"وہ حضرات جنہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا یا روایت کیا ہے اور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ گمراہی و کفر ہے اور نہ انہوں نے متن حدیث پر کسی قسم کا اعتراض کیا۔ اس حدیث کا حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے جلیل القدر صاحب علم نے حوالہ دیا اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ حفاظ حدیث میں ان کا جو مقام و مرتبہ اور علم و فضل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔" ❀

اس روایت سے مندرجہ ذیل اہم نکات مستنبط ہوتے ہیں:

- ۱۔ توٹل اور استمداد کی نیت سے زیارتِ قبور کے لیے جانا۔
- ۲۔ ابتلاء و آزمائش کے وقت کسی فوت شدہ نیک ہستی کی قبر پر جا کر توٹل کرنا اور اس سے مدد طلب کرنا جائز ہے کیونکہ اگر یہ فعل ناجائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کو ضرور منع فرماتے۔
- ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف پر آنے والے شخص کے خواب میں آ کر اسے بشارت دینا اس بات پر دلیل ہے کہ غیر اللہ اور فوت شدگان سے استعانت جائز ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا جائز نہ ہوتا تو یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو منع نہ فرماتے۔
- ۴۔ بعد از وصال مبارک ندائے یا رسول اللہ کا اثبات۔
- ۵۔ نداء، استمداد اور توٹل کا عمل خیر القرون سے چلا آ رہا ہے۔
- ۶۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس بعد از وصال بھی رشد و ہدایت کا منبع ہے۔
- ۷۔ سلطنت کا سربراہ انتظامی معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے باوجود ریاستی چینل (channel) کو نہیں توڑا، اور درحقیقت نظم و نسق کی پاسداری کا سبق دیتے ہوئے قبر شریف پر آنے والے شخص کو سربراہِ ریاست کے پاس جانے کا حکم فرمایا۔
- ۸۔ قبر شریف پر آنے والے شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کا واسطہ دیا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ بے پایاں محبت ظاہر ہوتی ہے۔
- ۹۔ امت کو وسیلہ بنانے کا جواز۔

۱۰۔ نبی ﷺ کے سامنے غیر نبی کو وسیلہ بنانے کا جواز۔

۱۱۔ جو شخص بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے تعلق استوار کرے اور اس نسبت کو پختہ کرے تو آقائے نامدار علیہ السلام اپنے اس غلام کو ضرور اپنے دیدار سے مشرف فرماتے ہیں اور اپنی عطاؤں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے نام محمد ﷺ کی غلامی کا پٹہ ڈالنے والے کو فیوض و برکات سے نوازتے ہیں۔

۱۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو بعد از وصال بھی اپنی امت یا اس کے کسی حکمران کی کمزوریوں کا علم ہوتا ہے اور آپ ﷺ ان کمزوریوں کو رفع کرنے کے لیے مختلف احکامات صادر فرماتے ہیں۔

۱۳۔ عظیم اور اہل اللہ ہستیوں سے ان کے وصال کے بعد راہنمائی طلب کرنا۔

۱۴۔ آقائے دو جہاں علیہ السلام کے بعد از وصال ملنے والے احکامات کو صحابہ کا حق و سچ ماننا۔

۱۵۔ خواب میں ملنے والے احکامات کا دوسروں پر نفاذ۔

۱۶۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے موحّد کے سامنے تو سّل واستمداد کی بات کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ سن کر رو پڑے اور اسے حق جان کر جواب دیا۔

۱۷۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سرورِ دو جہاں سے عشق کہ محبوب خدا ﷺ کا ذکر سنتے ہی آپ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی۔

۶۔ حاجت برآری بوسیہ مصطفیٰ ﷺ

فصل اوّل و دوم میں ہم نے ثقہ روایات کے ذریعہ اس بات کو ثابت کر دیا کہ

حضور نبی کریم ﷺ سے آپ کی ولادت باسعادت سے قبل اور حیات طیبہ میں تو سُل ہوتا رہا۔ حیات طیبہ کے حوالے سے حضرت عثمان بن حنیف ؓ کی اس معروف و مشہور روایت کا تفصیلی ذکر ہو چکا جس میں ایک نابینا شخص نے بارگاہ نبوی ﷺ میں درخواست کر دی اور پھر حضور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اس کی بینائی لوٹ آئی۔ اب ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ تو سُل کا یہ طریقہ نبی ﷺ کی حیات ظاہری کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ صحابہ کرام ؓ تو سُل کے اس صیغہ کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ طبرانی کی روایت سے ثابت ہے کہ ایک آدمی اپنی کسی غرض و حاجت سے بار بار حضرت عثمان بن عفان ؓ کے پاس جاتا تھا۔ حضرت عثمان بن عفان ؓ اس کی طرف التفات کرتے اور نہ اس کی حاجت میں غور فرماتے۔ وہ آدمی حضرت عثمان بن حنیف ؓ کو ملا اور ان سے اس کا شکوہ کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف ؓ نے فرمایا کہ لوٹا لاؤ اور وضو کرو۔ پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ کہو: ”اللہم! انی أسالک و أتوجه إلیک بنینا محمد ﷺ نبی الرحمة، یا محمد! انی أتوجه بک إلی ربی فتقضی لی حاجتی۔“ (اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف ہمارے نبی محمد ﷺ کی رحمت کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری یہ حاجت پوری فرمادے۔) اور اپنی حاجت کو ذکر کر۔ وہ آدمی چلا گیا اور جو اس کو کہا گیا تھا اس نے وہی کیا۔ اس کے بعد جب وہ حضرت عثمان بن عفان ؓ کے دروازے پر آیا تو دربان آیا، اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور حضرت عثمان ؓ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان ؓ نے اس کو اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھایا اور فرمایا کہ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت بیان کی تو حضرت امیر المومنین ؓ نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا اور

فرمایا کہ تم نے اب تک اپنی حاجت کا کیوں ذکر نہ کیا؟ آپ نے اسے یہ بھی فرمایا کہ آئندہ جو بھی ضرورت ہو، ہمارے پاس آنا۔ وہ آدمی جب ان کے ہاں سے رخصت ہوا تو حضرت عثمان بن حنیفؓ سے ملا اور ان سے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ وہ تو میری حاجت کے بارے میں نہ غور کرتے اور نہ میری طرف التفات کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کر دی۔ تو حضرت عثمان بن حنیفؓ نے فرمایا:

واللہ! ما کلمتہ، و لکنی
شہدت رسول اللہ ﷺ و اتاہ
ضریر، فشکا الیہ ذہاب
بصرہ، فقال لہ النبی ﷺ:
فتصبر؟ فقال: یا رسول اللہ!
لیس لی قائد و قد شق علی،
فقال لہ النبی: انت المیضۃ
فتوضاً ثم صل رکعتین ثم ادع
بہذہ الدعوات۔ قال ابن حنیف:
فواللہ! ما تفرقنا، و طال بنا
الحديث حتی دخل علینا الرجل
کأنہ لم یکن بہ ضر قط۔

بخدا! یہ میں نے نہیں کہا۔ بلکہ ایک
دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت
میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس ایک
اندھا آدمی آیا اور آپ ﷺ سے اپنی
بینائی کے ختم ہونے کا شکوہ کیا تو
نبی ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تو صبر
کر۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ!
میرا کوئی خادم نہیں ہے اور مجھے بہت
تکلیف ہوتی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا
کہ لوٹا لے کر آؤ اور وضو کرو۔ پھر دو
رکعت پڑھ کر ان دعائیہ کلمات سے دعا
کرو۔ پھر حضرت عثمان بن حنیفؓ

۳۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۸-۱۶۷

۴۔ الترغیب والترہیب، ۱: ۶-۱۷۷

۱۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۹: ۳۱، رقم: ۸۳۱۱

۲۔ المعجم الصغیر للطبرانی، ۱: ۴-۱۸۳

نے کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ ابھی نہ تو
مجلس سے دور ہوئے اور نہ ہی ہمارے
درمیان گفتگو لمبی ہوئی حتیٰ کہ وہ آدمی
ہمارے پاس (اس حالت میں) آیا
کہ گویا اسے اندھا پن تھا ہی نہیں۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو وہ دعا سکھائی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ استغاثہ و ندا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کا ذکر کیا
ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس آدمی نے یہ گمان کیا کہ شاید عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی
خلیفہ سے سفارش کرنے کی وجہ سے اس کی ضرورت پوری ہوئی ہے اس لئے حضرت
عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اس کے گمان کی نفی کر دی اور اس کو وہ حدیث سنائی
جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا تا کہ ثابت ہو جائے کہ اس کی
حاجت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کی وجہ سے
پوری ہوئی ہے اور اللہ کی قسم کھا کر اسے یقین دہانی کروائی کہ انہوں نے خلیفہ سے اس
بارے میں کوئی سفارش نہیں کی بلکہ یہ سب کچھ وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کی تائید

امام ابن تیمیہ نے اسی حدیث پاک کے حوالے سے ایک حکایت بیان کی ہے
کہ ابن ابی الدنیا نے کتاب 'مجاہد الدعاء' میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص

۷۔ (الخصائص الکبریٰ، ۲: ۲۰۱۔)

== ۵۔ شفاء السقام: ۱۲۵

۶۔ مجمع الزوائد، ۲: ۲۷۹

حافظ مندری نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

عبدالملک بن سعید بن ابجر کے پاس آیا۔ عبدالملک نے اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تمہیں ایک بیماری ہے جو کہ ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اس نے کہا: وہ کیا؟ عبدالملک نے کہا: دبیلہ (بڑا پھوڑا) ہے جو پیٹ کے اندر نکلتا ہے اور اکثر مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ شخص واپس ہوا اور پھر اس نے کہا:

اللہ! اللہ! اللہ ربی، لا أشرك
به شيء، اللهم! إني أتوجه
إليك بنبيك محمد نبي
الرحمة عليه السلام تسليماً، يا
محمد! إني أتوجه بك إلى
ربك وربى يرحمنى مما بى۔
اللہ! اللہ! اللہ میرا رب ہے۔ میں اس کا
کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اے
اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور
آپ کی طرف آپ کے نبی محمد نبی
رحمت ﷺ کے وسیلے سے متوجہ ہوتا
ہوں۔ اے محمد! میں آپ کے وسیلے
سے آپ کے اور اپنے رب کی طرف
متوجہ ہوتا ہوں کہ میری بیماری میں مجھ
پر رحم فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ عبدالملک نے اس کے بعد اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تم ٹھیک
ہو گئے ہو، تمہیں کوئی بیماری نہیں۔ امام ابن تیمیہ اپنی کتاب میں اس پورے واقعے کا ذکر
کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت: فهذا الدعاء و نحوه
قد روى أنه دعا به السلف۔
میں کہتا ہوں کہ یہ اور اس جیسی دیگر
دعائیں سلف سے منقول ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ نے بھی اس چیز کی روایت کر دی:

(۱) یہ سلف کا عمل ہے، اور

(۲) اس عمل سے شفا یاب ہونا بھی درست ہے۔

وظیفہ دینے کا ثبوت

مندرجہ بالا دونوں روایات سے یہ بھی واضح ہوا کہ مشائخ و بزرگان دین کا وظیفہ دینے کا عمل درست ہے کیونکہ یہ سلف صالحین کا معمول ہے۔ حضور ﷺ نے تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم آگے لوگوں کو بھی یہ دعا پڑھنے کا کہتے پھرو۔

۷۔ روزِ قیامت حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل

قیامت کے دن بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس بخشش و مغفرت کا وسیلہ ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا وَ اتِّنَا مَا وَ عَدَّتْنَا عَلٰی
رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ
الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ
الْمِيعَادَ ❀

اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب
کچھ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے
اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ فرمایا
ہے، اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ
کر، بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں
کرتا۔

اس آیت کی روشنی میں جملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا گیا وعدہ الہی توسل کو ظاہر کرتا ہے۔ انعامات و احسانات کے وہ تمام وعدے جو دیگر انبیاء علیہم

(اللہ) کے ساتھ کیے گئے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے تو سُل سے آپ ﷺ کی امت کے حق میں خصوصی انفرادیت رکھتے ہیں، روز قیامت جملہ ذریت آدم اس دن کی گرمی و تپش سے تنگ آ کر سارے انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوگی۔ ہر کوئی یہی کہے گا: اِذْهَبُوا إِلَىٰ غَيْرِي (آج کے روز کسی اور پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہو)۔ بالآخر ساری انسانیت حضور نبی اکرم ﷺ کی در اقدس پر آ جائے گی۔ حضرت انسؓ سے متفق علیہ روایت ہے:

حدثنا محمد بن عبد الله بن علي قال: إذا كان يوم القيامة ما ج الناس بعضهم في بعض، فيأتون آدم فيقولون: اشفع إلى ربك، فيقول: لست لها، و لكن عليكم يا إبراهيم فإنه خليل الرحمن، فيأتون إبراهيم، فيقولون: لست لها، و لكن عليكم بموسى فإنه خليل الله، فيأتون موسى، فيقولون: لست لها، و لكن عليكم بعيسى فإنه روح الله، فيأتون عيسى، فيقولون: لست لها، و لكن عليكم بمحمد ﷺ،

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا لوگ گھبرا کر ایک دوسرے کے پاس جائیں گے۔ سب سے پہلے وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: آپ (ہمارے لیے) اپنے رب کی بارگاہ میں سفارش کریں۔ وہ فرمائیں گے کہ آج یہ منصب میرا نہیں، البتہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ پس لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے، وہ بھی فرمائیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں

فیاتوننی، فأقول: أنا لها،
 فأستأذن علی ربی، فیؤذن لی،
 ویلهمنی محامداً أحمدہ بها لا
 تحضرنی الان، فأحمدہ
 بتلک المحامد، و آخر له
 ساجداً، فیقال: یا محمد! ارفع
 رأسک و قل یسمع لک، و
 سل تعط، و اشفع تشفع،
 فأقول: یا رب! أمتی أمتی،
 فیقال: انطلق فأخرج منها من
 کان فی قلبه مثقال شعيرة من
 إیمان، فأنطلق فأفعل، ثم أعود
 فأحمدہ بتلک المحامد، ثم
 آخر له ساجداً، فیقال: یا
 محمد! ارفع رأسک، و قل
 یسمع لک، و سل تعط، و
 اشفع تشفع، فأقول: یا رب!
 أمتی أمتی، فیقال: انطلق
 فأخرج منها من کان فی قلبه
 مثقال ذرة أو خردلة من إیمان،

جاؤ اس لیے کہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ لوگ
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں
 گے اور وہ بھی فرمائیں گے: میں اس
 قابل نہیں ہوں، البتہ تم حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، وہ
 روح اللہ ہیں اور اس کا کلمہ ہیں۔ لوگ
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں
 گے، وہ بھی یہی فرمائیں گے: آج
 میں بھی اس کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم
 حبیب خدا حضرت محمد ﷺ کی خدمت
 میں جاؤ۔ ساری انسانیت میرے پاس
 آجائے گی۔ میں کہوں گا: ہاں اس
 منصب شفاعت کا اہل (آج) میں ہی
 ہوں۔ میں اپنے رب سے اجازت
 طلب کروں گا تو مجھے اجازت مل
 جائے گی۔ مجھے اس وقت محامد
 (حمدوں) کا الہام کیا جائے گا جس
 کے ذریعے میں اللہ کی حمد و ثنا کروں گا
 جنہیں میں اس وقت بیان نہیں
 کر سکتا۔ (غرضیکہ) میں ان محامد

فأنطلق فأفعل، ثم أعود
 فأحمده بتلك المحامد، ثم
 آخر له ساجداً، فيقال: يا
 محمد! ارفع رأسك، و قل
 يسمع لك، و سل تعط، و
 اشفع تشفع، فأقول: يا رب!
 أمتي أمتي، فيقول: انطلق
 فأخرج منها من كان في قلبه
 أدنى أدنى أدنى مثقال حبة من
 خردلة من إيمان فأخرجه من
 النار من النار من النار۔ فأنطلق
 فأفعل..... و قال: ثم أعود
 الرابعة فأحمده بتلك
 المحامد، ثم آخر له ساجداً،
 فيقال: يا محمد! ارفع رأسك
 و قل يسمع، و سل تعط، و
 اشفع تشفع، فأقول: يا رب!
 إن دن لي فيمن قال: لا إله إلا
 الله، فيقول: و عزتي و جلالتي
 و كبريائي و عظمتي لأخرجن

کے ساتھ رب کی حمد و ثنا کروں گا اور
 اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔
 پس مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر
 انور اٹھائیے، بولیں آپ کی بات سنی
 جائے گی اور مانگئے، آپ کو عطا کیا
 جائے گا، اور شفاعت کیجیے، آپ کی
 شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض
 کروں گا: اے رب! میری امت،
 میری امت۔ پس حکم ہوگا کہ جائیے
 اور جہنم سے اسے نکال لیجیے جس کے
 دل میں جو کے برابر بھی ایمان ہے۔
 پس میں جا کر ایسا ہی کروں گا (اور
 ایسے تمام افراد کو جہنم سے نکال لوں
 گا)۔ پھر واپس آ کر ان محامد کے
 ساتھ اس کی حمد و ثنا کروں گا اور اس
 کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پس
 فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا سر انور
 اٹھائیے اور فرمائیے، سنا جائے گا اور
 سوال کیجئے، عطا کیا جائے گا اور
 شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول

منہا من قال لا إله إلا الله - ❀

کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا:

اے رب! میری امت، میری امت۔

پس فرمایا جائے گا کہ جائیے اور جہنم

سے اسے بھی نکال لیجیے جس کے دل

میں ذرے کے برابر یا رائی کے برابر

❀ ۱۔ صحیح البخاری ۲۰:۲، ۱۱۱۸، ۱۱۰۸،

۹۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۱: ۲۵۱-۲۴۴،

۲-۱۱۰۱، ۹۷۱، ۶۴۲،

رقم: ۳، ۱، ۲۰، ۱۱

۲۔ صحیح البخاری، ۱: ۴۷۰

۱۰۔ صحیح ابن حبان، ۱۴: ۹-۳۷۷، رقم: ۶۴۶۴

۳۔ الصحیح لمسلم، ۱: ۹-۱۰۸

۱۱۔ صحیح ابن حبان، ۱۴: ۷-۳۹۳، رقم: ۶۴۷۶

۴۔ جامع الترمذی، ۲: ۶۶

۱۲۔ شعب الایمان للبیہقی، ۱: ۶-۲۸۵، رقم:

۵۔ سنن الدارمی، ۲: ۵-۲۳۴، رقم:

۹-۳۰۸

۲۸۰۷

۱۳۔ شرح السنۃ للبغوی، ۱۵: ۶۰-۱۵۷،

۶۔ مسند ابوداؤد الطیالسی، ۹-۲۶۸،

رقم: ۳۳۳۳

رقم: ۲۰۱۰

۱۴۔ موارد النظمان، ۶۴۲: ۶۴۲، رقم: ۲۵۸۹

۷۔ مسند ابوعوانہ، ۴: ۱۸۳-۱۷۱

۱۵۔ مجمع الزوائد، ۱۰: ۴-۳۷۳

۸۔ مسند ابویعلیٰ، ۱: ۹-۵۶، رقم: ۵۹

علاوہ ازیں امام احمد بن حنبل نے بھی 'مسند' میں چھ مختلف مقامات پر یہ روایت بیان کی ہے اور ان تمام کی اسناد صحیح ہیں:

۱۔ ج: ۱، ص: ۴ پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

۲۔ اسی جلد میں صفحہ ۲۸۱ پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

۳۔ پھر ۲: ۴۳۵ پر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

۴۔ پھر ۳: ۲۴۷، ۲۴۴، ۱۱۶ پر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

بھی ایمان ہے پس میں جا کر ایسا ہی
 کروں گا۔ پھر واپس آ کر ان ہی حامد
 کے ساتھ اس کی حمد و ثنا کروں گا اور
 پھر اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔
 پس فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا سر انور
 اٹھائیے اور بیان کیجئے سنا جائے گا اور
 سوال کیجئے، عطا کیا جائے گا اور
 شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول
 کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا:
 اے رب! میری امت، میری امت۔
 پس فرمایا جائے گا کہ جائیے اے بھی
 جہنم سے نکال لیجیے جس کے دل میں
 رائی کے دانے سے بھی کم، بہت کم
 اور بہت ہی کم ایمان ہے، پس ایسے
 شخص کو بھی جہنم کی آگ، آگ،
 آگ سے نکال لیجیے۔ چنانچہ میں
 جا کر ایسا ہی کروں گا۔

حضرت حسن ہی نے حضرت انس کی روایت میں ہی ان الفاظ کو بھی بیان
 کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چوتھی مرتبہ پھر واپس لوٹوں گا اور اسی طرح حمد
 و ثناء کروں گا، پھر اس کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پس فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا

سر انور اٹھائیے اور بیان کیجیے، سنا جائے گا اور سوال کیجیے، عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں عرض کروں گا کہ اے رب! مجھے اس شخص کو جہنم سے نکالنے کی اجازت دیجیے جس نے (ایک مرتبہ بھی صدق دل سے) کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہے۔ باری تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت کی! اپنے جلال کی! اپنی کبریائی و عظمت کی! میں ضرور دوزخ سے اسے بھی آزاد کروں گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔“

گویا اس حدیث مبارکہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ میدان حشر میں حساب و کتاب کا سلسلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اللہ کی بارگاہ میں خصوصی حمد و ثناء اور التجاء و دعا کے توسل سے ہی شروع ہوگا اور سب سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے امت مصطفوی کا حساب و کتاب شروع ہوگا تا کہ یہ حشر کی گرمی میں زیادہ دیر مبتلا نہ رہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں قیامت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ
آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ
أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ ﴿٦٦﴾

(یہ وہ دن ہوگا) جس دن اللہ اپنے نبی
کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ
ایمان لائے رسوا نہ کرے گا۔ (اس

روز) ان کا نور (ایمان) ان کے
آگے اور ان کے دہنی طرف دوڑتا چلا
جاتا ہوگا۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ باری تعالیٰ اپنے رسول نبی آخر
الزمان ﷺ کے وسیلے سے امت مصطفوی کو قیامت میں رسوا نہ کرے گا بلکہ اعلیٰ اعزاز

کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا۔ ان کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ نور جو انہیں اللہ کے نبی کے وسیلے سے ملا ہوگا انہیں اپنے احاطے میں لیے ہوگا۔

یہ تمام روایات و آثار، توئسل کو ثابت کرتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی توئسل بالنبی ﷺ کو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ساتھ ہی خاص کرنے پر اصرار کرتا ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ توئسل کو آپ ﷺ کی حیات ظاہری کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ بعد از وصال بھی مختار ہیں

بعض لوگ اپنی جہالت اور کم علمی کی بناء پر اس بات کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ کو بعد از وصال کوئی اختیار نہیں، وہ نہ تو سنتے ہیں نہ ہمارے لئے دعا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی بد عقیدگی سے اہل ایمان کو بچائے۔ کوئی صحیح العقیدہ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کے بارے میں توئسل کا عقیدہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ مسلمہ امر ہے۔ اور یہ آپ کی بلندی شان، رفعت منزلت کی دلیل ہے۔ عدم جواز توئسل کا عقیدہ دراصل آپ ﷺ کی شان اقدس کو کم کرنے کی کوشش کے مترادف ہے۔

اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مردہ سنتا ہے، احساس و شعور بھی رکھتا ہے، زندہ کی نیکی اور بھلائی سے اسے فائدہ بھی پہنچتا ہے اور ان کی برائی پر وہ پریشان ہوتا ہے۔ توجہ طلب امر یہ ہے کہ یہ عقیدہ ایک عام انسان کے حوالے سے ثابت شدہ ہے۔ جبکہ عامۃ المؤمنین اور پھر سید البشر اور اللہ کی مخلوق میں سے افضل ترین مخلوق ہمارے آقا و مولا سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی برزخی حیات کے بارے میں کیا کہنا؟ متعدد

ثقہ روایات سے حیات النبی ﷺ ثابت شدہ امر ہے، آپ ﷺ سنتے ہیں، سلام کا جواب دیتے ہیں، آپ ﷺ کی امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں، امت کی برائیوں پر استغفار فرماتے ہیں جبکہ ان کی نیک اعمال پر اللہ جل مجدہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ مروان بن الحکم نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو آپ ﷺ کی قبر انور پر پڑے دیکھا تو کہا: تو یہ کیا کر رہا ہے؟ اس پر آپ نے ایمان افروز جواب دیا۔ وہ روایت یہ ہے:

عن داؤد بن أبی صالح قال: أقبل مروان يوماً فوجد رجلاً واضعاً وجهه على القبر، فقال: أقدري ماتصنع؟ فأقبل عليه فإذا هو أبو أيوبؓ، فقال: نعم، جئت رسول الله ﷺ و لم آت الحجر، سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تبكوا على الدين إذا وليه أهله، و لكن أبكوا عليه إذا وليه غير أهله۔ ❀

حضرت داؤد بن صالحؒ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز مروان آیا اور اس نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہے تو اس (مروان) نے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ تو یہ کیا کر رہا ہے؟ جب مروان اس کی طرف بڑھا، دیکھا تو وہ ابو ایوب انصاریؓ تھے۔ (جواب میں) انہوں نے فرمایا: ہاں (میں جانتا ہوں)، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں اور کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔ میں نے رسول

خدا ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:
 دین پر مت روؤ جب ابھی اس کا ولی
 اہل ہو، ہاں دین پر اس وقت روؤ
 جب اس کا ولی نا اہل ہو۔

امام احمد بن حنبل کی بیان کردہ روایت کی اسناد صحیح ہیں۔ امام حاکم نے اسے
 شیخین (بخاری و مسلم) کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار
 دیا ہے۔

آج مدد مانگ ان سے

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ آپ ﷺ سے توسل کے خلاف دلائل کو ثابت کرنے کی
 کوشش کرنا اور من گھڑت طریقوں سے صحیح اور ثقہ روایات کو ضعیف اور بے اصل قرار
 دینا سب بے فائدہ کوشش ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی حیاتی خیر
 لکم و مماتی خیر لکم (میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری وفات بھی
 تمہارے لیے خیر ہے) کے تحت فیضانِ مصطفیٰ ﷺ آج بھی اسی طرح جاری و
 ساری ہے جس طرح کہ ظاہری حیات طیبہ میں تھا۔ اور ابھی ہم نے اس صحیح الاسناد
 حدیث کو بھی بیان کیا جس میں روز قیامت آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش

== ۳۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ۱: ۲۰۰-۱۹۹، ۶۔ شفاء السقام: ۱۱۳
 رقم: ۲۸۶
 ۵۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ۱۰: ۱۶۹، ۸۔ کنز العمال، ۶: ۸۸، رقم: ۱۳۹۶۷
 رقم: ۹۳۶۲

کریں گے تو عمل حساب و کتاب شروع ہوگا۔

آئیے ذرا غور کریں کہ قیامت کا دن ہوگا، گرمی اور تپش انتہا کو پہنچی ہوگی، لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہوں گے، رب تعالیٰ کرسی پر جلوہ افروز ہوگا اور مصطفیٰ ﷺ بھی تشریف فرما ہوں گے، جملہ انبیاء کرام موجود ہوں گے اور اولین و آخرین بھی جمع ہوں گے تو ایسے میں جب وہ یہ سمجھ کر کہ ہم سب کے باپ سیدنا آدم علیہ السلام ہیں ان کے پاس جائیں گے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں کہ ہم سے اس تکلیف کو ہٹائے لیکن وہ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور وہ سب کو سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ شافعِ یوم النشور کی طرف بھیج دیں گے۔ اس تمام مرحلے میں جلیل القدر انبیاء میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں فرمائے گا کہ یہ تم کیا شرک کر رہے ہو، ہمارے پاس کس لئے آئے ہو؟ جلوہ حق سامنے ہے اس بارگاہ عالیہ میں اپنی التجا پیش کرو..... بلکہ وہ خود انہیں دوسرے نبی علیہ السلام کی طرف بھیج دیں گے کہ شاید وہ سفارش کر دیں۔

تو معلوم ہوا کہ تو سئل اور استغاثہ ایک ایسا عمل ہے جو ابتدا سے لیکر روز قیامت تک جاری و ساری ہے اور اس روز تو جواز تو سئل پر سب کا اجماع ہو جائے گا۔ لطیف نکتہ یہ ہے کہ عالم انسانیت کی پہلی ہستی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے جب لغزش ہوئی تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بطور وسیلہ پیش کیا اور ان کی لغزش معاف ہوئی۔ اپنی لغزش کی وجہ سے وہ جس کرب و پریشانی میں مبتلا تھے انہیں اس وسیلہ جلیلہ سے نجات ملی اور یوم آخرت بھی جب اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہو رہا ہوگا اور حساب کتاب کے شروع نہ ہونے کی وجہ سے اولین و آخرین پریشان ہوں گے، تب بھی انہیں نجات ہمارے آقا ﷺ کے وسیلہ سے ملے گی۔ تو معلوم ہوا کہ عالم

بشریت کے پہلے انسان کے لئے وسیلہ مصطفیٰ ﷺ پریشانی سے نجات کا سبب بنا اور جب اس کا خاتمہ ہو رہا ہوگا تو تب بھی تمام انسانوں کو پریشانی سے نجات ہمارے آقا و مولا حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ملے گی۔ خوش بخت و خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو آج بھی اس صحیح عقیدے پر قائم ہیں اور قیامت کو بھی وہ اس کا نظارہ کریں گے۔ اے حضرات نے فرمایا تھا:

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

فصل چہارم

تبرکاتِ نبوی ﷺ سے توسل

یہ حقیقت ہے کہ صالحین سے منسوب چیزیں بڑی بابرکت اور فیض رساں ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کے آثار کو بطور تبرک محفوظ رکھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے انبیاء کے تبرکات کا ذکر کیا ہے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی آل کے تبرکات سے بنی اسرائیل کا برکت حاصل کرنے کا ذکر کچھ یوں کیا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَ آلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٢٨﴾

اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا: اس کی سلطنت (کے) مِنْ جَانِبِ اللّٰہ (ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا، اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے، اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا۔ اگر تم ایمان والے ہو تو بے شک اس میں

تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض سے برکت حاصل کرنے کا واقعہ کچھ یوں ذکر کیا ہے:

إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ
عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۚ وَ
أَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۚ وَلَمَّا
فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي
لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ
تَفْنِدُون ۚ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي
ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۚ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ
الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ
بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي
أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۚ

میرا یہ قمیض لے جاؤ، سوا سے میرے
باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا
ہو جائیں گے اور (پھر) اپنے سب گھر
والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ اور
جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا، ان
کے والد (یعقوب) نے (کنعان میں
بیٹھے ہی) فرمادیا: بیشک میں یوسف کی
خوشبو پارہا ہوں اگر تم مجھے بڑھاپے
کے باعث بہکا ہوا خیال نہ کرو۔ وہ
بولے: اللہ کی قسم! یقیناً آپ اپنی
(اسی) پرانی محبت کی خود رنگی میں ہیں۔
پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا، اس
نے وہ قمیض یعقوب کے چہرے پر
ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ

آئی۔ یعقوب نے فرمایا: کیا میں تم سے
 نہیں کہتا تھا کہ بیشک میں اللہ کی طرف
 سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں
 جانتے۔

کتاب احادیث و سیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کروانے کے علاوہ بھی بہت سی صورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول
 برکت کرتے تھے، مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا اپنے اوپر مسح کرواتے؛ خود
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو تبرکاً مس کرتے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے
 تبرک حاصل کرتے؛ جس پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دست اقدس دھوتے اس سے تبرک
 حاصل کرتے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے کھانے سے تبرک حاصل کرتے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے پسینہ مبارک سے؛ لعاب دہن مبارک سے؛ ناک مبارک سے نکلنے والی ریخت
 سے؛ موئے مبارک (جو حجامت کے وقت اترتے، نیچے نہ گرنے دیتے تھے) سے؛ ناخن
 مبارک سے؛ لباس مبارک سے؛ عصاء مبارک سے؛ انگوٹھی مبارک سے؛ بستر مبارک
 سے؛ چارپائی مبارک سے؛ چٹائی مبارک سے؛ الغرض ہر اس چیز سے تبرک حاصل
 کرتے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے تھوڑی یا زیادہ نسبت ہوتی۔ حتیٰ کہ
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین عظام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے
 اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک سے بھی تبرک حاصل کیا۔ بلکہ جن مکانوں اور رہائش
 گاہوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکونت اختیار فرمائی، جن جگہوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں
 ادا فرمائیں اور جن راستوں پر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ان کی گرد و غبار تک سے بھی
 انہوں نے تبرک حاصل کیا۔ یہاں تک کہ صحابہ و تابعین کے ادوار کے بعد نسلان بعد نسلان

ہر زمانے میں اکابر ائمہ و مشائخ اور علماء و محدثین کے علاوہ خلفاء و سلاطین حضور ﷺ کے آثار و تبرکات کو بڑے ادب و احترام سے محفوظ رکھتے تھے۔ خصوصی ایام میں بہت اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی زیارت کروائی جاتی تھی، ان سے تبرک حاصل کیا جاتا تھا اور ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

ادب و احترام کا یہی تقاضا آپ ﷺ کی سنن مقدسہ، احادیث مبارکہ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے ذکر مبارک کے باب میں بھی ملحوظ رہنا تقاضائے ادب ہے۔ اسی طرح اہل بیت اطہار، صحابہ کرام اور آل پاک سب کی محبت و ادب بھی اسی نسبت سے واجب ہے۔ ایسے امور کے ملحوظ رکھنے سے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو بہت سے ظاہری و باطنی تبرکات سے نوازتا ہے۔ اس کے برعکس ان کی بے ادبی کرنے سے بہت سی آفات و بلیات نازل ہوتی ہیں جن کا عام لوگوں کو ادراک نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آپ ﷺ کے استعمال کی متعدد چیزیں بطور تبرک موجود تھیں ان میں بعض تبرکات اور ان سے توسل کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ قرب مصطفیٰ ﷺ میں دفن ہونے کی خواہش

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے قریب دفن ہونے کے بہت ہی زیادہ خواہاں تھے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اجازت لینے کے لئے بھیجا جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہوا تھا کہ وہ اس جگہ کو اپنے لئے پسند فرماتی ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس جگہ کو اپنے لئے پسند کرتی تھی مگر اب میں عمرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور اپنے والد کو خوشخبری

سنائی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: الحمد للہ! میرے نزدیک سب سے اہم معاملہ یہ تھا۔ روایت اس طرح ہے:

حدثنا حصين بن عبد الرحمن،
عن عمرو بن ميمون الأودي
قال: رأيت عمر بن
الخطابؓ، قال: يا عبد الله
بن عمر! اذهب إلى أم
المؤمنين عائشة رضي الله عنها،
فقل: اقرأ عمر بن الخطاب
عليك السلام، ثم سلها أن
أدفن مع صاحبي، قالت: كنت
أريده لنفسي فلا وثرته اليوم
على نفسي، فلما أقبل، قال له:
ما لديك؟ قال: أذنت لك يا
أمير المؤمنين، قال: ما كان
شيء أهم إلي من ذلك
المضجع فإذا قبضت
فاحملوني ثم سلموا، ثم قل:
يستاذن عمر بن الخطاب فإن
أذنت لي فأدفنوني، و إلا

حضرت حصین بن عبد الرحمن، عمرو بن میمون اودی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ فرماتے تھے: اے عبد اللہ بن عمر! تم ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور کہو عمر بن خطابؓ آپؓ کو سلام کہتا ہے اور پھر اجازت مانگنا کہ کیا مجھے اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ دفن ہونے کی اجازت ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ جب وہ پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا خبر لیکر آئے ہو؟ تو وہ بولے: اے امیر المؤمنین! انہوں نے آپؓ کو اجازت دیدی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: آج میرے نزدیک اس آرام

فردونی الی مقابر

گاہ سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہے۔

المسلمین۔ ❀

جب میں انتقال کر جاؤں تو مجھے یجا کر

(اس جگہ پر) سلام عرض کرنا اور عرض

کرنا کہ عمر بن خطابؓ اجازت چاہتا

ہے اگر وہ سیدہ عائشہؓ اجازت دیدیں تو

دفن کر دینا ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے

قبرستان میں دفن کر دینا۔

سیدنا عمرؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس

خواہش کی تفسیر صرف یہی ہے کہ وہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے قریب دفن

ہونے سے برکت حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا چاہتے تھے۔

۲۔ مشکیزہ سے حصول برکت

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں کبشہ

النصاری نے کہا:

نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف

لائے اور اس کے پاس ایک مشکیزہ لٹکا

ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے کھڑے

ہو کر پانی پیا۔ پھر اس نے مشکیزہ کا منہ

برکت کے باعث کاٹ کر رکھ لیا چونکہ

أن رسول الله ﷺ دخل عليها،

و عندها قربة معلقة فشرب

منها و هو قائم، فقطعت فم

القربة تبتغي بركة موضع في

رسول الله ﷺ۔ ❀❀

❀ صحیح البخاری، ۱: ۵۲۳، ۱۸۶

۲۔ جامع الترمذی، ۲: ۱۱۱==

❀❀ ۱۔ سنن ابن ماجہ: ۲۵۳

اس سے حضور ﷺ کا دہن اطہر لگا تھا۔

امام ابن ماجہ کی روایت کی سند صحیح ہے جبکہ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔

۲۔ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے اس مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا جس مشکیزہ کے منہ سے نبی کریم ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أن النبي ﷺ دخل على أم
سليم، و في البيت قربة معلقة،
فشرب من فيها و هو قائم،
قال: فقطعت أم سليم فم
القربة فهو عندنا۔ ❀

کہ حضور اکرم ﷺ ام سلیم کے پاس
آئے اور گھر میں ایک مشکیزہ (پانی کا)
لٹکا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے کھڑے
ہو کر اس مشکیزے سے (پانی) پیا۔
حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ام سلیم رضی
اللہ عنہا نے مشکیزے کے منہ کو کاٹ
لیا۔ پس وہ (اب بھی) ہمارے پاس
موجود ہے۔

== ۳۔ شمائل الترمذی: ۱۵

❀ ۱۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۱۱۹

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۶: ۳۳۴

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۶: ۳۳۱

۵۔ مسند الحمیدی، ۱: ۱۷۲، رقم: ۳۵۴

۳۔ شمائل الترمذی: ۱۵

۶۔ صحیح ابن حبان، ۱۲: ۹، رقم: ۱۳۸

۴۔ مسند ابوداؤد طیالسی، ۲۲۹، رقم: ۱۶۰۵

۵۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۵: ۱۲۷، رقم: ۳۰۷

۵۳۱۸

۷۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۵: ۱۵، رقم: ۸

۶۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ۱: ۳۷۹، رقم: ۶۵۸

۸۔ شرح السنۃ للبخاری، ۱۱: ۳۷۹، رقم:

۳۔ جبہ رسول ﷺ کے توسل سے حصولِ شفاء

عن عبد الله مولى اسماء بنت
أبي بكر أنها أخرجت إلى جبة
طيالسة كسروانية لها لبنة
ديباج، وفرجها مكفوفين
بالديباج، فقالت: هذه كانت
عند عائشة حتى قبضت، فلما
قبضت قبضتها وكان
النبي ﷺ يلبسها، فنحن
نغسلها للمرضى لنستشفى
بها۔ ❀

حضرت اسماءؓ کے مولیٰ عبد اللہ سے
روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر
نے کسروانی طیلسان کا جبہ نکالا جس
کے گریبان اور چاکوں پر ریشم کا کپڑا
لگا ہوا تھا۔ کہنے لگیں: یہ حضرت عائشہ
کے پاس تھا جب وہ فوت ہوئیں تو
میں نے لے لیا اور نبی کریمؐ اس کو پہنتے
تھے۔ ہم بیماروں کیلئے اس کو دھوتے
اور اس کے ساتھ بیماروں کیلئے شفاء
طلب کرتے ہیں۔

امام نووی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

و فی هذا الحديث دليل على
استحباب التبرک بأثار
الصالحين و ثيابهم۔ ❀❀

اس حدیث میں صالحین کے آثار اور
ان کے کپڑوں سے برکت حاصل
کرنے کے استحباب پر دلیل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۶: ۸-۳۳۷

۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۵۴

❀❀ شرح الصحیح لمسلم، ۲: ۱۹۱

❀ ۱۔ الصحیح لمسلم، ۲: ۱۹۰

۲۔ سنن ابوداؤد، ۲: ۲۰۶

۳۔ سنن ابن ماجہ، ۲: ۲۶۵

إِتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَاتِماً
 مِنْ وَرَقٍ وَ كَانَ فِي يَدِهِ، ثُمَّ
 كَانَ بَعْدَ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ
 كَانَ بَعْدَ فِي يَدِ عُمَرَ، ثُمَّ كَانَ
 فِي يَدِ عِثْمَانَ حَتَّى وَقَعَ بَعْدَ
 فِي بَثْرِ أَرِيْسٍ، نَقْشُهُ: مُحَمَّدٌ
 رَسُولُ اللَّهِ ﷺ۔ ❀

رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک
 انگٹھی بنوائی اور وہ آپ ﷺ کے ہاتھ
 میں تھی پھر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں
 رہی پھر حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہی،
 پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رہی،
 پھر ان کے ہاتھ سے اریس کے کنوئیں
 میں گر گئی۔ اس انگٹھی کا نقش یہ تھا:



۴۔ کمبل مبارک سے حصولِ برکت

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہ کمبل محفوظ تھا
 جس میں حضور ﷺ کا وصال مبارک ہوا تھا، جیسا کہ حضرت ابو بردہؓ سے مروی ہے
 کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک موٹا کمبل نکال کر ہمیں دکھایا اور بتایا:
 فِي هَذَا نَزَعَ رُوحُ حُضُورِ ﷺ كَا وَصَالِ اس كَمْبِلِ مِیْں ہوا
 النَّبِیِّ ﷺ۔ ❀❀ تھا۔

۵۔ نعلینِ پاک سے حصولِ برکت

۱۔ حضرت انسؓ کے پاس حضور ﷺ کے نعلین پاک اور ایک پیالہ بھی محفوظ تھا

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۸۷۳

۳۔ سنن ابوداؤد، ۲: ۲۴۷

۲۔ صحیح مسلم، ۲: ۱۹۶

❀❀ صحیح البخاری، ۱: ۴۳۸

جس میں حضور نبی اکرم ﷺ پانی نوش فرماتے تھے۔ نعلین پاک کے حوالے سے صحیح البخاری میں ہے:

حدثنا عيسى بن طهمان قال: أخرج إلينا أنس نعلين جرداوين، لهما قبالة، فحدثني ثابت البناني بعد عن أنس: أنهما نعلا النبي ﷺ
 حضرت عیسیٰ بن طھمانؒ سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے ہمیں دو پرانے نعلین مبارک نکال کر دکھائے ان میں سے ایک ایک کے دو تھے تھے۔ پھر ثابت بنانی نے اس کے بعد حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ یہ دونوں حضور ﷺ کے نعلین مبارک ہیں۔

۲۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ عبید بن جریح نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا: ”میں آپ کو بالوں سے صاف کی ہوئی کھال کی جوتی پہنے ہوئے دیکھتا ہوں۔“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی جوتیاں پہنے ہوئے دیکھا ہے جس میں بال نہیں ہوتے تھے اور آپ ﷺ وضو کر کے اس میں پاؤں مبارک رکھتے تھے، لہذا میں ایسی جوتیاں پہننا پسند کرتا ہوں۔“ ❀❀

۳۔ امام قسطلانی اپنی کتاب ’المواہب اللدنیہ (۲: ۱۱۸-۹)‘ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ حضور نبی اکرم ﷺ کے خادین میں سے تھے اور آپ ﷺ کی

❀❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۸۷۰

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۱: ۴۳۸

۲۔ شمائل الترمذی: ۷

۲۔ شمائل الترمذی: ۷

خدمت اقدس میں تکیہ، مسواک، نعلین اور وضو کے لیے پانی لے کر حاضر رہتے۔ جب آپ ﷺ قیام فرماتے تو وہ آپ ﷺ کو نعلین مبارک پہنا دیتے اور جب آپ ﷺ تشریف رکھتے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نعلین پاک اٹھا کر بغل میں دبا لیتے تھے۔

امام قسطلانی مزید لکھتے ہیں:

”نعلین پاک کی فضیلت، منفعت اور برکت جو بیان کی گئی ہے، اس میں سے ایک وہ ہے جو صالح شیخ ابو جعفر بن عبد المجید نے بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نعلین پاک کا نمونہ اپنے ایک طالب علم کو دیا۔ ایک دن وہ میرے پاس آ کر کہنے لگا: کل میں نے نعلین پاک کی عجیب برکت دیکھی۔ میری بیوی شدید درد کی وجہ سے قریب المرگ تھی۔ میں نے نعلین پاک کو درد کی جگہ پر رکھا اور کہا: اے اللہ! مجھے اس نعلین کے مالک ﷺ کی کرامت دکھا۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور میری بیوی فوراً صحت یاب ہو گئی۔“ ❀

حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین پاک کی بابت ابو بکر احمد بن امام ابو محمد عبداللہ بن حسین قرطبیؒ کہتے ہیں:

و	نعل	خَضَعْنَا	هَيْبَةً	لِبَهَائِهَا
و	إِنَّا	مَتَى	نَخْضَعُ	لَهَا أَبَدًا
	فَضَعُهَا	عَلَى	أَعْلَى	الْمَفَارِقِ
	حَقِيقَتُهَا	تَاَج	و	صَوْرَتُهَا
	نَعْلُ			

(ایسے جوتے کہ جن کی بلند و بالا عظمت کو ہم تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ اس

عظمت کو تسلیم کر کے ہی ہم بلند ہو سکتے ہیں۔ اس لیے انہیں بلند ترین جگہ پر رکھنا چاہیے کیونکہ درحقیقت یہ (سر کا) تاج ہیں اگرچہ دیکھنے میں جوتے ہیں۔) ❀

جب امام فغانی نے پہلی مرتبہ نعلین پاک دیکھے تو بے اختیار بول پڑے:

و لو قيل للمجنون ليلي و وصلها

تريد أم الدنيا و ما في زواياها

لقال غبار من تراب نعالها

أحب إلى نفسي و الشفا لي بلائها

(اور اگر لیلیٰ کے مجنوں سے پوچھا جاتا کہ تو لیلیٰ سے ملاقات اور مال و زر دنیا

میں سے کس چیز کو ترجیح دے گا؟ تو وہ بے اختیار پکار اٹھتا: ”اس کی جوتیوں

سے اٹھنے والی خاک مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہے اور اس کی

مصیبتیں رفع کرنے کے لئے سب سے بہترین علاج ہے۔“)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ علماء دیوبند نے نعلین پاک کے متعلق کتب تالیف کی

ہیں:

۱۔ مولانا شہاب الدین احمد مقری نے ”فتح المتعال فی مدح النعال“ نامی کتاب لکھی۔

۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے ”نیل الشفاء بنعال المصطفیٰ“ نامی رسالہ لکھا جو کہ ان کی

کتاب ”زاد السعید“ میں پایا جاتا ہے۔

مولانا محمد زکریا کاندھلوی لکھتے ہیں:

”نعل شریف کے برکات و فضائل مولانا اشرف علی تھانوی کے رسالہ ”زاد

السعيد کے اخیر میں مفصل مذکور ہیں جس کو تفصیل مقصود ہو، اس میں دیکھ لے۔ مختصر یہ کہ اس کے خواص بے انتہا ہیں، علماء نے بارہا تجربے کئے ہیں۔ اسے اپنے پاس رکھنے سے حضور ﷺ کی زیارت میسر ہوتی ہے، ظالموں سے نجات حاصل ہوتی ہے، ہر دلعزیزی میسر ہوتی ہے، غرض ہر مقصد میں اس کے توسل سے کامیابی ہوتی ہے، طریق توسل بھی اسی میں مذکور ہے۔ ❀

اس بحث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت اور آپ ﷺ کی اشیاء کی تعظیم و تکریم ہی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہیں۔ جیسا کہ امام احمد رضا خان کہتے ہیں:

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضور ﷺ
تو پھر کہیں گے کہ ہاں، تاجدار ہم بھی ہیں

۶۔ پیالہ مبارک سے حصولِ برکت

۱۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال لي عبد الله بن سلام: ألا
أسقيك في قدح شرب
النبي ﷺ فيه؟ ❀❀
مجھے عبد اللہ بن سلام نے کہا: کیا میں
آپ کو اس پیالے میں (پانی) نہ
پلاؤں جس میں آقا ﷺ نے نوش فرمایا

تھا؟

۲۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

❀ شامل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی: ۷۷

❀❀ صحیح البخاری، ۲: ۸۴۲

فأقبل رسول الله ﷺ يومئذ
حتى جلس في سقفة بني
ساعدة هو و أصحابه ثم قال:
اسقنا، لسهل۔ قال: فأخرجت
لهم هذا القدح فأسقيتهم فيه۔
قال أبو حازم: فأخرج لنا سهل
ذلك القدح فشربنا فيه۔ ثم
استوهبه بعد ذلك عمر بن
عبد العزيز، فوهبه له۔ و في
رواية أبي بكر بن إسحاق،
قال: اسقنا يا سهل۔ ❀

حضور نبی اکرم ﷺ ایک دن اپنے
صحابہؓ کے ہمراہ سقیفہ بنی ساعدہ میں
تشریف فرما ہوئے۔ پھر حضرت سهل
سے فرمایا کہ مجھے (پانی) پلاؤ۔ پھر میں
نے ان کے لیے یہ پیالا نکالا اور انہیں
اس میں (پانی) پلایا۔ ابو حازم نے کہا:
سهل نے ہمارے لیے وہ پیالہ نکالا اور
ہم نے بھی اس میں پیا۔ پھر حضرت عمر
بن عبدالعزیز نے وہ پیالہ ان سے
مانگ لیا تو حضرت سهل نے وہ پیالہ ان
کو دے دیا۔ اور ابوبکر بن اسحاق کی
روایت میں ہے کہ اس نے کہا: اے
سهل! ہمیں پانی پلاؤ۔

۳۔ حضرت حجاج بن حسانؓ بیان کرتے ہیں:

کنا عند أنس بن مالك، فدعا
بإناء فيه ثلاث ضباب حديد و
حلقة من حديد، فأخرج من
هم حضرت انسؓ کے پاس تھے کہ
آپ نے ایک برتن منگوایا جس میں
لوہے کی تین مادہ گوہ اور لوہے کا ایک

چھلا تھا۔ آپ نے اسے سیاہ غلاف سے نکالا، جو درمیانے سائز سے کم اور نصف چوتھائی زیادہ تھا۔ اور حضرت انس کے حکم سے اس میں ہمارے لیے پانی ڈال کر لایا گیا تو ہم نے پانی پیا اور اپنے سروں اور چہروں پر ڈالا اور آقا ﷺ پر درود پڑھا۔

غلاف أسود و هو دون الربع و فوق نصف الربع، فأمر أنس بن مالك فجعل لنا فيه ماء فأتينا به فشربنا وصبنا على رؤوسنا و وجوهنا و صلبنا على النبي ﷺ۔ ❀

اس روایت کی اسناد صحیح ہیں۔

۴۔ اور جب وہ پیالہ ٹوٹ گیا جس میں آقا ﷺ نے پانی پیا تھا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھا تو اس کی مرمت کا انہوں نے جس قدر اہتمام کیا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی کریم ﷺ سے منسوب اشیاء کو کس قدر حرز جاں بنائے ہوئے تھے۔

روایت میں آیا ہے:

حضور نبی کریم ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا تو (حضرت انس رضی اللہ عنہ نے) عام چیز کی بجائے چاندی کی زنجیر سے اسے ٹھیک کیا۔ عاصم (راوی) کہتے ہیں: خود

أن قدح النبي ﷺ انكسر فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة۔ قال عاصم: رأيت القدح و شربت فيه۔ ❀❀

❀ ۱۔ مسند احمد حنبلی، ۳: ۱۸۷

۲۔ البدایہ والنہایہ، ۴: ۳۷۰

❀❀ صحیح البخاری، ۱: ۲۳۸

میں نے وہ پیالہ دیکھا ہے اور اسی میں
پانی بھی پیا ہے۔

۷۔ موئے مبارک سے حصول برکت

تبرکات کو محفوظ رکھنے کی خود نبی اکرم ﷺ نے تعلیم دی اور اپنے صحابہ کے اندر
عملاً یہ شعور بیدار کر دیا تھا کہ وہ حضور ﷺ کے تبرکات کو حاصل کرنے کا کوئی موقع ضائع
نہیں جانے دیتے تھے۔

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب حضور ﷺ حج کے موقع پر قربانی دینے
سے فارغ ہوئے تو

ناول الحالق شقہ الأيمن
فحلقة، ثم دعا أبا طلحة
الأنصاري فأعطاه إياه، ثم ناوله
الشَّقَّ الأيسر، فقال: احلق۔
فحلقة، فأعطاه أبا طلحة،
فقال: اقسامه بين الناس۔ ❀

آپ ﷺ نے سرانور کا دایاں حصہ
حجام کے سامنے کر دیا، اس نے بال
مبارک مونڈھ دیئے۔ پھر آپ ﷺ
نے حضرت طلحہؓ کو بلایا اور وہ بال ان
کو دبے دیئے اس کے بعد حجام کے
سامنے دوسری جانب فرمائی، اس نے
ادھر کے بال بھی مونڈھ دیئے۔
آپ ﷺ نے وہ بال حضرت ابو طلحہؓ کو

❀ ۱۔ صحیح لمسلم، ۴: ۱، ۴۲۱	۵۔ مسند الحمیدی، ۲: ۵۱۲، رقم: ۱۲۲۰
۲۔ سنن ابوداؤد، ۱: ۲۷۹	۶۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۵: ۱۳۴
۳۔ جامع الترمذی، ۱: ۱۱۱	۷۔ صحیح ابن خزیمہ، ۳: ۲۹۹، رقم: ۲۹۲۸
۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۲۱۳، ۲۰۸، ۱۱۱	۸۔ شرح السنۃ للبغوی، ۷: ۲۰۶، رقم: ۱۹۶۲

دے دیئے اور فرمایا: یہ بال لوگوں
میں بانٹ دو۔

۲۔ ابن سیرینؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ لما خلق
رأسه، كان أبو طلحة أول من
أخذ من شعره۔ ❀

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک
منڈوایا تو حضرت ابو طلحہؓ پہلے شخص
تھے جنہوں نے آپ ﷺ کے بال
مبارک لیے۔

۳۔ اسی طرح ایک اور روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے:

لقد رأيت رسول الله ﷺ،
والحلاق يحلقه وأطاف به
أصحابه، فما يريدون أن تقع
شعرة إلا في يد رجل۔ ❀❀

میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ حجام
آپ ﷺ کے سر مبارک کی حجامت بنا
رہا ہے اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے گرد
حلقہ باندھے ہوئے تھے اور چاہتے
تھے کہ حضور ﷺ کا جو بال بھی گرے
وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرے۔

۴۔ ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں:

قلت لعبيدة: عندنا من شعر

میں نے عبیدہؓ سے کہا کہ ہمارے پاس

۳۔ الطبقات الكبرى، ۱: ۴۳۱

۴۔ السنن الكبرى للبيهقي، ۷: ۶۸

۵۔ البداية والنهاية، ۴: ۱۴۰

❀ صحيح البخاري، ۱: ۲۹

❀❀ صحيح مسلم، ۲: ۲۵۶

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۱۳۳، ۱۳۷

النبي ﷺ، أصبناه من قبل
أنس، أو من قبل أهل أنس،
فقال: لأن تكون عندى شعرة
منه أحب إليّ من الدنيا وما
فيها۔ ❀

نبی اکرم ﷺ کے بال مبارک ہیں جن
کو میں نے انس یا ان کے گھر والوں
سے حاصل کیا ہے۔ عبیدہ نے کہا کہ
اگر ان میں سے ایک بال میرے پاس
ہو تو وہ بال مجھے ساری دنیا اور جو کچھ
اس میں ہے، سے زیادہ محبوب ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں
آپ ﷺ کے بال مبارک سے برکت حاصل کرنے کا بیان ہے۔“ ❀❀
۵۔ ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت انسؓ نے فرمایا:

هذه شعرة من شعر رسول
الله ﷺ فضعها تحت لسانى۔
قال: فوضعها تحت لسانه،
فدفن و هى تحت
لسانه۔ ❀❀❀
یہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا ایک
بال مبارک ہے، پس تم اسے میری
زبان کے نیچے رکھ دینا۔ وہ کہتے ہیں:
میں نے وہ بال آپؐ کی زبان
کے نیچے رکھ دیا اور انہیں اس حال میں
دفنایا گیا کہ وہ بال ان کی زبان کے
نیچے تھا۔

۶۔ عثمان بن عبد اللہ بن موہب بیان کرتے ہیں:

❀❀ فتح الباری، ۱: ۲۷۴
❀❀❀ الاصابۃ فی تمییز الصحابة، ۱: ۷۱

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۱: ۲۹
۲۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۷: ۶۷-۸

أرسلني أهلي إلى أم سلمة
 بقدر من ماء، و قبض إسرائيل
 ثلاث أصابع من قُصَّة فيه شعر
 من شعر النبي ﷺ، و كان إذا
 أصاب الإنسان عين أو شيء
 بعث إليها مَخْضَبَةً. فاطلعتُ
 في الجُلُجُل فرأيتُ شعراتٍ
 حمراء. ❀

مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام
 سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا
 ایک پیالہ دے کر بھیجا۔ اسرائیل نے
 تین انگلیاں پکڑ کر اس پیالے کی طرح
 بنا میں جس میں نبی اکرم ﷺ کا موئے
 مبارک تھا، اور جب کبھی کسی کو نظر لگ
 جاتی یا کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ حضرت ام
 سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس (پانی
 کا) برتن بھیج دیتا۔ پس میں نے برتن
 میں جھانک کر دیکھا تو میں نے چند
 سرخ بال دیکھے۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

”حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک
 چاندی کی بوتل میں تھے۔ جب لوگ بیمار ہوتے تو وہ ان بالوں سے برکت حاصل
 کرتے اور ان کی برکت سے شفا پاتے۔ اگر کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ
 اپنی بیوی کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس برتن دیکر بھیجتے جس میں پانی ہوتا
 اور وہ اس پانی میں سے بال مبارک گزار دیتیں اور بیمار وہ پانی پی کر شفا یاب ہو جاتا اور
 اس کے بعد موئے مبارک چلچکل میں رکھ دیا جاتا۔ ❀❀

۸۔ حضور اکرم ﷺ کے مس شدہ کپڑے کو کفن بنانا

۱۔ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور ﷺ نے ان کی تجہیز و تکفین کے لئے خصوصی اہتمام فرمایا، غسل کے بعد جب انہیں قمیص پہنانے کا موقعہ آیا تو آپ ﷺ نے اپنا کرتہ مبارک عورتوں کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ یہ کرتہ پہنا کر اوپر کفن لپیٹ دیں۔ ❀

کرتہ عطا فرمانے کا مقصد یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ وہ اس کے فیوض و برکات سے مستفید ہو جائیں۔

۲۔ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے کفن لپیٹنے کے لئے اپنا ازار بند مبارک عطا فرمایا۔ ❀❀

❀❀❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۱: ۱۶۸	❀❀ ۱۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۲: ۲۴۲-۲۵۱، رقم: ۸۷۱
۲۔ صحیح المسلم، ۱: ۳۰۴	۲۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ۱: ۱۵۲-۱۵۳، رقم: ۱۹۱
۳۔ سنن ابوداؤد، ۲: ۹۲	۳۔ الاستیعاب لابن عبدالبر، ۴: ۳۸۲
۴۔ سنن النسائی، ۱: ۲۶۷، ۲۶۶	۴۔ حلیۃ الاولیاء لابن نعیم، ۳: ۱۲۱
۵۔ جامع الترمذی، ۱: ۱۱۸	۵۔ العلل المتناہیۃ لابن الجوزی، ۱: ۲۶۸-۲۶۹، رقم: ۳۳۳
۶۔ سنن ابن ماجہ، ۱: ۱۰۶	۶۔ صفۃ الصفوة لابن الجوزی، ۲: ۳۸
۷۔ موطا امام مالک، ۳: ۲۰۳	۷۔ اسد الغابۃ، ۷: ۲۱۳
۸۔ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۸۴	۸۔ وفاء الوفاء للمصمودی، ۳: ۸۷-۸۹
۹۔ مسند احمد بن حنبل، ۶: ۴۰۷	۹۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابة، ۴: ۳۸۰
۱۰۔ مسند الحمیدی، ۱: ۶۵-۱۷۵، رقم: ۳۶۰	
۱۱۔ صحیح ابن حبان، ۷: ۳۰۴، ۳۰۲	
رقم: ۳۰۳۲-۳۰۳۳	

۳۔ اسی طرح ایک خاتون نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک چادر پیش کی۔ جب آپ ﷺ نے وہ زیب تن فرمائی تو ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کتنی حسین چادر ہے، مجھے عنایت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے انہیں عنایت فرمائی۔ حاضرین نے اس کو اچھا نہیں سمجھا اور چادر مانگنے والے کو ملامت کی کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ حضور ﷺ کسی سائل کو واپس نہیں لوٹاتے تو تم نے یہ چادر کیوں مانگی؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے یہ چادر استعمال کے لئے نہیں لی بلکہ اپنا کفن کے لئے لی ہے تاکہ میں بھی اس سے برکت حاصل کروں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن سهل بن سعد قال: جاءت امرأة إلى النبي ﷺ ببردة، فقال سهل للقوم: أتدرون ما البردة؟ فقال القوم: هي الشملة۔ فقال سهل: هي شملة منسوجة فيها حاشيتها، فقالت: يا رسول الله! أکسوک هذه، فأخذها النبي ﷺ - محتاجاً إليها فلبسها، فرآها عليه رجل من أصحابه، فقال: يا رسول الله!

سهل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے لئے بردہ یعنی چادر لیکر آئی۔ سهل نے لوگوں سے کہا: جانتے ہو کہ بردہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: بڑی کھلی چادر ہے۔ سهل نے کہا: بردہ وہ چادر ہے جو لکیر دار ہو۔ اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! (یہ چادر) آپ کو پہننے کیلئے پیش کرتی ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے وہ چادر قبول فرمائی اس حال میں کہ آپ ﷺ کو اس کی

== ۱۲۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۵: ۲۵-۵۰،

رقم: ۹۹-۹۷، ۵۰، ۹۳، ۹۴، ۸۸، ۸۶

ما أحسن هذه، فأكسنيها، فقال: نعم۔ فلما قام النبي ﷺ لآمته أصحابه، قال: ما أحسنت حين رأيت النبي ﷺ أخذها محتاجا إليها، ثم سألتها إياها، وقد عرفت أنه لا يُسئل شيئا فيمنعه، فقال: رجوت بركتها حين لبسها النبي ﷺ، لعلني أكفن فيها۔ ❀

ضرورت تھی۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے وہ پہنی۔ صحابہ میں سے ایک آدمی نے وہ چادر دیکھی تو عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہی اچھی چادر ہے، آپ ﷺ یہ مجھے عطا فرمادیں۔ فرمایا: ہاں! تم لے لو۔ جب نبی کریم ﷺ اٹھ کر چلے گئے تو آپ ﷺ کے صحابہ نے اس کو ملامت کی۔ انہوں نے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا جب تو نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپ ﷺ نے وہ چادر لے لی ہے حالانکہ آپ کو اس کی ضرورت تھی اور تو جانتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کوئی بھی سوال کیا جائے تو آپ ﷺ انکار نہیں فرماتے۔ اس آدمی نے کہا: جب نبی کریم ﷺ نے اس کو پہن لیا تو میں نے اس کی برکت کی امید کی شاید کہ

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۴۳۳۔

۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۱: ۴۵۴۔

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۵: ۲۸۶، ۸۹۲۔

۲۔ صحیح البخاری، ۱: ۲۸۱، ۱۷۰۔

۳۔ سنن ابن ماجہ: ۲۶۲۔

میں اسی میں کفنایا جاؤں۔

سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ اسے اس چادر میں دفنایا گیا۔

۴۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

أتى النبي ﷺ عبد الله بن أبي
بعد ما دفن، فأخرجته، فنفت فيه
من ريقه، و ألبسه قميصه۔ ❀

حضور نبی رحمت ﷺ عبد اللہ بن ابی کے
پاس اس کے دفن ہونے کے بعد پہنچے تو
آپ ﷺ نے اسے باہر نکلوایا، اپنا
لعاب دہن مبارک اس کے منہ
میں ڈال دیا اور اپنا کرتہ اسے پہنا دیا۔

یہی روایت ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ اس طرح بھی نقل کی گئی ہے:

أتى النبي ﷺ عبد الله ابن أبي
بعد ما أدخل قبره، فأمر به
فأخرج، و وضع على ركبتيه،
و نفت عليه من ريقه، و ألبسه
قميصه۔ ❀❀

نبی اکرم ﷺ عبد اللہ بن ابی کے پاس
اس وقت تشریف لائے جب وہ قبر میں
رکھا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو
نکالنے کا حکم دیا (اور جب اسے باہر
نکالا گیا تو) آپ ﷺ نے اپنے گھٹنوں
پر اسے رکھا اور اس پر اپنا لعاب دہن

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۱: ۱۶۹

❀❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۸۶۲

۲۔ صحیح البخاری، ۱: ۱۸۰

۳۔ الصحیح لمسلم، ۲: ۳۶۸

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۳۷۱

۳۔ سنن النسائی، ۱: ۲۸۴، ۲۶۹

۵۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۳۸۱

۶۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳: ۳۰۲

۷۔ المغازی للواقدي، ۲: ۱۰۵

ملتے ہوئے دم کیا اور اسے اپنی قمیص
پہنائی۔

۵۔ حضرت عبداللہ ﷺ روایت کرتے ہیں:

لما توفي عبد الله بن أبي، جاء
ابنه إلى رسول الله ﷺ فقال: يا
رسول الله! أعطني قميصك
أكفنه فيه و صل عليه، و
استغفر له، فأعطاه قميصه۔ ❀

جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس
کے بیٹے نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت
اقدم میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ
کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی قمیص عنایت کر دیجئے تاکہ اس کیلئے
اس کا کفن بناؤں اور آپ صلی اللہ
علیہ وسلم اس پر نماز پڑھ دیجئے اور
اس کے لیے مغفرت طلب کیجئے، تو
آپ ﷺ نے اسے اپنی قمیص مبارک
عنایت کر دی۔

۸۔ صحیح ابن حبان، ۴: ۷، رقم: ۳۷۱۵

۹۔ الاستیعاب لابن عبدالبر، ۲: ۳۳۶

۱۰۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳: ۴۰۲

۱۱۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۸: ۱۹۹

۱۲۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۵: ۲۸۷

۱۳۔ البدایہ والنہایہ، ۳: ۶۳۵

۱۴۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابة، ۲: ۳۳۶

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۶۷۷، ۶۷۸، ۸۶۲

۲۔ صحیح البخاری، ۱: ۱۶۹

۳۔ الصحیح لمسلم، ۲: ۳۶۸

۴۔ سنن النسائی، ۱: ۲۶۹

۵۔ تفسیر النسائی، ۱: ۲-۵۵۱، رقم: ۲۲۴

۶۔ جامع الترمذی، ۲: ۱۳۶

۷۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۱۸

۶۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن سفیان غزوہ تبوک میں شہید ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنی مبارک قمیص کا کفن پہنایا۔ ❀

۷۔ حضرت عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم فوت ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی مبارک قمیص کا کفن پہنا کر دفن کیا، اور فرمایا: یہ خوش بخت ہے اور اس نے اس سے سعادت حاصل کی ہے۔ ❀❀

۹۔ موئے مبارک کے تو سُل سے جنگ میں فتح و

کامرانی

عن صَفِيَّةَ بِنْتِ نَجْدَةَ: قَالَتْ وَكَانَتْ فِي قَلَنْسُوءَ خَالِدِ بْنِ وَلِيدٍ شَعْرَاتٌ مِنْ شَعْرِهِ فَسَقَطَتْ قَلَنْسُوتُهُ فِي بَعْضِ حُرُوبِهِ، فَشَدَّ عَلَيْهَا شِدَّةً أَنْكَرَ عَلَيْهِ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ كَثْرَةَ مَنْ قُتِلَ فِيهَا، فَقَالَ: لَمْ أَفْعَلْهَا بِسَبَبِ الْقَلَنْسُوءِ، بَلْ لَمَّا تَضَمَّنَتْهُ مِنْ شَعْرِهِ غَلَبَ ﷺ لَنَا

حضرت صفیہ بنت نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی مبارک میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک تھے۔ جب وہ ٹوپی کسی جہاد میں گر پڑی تو اس کے لینے کیلئے تیزی سے دوڑے جب اس جہاد میں بکثرت صحابہ کرام شہید ہوئے تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا۔ فرمایا: میں نے صرف ٹوپی کے حاصل کرنے

❀❀ ۱۔ الاستیعاب لابن عبد البر، ۲: ۲۷۹

❀ ۱۔ اسد الغابۃ، ۳: ۲۶۲

۲۔ اسد الغابۃ، ۳: ۲۰۷

۲۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲: ۳۱۸

۳۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲: ۲۹۲

أَسْلَبَ بَرَكَتَهَا وَتَقَعَ فِي أَيْدِي
الْمَشْرِكِينَ۔ ❁

کیلئے اتنی تگ و دو نہیں کی بلکہ اس ٹوپی
مبارک میں حضور ﷺ کے موئے
مبارک تھے مجھے خوف ہوا کہ کہیں اگر
یہ مشرکین کے ہاتھ لگ گئی تو اس کی
برکت سے محروم ہو جاؤں گا۔

۱۰۔ نبی اکرم ﷺ کے کھنکار مبارک سے حصولِ برکت

۱۔ سن ۶ ہجری میں جب حضور نبی کریم ﷺ اپنے جانشین صحابہ کے ساتھ حج کے
ارادے سے مکہ معظمہ کی طرف تشریف لے گئے تو راستے میں مشرکین نے ان کو روک
لیا۔ آپ ﷺ چونکہ حج کے ارادے سے نکلے تھے اسلئے جذبہ جہاد سے سرشار صحابہ کرام
کو بھی مشتعل نہ ہونے دیا۔ اس دوران دو طرفہ سفارتی مذاکرات جاری رہے۔ جب
کفار و مشرکین کی طرف سے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جو اس وقت تک اسلام نہیں
لائے تھے) سفیر بن کر آئے تو انہوں نے اس موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ آپ کے
اصحاب کی والہانہ وابستگی کا بغور مشاہدہ کیا اور واپس جا کر مشرکین سے اس کا تذکرہ اس
طرح کیا:

أَيُّ قَوْمٍ! وَاللَّهِ، لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى
الْمَلُوكِ، وَوَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ
وَكَسْرَىٰ وَالنَّجَاشِيِّ، وَاللَّهِ!
إِنْ رَأَيْتَ مُلْكًا قَطَّ يَعْظُمُهُ
أَعْقَابُ قَوْمٍ (كُفَّارِ مَكَّةَ!) اللَّهُ كَيْ قَسَمَ! مِثْلُ
بَادِشَاهُونَ كَعِ دَرَبَارُونَ مِثْلُ حَاضِرِ هَوَا
هَوْنَ أَوْرَقِيسِرَ وَكَسْرَىٰ أَوْرَنْجَاشِي كَعِ هَا
بَهِي كَيَا هَوْنَ۔ اللَّهُ كَيْ قَسَمَ! مِثْلُ نَعْبِي

أَصْحَابَهُ مَا يَعْظُمُ أَصْحَابُ
 مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا، وَاللَّهُ إِنْ
 تَنَحَّمْ نُخَامَةٌ إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ
 رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَلِكَ بِهَا وَجْهَةٌ
 وَجِلْدُهُ، وَ إِذَا أَمَرَهُمْ ابْتَدَرُوا
 أَمْرَهُ، وَ إِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا
 يَقْتُلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ، وَ إِذَا
 تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ،
 وَ مَا يُحَدِّثُونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا
 لَهُ، وَ إِنَّهُ قَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمْ
 خُطَّةَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوهَا۔ ❀

کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس
 کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے
 ہوں جیسی محمد ﷺ کے اصحاب
 محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم!
 انہوں نے جب کبھی کھنکھار پھینکا ہے تو
 وہ آپ ﷺ کے اصحاب میں سے
 کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرا جسے
 انہوں نے اپنے منہ اور جسم پر مل لیا۔
 جب وہ اپنے اصحاب کو حکم دیتے ہیں تو
 وہ اس کی تعمیل کے لیے دوڑتے ہیں
 اور جب وضو فرماتے ہیں تو وہ ان
 کے وضو کے پانی کے حصول کے لیے
 باہم جھگڑنے کی نوبت تک پہنچ جاتے
 ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو
 اصحاب ان کے سامنے اپنی آوازیں
 پست کر لیتے ہیں اور از روئے تعظیم ان
 کی طرف تیز نگاہ نہیں کرتے۔ انہوں
 نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے پس
 تم اسے قبول کر لو۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مریض کے لیے فرمایا کرتے تھے:

بِسْمِ اللَّهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، وَ رِيقَةُ
بَعْضِنَا، يُشْفَى سَقِيمُنَا، بِإِذْنِ
رَبِّنَا۔ ❀

اللہ کے نام سے، ہماری زمین کی مٹی
اور ہم میں سے کسی کے لعابِ دہن سے
دہن سے ہمارا بیمار اللہ کے حکم سے شفا
پائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

”حضور نبی اکرم ﷺ کے الفاظ ”ہم میں سے کسی کے لعابِ دہن سے“ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دم فرماتے وقت لعابِ دہن مبارک لگایا کرتے تھے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: ”اس حدیث کا مطلب ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنا لعابِ دہن اپنی انگشتِ شہادت پر لے کر زمین پر ملتے اور اسے منجمد کر کے اسے بیمار یا زخم کی جگہ پر ملتے اور ملتے ہوئے حدیث میں مذکور الفاظ ارشاد فرماتے۔“ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے: ”اس حدیث سے ہر بیماری میں دم کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے درمیان یہ امر عام اور معروف تھا۔“ انہوں نے یہ بھی کہا ہے: ”نبی اکرم ﷺ کا اپنی انگلی مبارک زمین پر رکھنا اور اس پر مٹی ڈالنے سے دورانِ دم اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔..... اور بے شک اس میں اسماءِ الہی اور رسول ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا بیان ہے، پھر دم اور اسماء مبارکہ وغیرہ حیران کن اثرات رکھتے ہیں جن کی

۴۔ المستدرک للحاکم، ۴: ۴۱۲

۵۔ شرح النبی للبغوی، ۵: ۲۲۳-۵، رقم: ۱۳۱۴

❀ ۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۸۵۵

۲۔ صحیح المسلم، ۲: ۲۲۳

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۶: ۹۳

حقیقت سے عقل ماؤف ہو جاتی ہے۔ ❀

مستند ترین کتب احادیث میں یہ مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے گھسنی دلوانے اور اس کا نام رکھوانے کے لیے بارگاہِ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نومولود کے منہ میں اپنا مبارک لعاب دہن ڈالتے اور یوں اس بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچتی وہ دو جہانوں کے والی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن ہوتا۔

۳۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں:

أَنهَا حَمَلَتْ بَعْدَ اللَّهِ بْنِ الزَّبِيرِ،
قَالَتْ: فَخَرَجْتُ وَ أَنَا مُتِمٌّ،
فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَنَزَلْتُ بِقُبَاءَ،
فَوَلَدَتْهُ بِقُبَاءَ، ثُمَّ أَتَيْتُ بِهِ
النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَوَضَعْتُهُ فِي حَجَرِهِ،
ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ، فَمَضَغَهَا، ثُمَّ تَفَلَّ
فِي فِيهِ، فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ دَخَلَ
جَوْفَهُ رِيقُ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم، ثُمَّ
حَنَكَهُ بِتَمْرَةٍ، ثُمَّ دَعَا لَهُ وَ بَرَّكَ
عَلَيْهِ۔ ❀❀

کہ میں (مکہ میں ہی) عبداللہ بن زبیر
سے حاملہ ہو گئی تھی (یعنی کہ وہ میرے
پیٹ میں تھے)۔ حمل کے دن پورے
ہونے کو تھے کہ میں مدینہ کے لیے
روانہ ہوئی۔ میں قبا میں اتری اور قبا میں
ہی میرا بچہ (عبداللہ بن زبیر) پیدا ہوا۔
پھر میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
اقدس میں لے کر حاضر ہوئی اور میں
نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں
ڈال دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگوائی
اور اسے چبایا۔ پھر بچہ کے منہ میں
لعاب دہن ڈال دیا اور جو چیز سب

سے پہلے اس کے پیٹ میں داخل ہوئی
وہ آپ ﷺ کا لعاب تھا۔ پھر اس کے
تالو میں کھجور لگادی، اس کے حق میں
دعا کی اور اس پر مبارکباد دی۔

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے
بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں انہیں
لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت
اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت رسول
اللہ ﷺ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے
اور اپنے اونٹ کو روغن مل رہے تھے۔
آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس
کھجوریں ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی
ہاں۔ پھر میں نے کچھ کھجوریں
آپ ﷺ کو پیش کیں، آپ ﷺ نے
وہ اپنے منہ میں ڈال کر چبائیں۔ پھر

ذہبت بعبد اللہ بن ابی طلحہ
الأنصاری إلى رسول الله ﷺ
حين ولد، و رسول الله ﷺ في
عباءة يهنأ بغيرا له فقال: هل
معك تمر؟ فقلت: نعم،
فناولته تمرات، فألقاهن في
فيه، فلا كهن، ثم فغرفا الصبي
فمجه في فيه، فجعل الصبي
يتلمظ، قال رسول الله ﷺ:
حُبُّ الأنصارِ التمر - و سماه
عبد الله۔ ❀

❀ صحیح لمسلم، ۲: ۲۰۸

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۲۱۲، ۱۹۶، ۱۷۵،

== ۲۔ صحیح البخاری، ۲: ۸۲۱

۳۔ صحیح لمسلم، ۲: ۲۰۹

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۶: ۳۳۷، ۹۳

آپ ﷺ نے بچہ کا منہ کھول کر اسے
بچہ کے منہ میں ڈال دیا اور بچہ اسے
چوسنے لگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: انصار کو کھجوروں سے محبت ہے۔
اور اس بچے کا نام عبداللہ رکھا۔

۱۱۔ حضور ﷺ کے پسینہ مبارک سے تبرک حاصل کرنا

حضرت ثمامہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے
روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم
رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے لیے
چمڑے کا ایک گدا بچھایا کرتی تھیں اور
حضور ﷺ ان کے ہاں اسی گدے پر
قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ (حضرت
انسؓ کا) بیان ہے کہ جب نبی
اکرم ﷺ سونے سے بیدار ہو کر اٹھ
کھڑے ہوتے تو میں آپ ﷺ کا
پسینہ مبارک اور موئے مبارک جمع
کر لیتا اور ان کو ایک شیشی میں ڈال کر
خوشبو میں ملا لیا کرتا تھا۔ حضرت ثمامہؓ

۱۔ عن ثمامہ عن أنس رضي الله عنه أن
أم سليم كانت تبسط النبي
ﷺ نطعاً، فيقبل عندها على
ذالك النطع، قال: فإذا قام
النبي ﷺ أخذت من عرقه و
شعره فجمعتهم، في قارورة، ثم
جمعتهم في سكب، قال: فلما
حضر أنس بن مالك الوفاة
أوصى إلي أن يجعل في حنوطه
من ذالك السكب، قال:
فجعل في حنوطه۔ ❀

کا بیان کہ جب حضرت انسؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ وہ خوشبو ان کے کفن کو لگا دی جائے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ خوشبو ان کے کفن کو لگا دی گئی۔

۲۔ اسی طرح دوسری روایت ہے:
عن أنس بن مالك، قال: دخل علينا النبي ﷺ، فقال عندنا، فغرق و جاءت أمي بقارورة، فجعلت تسليط العرق فيها، فاستيقظ النبي ﷺ، فقال: يا أم سليم! ما هذا الذي تصنعين؟ قالت: هذا عرقك نجعله في طيبنا و هو من أطيب الطيب۔ ❀

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ آپ ﷺ کو پسینہ آیا اور میری والدہ ایک شیشی لیکر آئیں اور آپ ﷺ کا پسینہ پونچھ پونچھ کر اس میں ڈالنے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کی: یہ آپ ﷺ کا پسینہ ہے جس کو ہم اپنی خوشبو میں ڈالیں گے اور یہ سب سے اچھی خوشبو ہے۔

۱۲۔ دستِ محمد ﷺ کے غسلِ سالہ سے حصولِ تبرک

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کنتُ عند النبی ﷺ و هو نازل بالجعرانة بین مکة و المدينة، و معہ بلال، فأتی رسول اللہ ﷺ رجل أعرابی، فقال: ألا تُنجز لی، یا محمد! ما وعدتني؟ فقال له رسول اللہ ﷺ: أبشر۔ فقال له الأعرابی: أكثر علی من أبشر۔ فأقبل رسول اللہ ﷺ علی أبی موسیٰ و بلال، کهیئة الغضبان۔ فقال: إن هذا قد ردّ البشري فأقبلا أنتما۔ فقالا: قبلنا یا رسول اللہ! ثم دعا رسول اللہ ﷺ بقدرح فيه ماء، فغسل یدیه و وجهه فيه و مسح فيه، ثم قال: إشربا منه، و أفرغا علی وجوهكما و

میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ ﷺ جعرانہ میں تشریف لائے، جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے۔ ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا اور بولا: اے محمد! کیا آپ نے مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا۔ آپ نے اسے فرمایا: خوش ہو جاؤ۔ وہ بولا: آپ نے بہت دفعہ کہا ہے: ”خوش ہو جاؤ۔“ آپ ﷺ غصے کی حالت میں حضرت ابو موسیٰ اور حضرت بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس شخص نے میری بشارت کو رد کیا، اب تم دونوں میری بشارت قبول کرو۔ دونوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم نے (خوشخبری) قبول کی۔ پھر آپ ﷺ نے ایک پیالہ پانی کا منگوا یا

نحورکما، و أبشرا۔ فأخذنا
القدح ففعلا ما أمرهما به
رسول الله ﷺ، فنادتھما أم
سلمة رضي الله عنہا من وراء
الستر: أفضلا لأمكما مما فی
إنائكما، فأفضلا لها منه
طائفة۔ ❀

اور دونوں ہاتھ اور چہرہ انور دھوئے اور
اس میں کلی کی، پھر فرمایا: آسے پی جاؤ اور
اپنے منہ اور سینے پر ڈالو اور خوش ہو جاؤ۔
ان دونوں نے پیالیہ لیا اور ایسے ہی کیا
جیسے آپؐ نے انہیں فرمایا تھا۔ حضرت ام
سلمہؓ نے ان کو پردے کے پیچھے سے
آواز دی: اپنی ماں کے لیے بھی اپنے
برتوں میں سے بچاؤ۔ پس انہوں نے
ان کیلئے بھی کچھ پانی رکھ لیا۔

۱۳۔ حضور ﷺ کے ناخن مبارک سے حصول تبرک

حضرت محمد بن عبد اللہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

فخلق رسول الله ﷺ رأسه في
ثوبه فأعطاه فقسم منه على
رجال و قلم أظفاره فأعطاه
صاحبه۔ ❀❀

نبی اکرم ﷺ نے کپڑے میں سر کے
بال کٹوائے اور انہیں عطا کر دئے جس
میں سے کچھ انہوں نے لوگوں میں تقسیم
کر دیے پھر آپ ﷺ نے ناخن مبارک
کٹوائے اور اپنے صاحب کو عطا کر دیے۔

اس روایت کی اسناد صحیح ہے اور اس کے رجال مشہور وثقہ ہیں۔

۱۲۔ حضور ﷺ کے عصا مبارک سے حصول تبرک

- ۱۔ حضرت عبداللہ بن انیسؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:
- فلما قدمت علی رسولہ ﷺ
فرآنی فقال: أفلح الوجه۔
قال: قلت: قتلته، یا رسول اللہ!
قال: صدقت۔ قال: ثم قام
معی رسول اللہ ﷺ، فدخل
فی بیتہ فأعطانی عصا، فقال:
أمسک هذه عندک یا
عبداللہ بن انیس۔ قال:
فخرجت بها علی الناس،
فقالوا: ما هذه العصا؟ قال:
قلت: أعطانیہا رسول اللہ ﷺ
و أمرنی أن أمسکها۔ قالوا:
أولا ترجع إلی رسول اللہ ﷺ
فتسأله عن ذالک؟ قال:
فرجعت إلی رسول اللہ ﷺ۔
فقلت: یا رسول اللہ! لم
أعطیتنی هذه العصا؟ قال: آية
- جب میں نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں
حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر
فرمایا: کامیاب ہونے والا چہرہ
(کامیاب ہونے والا آدمی)۔ کہتے
ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ!
میں نے اس (خالد بن سفیان بن یح) کو قتل کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا
: تو نے سچ کہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ
میرے ساتھ کھڑے ہوئے اور اپنے
کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے
اور مجھے عصا عطا کیا اور فرمایا: اے
عبداللہ بن انیس! اسے اپنے پاس
رکھ۔ تو جب میں یہ عصا لیکر لوگوں
کے سامنے نکلا تو انہوں نے کہا کہ یہ
عصا (ڈنڈا) کیا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ
میں نے کہا: یہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے
عطا کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ اسے

بینی و بینک یوم القيامة، إن
أقل الناس المنحصرين يومئذ
يوم القيامة۔ فقرنها عبد الله
بسيفه فلم تزل معه حتى إذا
مات، أمر بها فصبت معه في
كفنه ثم دفنا جميعاً۔ ❀

پاس رکھو۔ تو لوگوں نے (مجھے) کہا:
کیا تم اسے رسول اللہ ﷺ کو واپس
نہیں کرو گے، تم اس سے متعلق
حضور ﷺ سے پوچھو؟ تو عبد اللہ بن
انیس کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی
خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:
اے اللہ کے رسول! یہ عصا مبارک
آپ ﷺ نے مجھے کس لیے عطا کیا
ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت
کے روز یہ تیرے اور میرے درمیان
ایک نشانی ہوگی کہ جس دن بہت کم
لوگ کسی کے ساتھ تعاون کرنے
والے ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ بن
انیس نے اس عصا کو اپنی تلوار کے
ساتھ باندھ لیا اور وہ ہمیشہ ان کے
پاس رہتا یہاں تک کہ ان کا وصال
ہو گیا۔ انہوں نے عصا کے متعلق
وصیت کی تھی کہ اس کو میرے کفن میں

رکھ دیں تو پھر ہم نے ان کو اکٹھے دفن کر دیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے:

کہ ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چھوٹی سی چھڑی تھی، جب وہ فوت ہوئے تو وہ (چھڑی) ان کے ساتھ ان کی قمیص اور پہلو کے درمیان دفن کی گئی۔

أَنَّهُ كَانَتْ عِنْدَهُ عَصِيَّةٌ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَمَاتَ فَدَفِنْتُ مَعَهُ بَيْنَ جَنْبِهِ وَ قَمِيصِهِ۔ ❀

قاضی عیاض "الشفاء (۲: ۶۲۱)" میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جہا جہا غفاری نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھین لیا اور اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑنے کی (مذموم) کوشش کی لیکن لوگوں نے شور مچا کر اسے روک دیا۔ لیکن (اس کو غیبی سزا اس طرح ملی کہ) اس کے گھٹنے پر پھوڑا نکلا جو ناسور بن گیا جس کی وجہ سے اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی اور وہ اسی سال مر گیا۔

أَن جَهَّجَاهَا الْغِفَارِيُّ أَخَذَ قَضِيبَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ يَدِ عَثْمَانَ رضی اللہ عنہ، وَ تَنَاوَلَهُ لِيَكْسِرَهُ عَلَى رُكْبَتِهِ، فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ، فَأَخَذَتْهُ الْأَكِلَةُ فِي رُكْبَتِهِ فَقَطَعَهَا، وَ مَاتَ قَبْلَ الْحَوْلِ۔

۱۵۔ منبر مبارک سے حصولِ برکت

حضور نبی اکرم ﷺ جس منبر شریف پر بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین سکھاتے تھے، عشاقِ رسول ﷺ نے اس منبر کو بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے دوسرے آثار کی طرح دل و جاں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے اور اس سے برکت حاصل کرتے۔

قاضی عیاضؒ بیان کرتے ہیں:

وَرَأَى ابْنَ عَمْرٍو وَاضْعَايَدهُ عَلٰى
مَقْعَدِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ
وَضَعَهَا عَلٰى وَجْههٖ۔ ❀

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جاتا کہ وہ
منبر (نبوی) کی وہ جگہ جہاں حضور ﷺ
تشریف فرما ہوتے، اسے اپنے ہاتھ
سے چھوتے اور پھر ہاتھ اپنے چہرہ پر مل
لیتے۔

۱۶۔ حضور ﷺ کے عطا شدہ سونے سے حصولِ تبرک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ آقا ﷺ سے منسوب کسی شے کی حفاظت اپنی
جان سے زیادہ کرتے اور حتی المقدور اسے ضائع نہ ہونے دیتے۔ حضور ﷺ نے جو
دینار خرچ کیے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں بھی سنبھال کر رکھا اور خرچ نہیں کیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نبی ﷺ کے
ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک ست اونٹ پر سوار ہونے کی وجہ سے سب سے پیچھے رہتا
تھا۔ جب میرے پاس سے نبی اکرم ﷺ گزرے تو پوچھا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا:
جابر بن عبد اللہ۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: میں

ایک سست اونٹ پر سوار ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھ سے چھڑی کے متعلق فرمایا تو میں نے چھڑی آپ ﷺ کے حضور پیش کی۔ آپ ﷺ نے اس سے اونٹ کو مارا اور ڈانٹا۔ پھر وہی اونٹ سب سے آگے بڑھ گیا۔ آپ ﷺ نے میرے اونٹ کو خریدنا چاہا تو میں عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! یہ آپ ہی کا ہے، یہ بلا معاوضہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مگر نبی اکرم ﷺ نے خریدنے پر اصرار کیا اور فرمایا کہ میں نے چار دینار کے عوض اسے تم سے خرید لیا۔ اور مجھے مدینہ منورہ تک اس پر سواری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔..... جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

یا بلال، اقضه و زدہ۔

اے بلال! (جابر کو) اس کی قیمت دو اور اس میں زیادتی کرو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو چار دینار اور ایک قیراط سونا زیادہ

دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لا تُفَارِقُنِي زِيَادَةُ رَسُولِ
اللَّهِ ﷺ۔ فَلَمْ يَكُنِ الْقِيرَاطُ
يُفَارِقُ قِرَابَ جَابِرِ بْنِ
عَبْدِ اللَّهِ۔ ❀

اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا دیا ہوا
(ایک قیراط) سونا ہم سے کبھی جدا نہ
ہوتا۔ (راوی بیان کرتے ہیں:) اور
(نبی اکرم ﷺ کا عطا کردہ) وہ ایک
قیراط (سونا) جابر بن عبد اللہ کی تھیلی
میں برابر رہتا، کبھی جدا نہ ہوتا۔

۷۱۔ ہاتھ و پاؤں مبارک سے حصولِ برکت

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا صلی
الغداة جاء خدام المدينة
بأنیتهم فیہا الماء، فما یؤتی
یاناء إلا غمس یدہ فیہ، وربما
جاؤہ فی الغداة الباردة فیغمس
یدہ فیہا۔ ❀

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز
سے فارغ ہوتے تو خدامِ مدینہ اپنے
پانی سے بھرے ہوئے برتن لے
آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر آنے والے کے
برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبودیتے۔ بسا
اوقات یہ واقعہ موسمِ سرما کی صبح میں ہوتا
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ اس میں
ڈبودیتے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لشکروں میں سے ایک لشکر میں تھے، لوگ کفار کے مقابلے سے بھاگ نکلے اور میں
بھی ان میں شامل تھا۔ پھر جب پشیمان ہوئے تو واپس مدینہ جانے کا مشورہ کیا اور عزم
مصمم کر لیا کہ اگلے جہاد میں ضرور شریک ہوں گے۔ وہاں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس جانے کی تمنا کی کہ خود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیں۔ اگر ہماری توبہ قبول
ہوگئی تو مدینہ میں ٹھہر جائیں گے ورنہ کہیں اور چلے جائیں گے۔ پھر ہم نے بارگاہِ
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بھاگنے
والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

لا، بل أنتم العُكَّارون۔ قال:

فدنونا فقبلنا يده، فقال: أنا فئة

المسلمين۔ ❀

نہیں، تم پھر لڑائی میں آنے والے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

بیان کرتے ہیں کہ (یہ سن کر ہم خوش

ہو گئے) آپ ﷺ کے نزدیک گئے اور

آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک چوما۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں مسلمانوں کی

پناہ کی جگہ ہوں (یعنی ان کا ملجا و مآویٰ

ہوں، وہ میرے سوا اور کہاں جائیں

گے، خواہ غلطی و کوتاہی کریں یا کچھ)۔

۳۔ ام ابان بنت وازع بن زارع اپنے دادا زارع جو وفد عبدالقیس کے

رکن تھے سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

❀ ۱۔ سنن ابوداؤد، ۱: ۳۶۲

۲۔ سنن ابوداؤد، ۲: ۳۶۲

۳۔ جامع الترمذی، ۱: ۲۰۵

۴۔ سنن ابن ماجہ، ۱: ۲۷۱

۵۔ الآداب المفرد للبخاری، ۳۳۸،

رقم: ۹۷۲

۶۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۷۰، ۱۰۰

۷۔ الطبقات الکبریٰ، ۴: ۱۳۵

۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۸: ۲-۵۶۱،

رقم: ۷-۵۲۵۶

۹۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۹: ۷۶-۷۷

۱۰۔ شعب الایمان للبیہقی، ۴: ۵۰-۱،

رقم: ۲۳۱۱

۱۱۔ سنن سعید بن منصور، ۲: ۲۰۹-۱۰،

رقم: ۲۵۳۹

۱۲۔ شرح السنۃ للبخاری، ۱۱: ۶۸-۹،

رقم: ۲۷۰۸

جب ہم مدینہ منورہ گئے تو اپنی ساریوں
سے جلدی جلدی اترے اور اللہ کے
پیارے رسول ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں
چومنے لگے۔

لما قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ
مِنْ رِوَاحِلِنَا، فَتَقَبَّلَ يَدَ رَسُولِ
اللَّهِ ﷺ وَرِجْلَهُ۔ ❀

۴۔ امام بخاری نے یہ روایت ام ابان سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ
ان کے دادا وازع بن عامر نے کہا:

قَدِمْنَا، فَقِيلَ: ذَاكَ رَسُولُ اللَّهِ۔
فَأَخَذْنَا بِيَدِهِ وَرِجْلِهِ
نَقْبَلُهَا۔ ❀❀

ہم (مدینہ) پہنچے تو کہا گیا: وہ ہیں اللہ
کے رسول ﷺ۔ پس ہم نے آپ ﷺ
کے ہاتھ اور پاؤں مبارک پکڑے اور
انہیں چوما۔

۵۔ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَنَّ قَوْمًا مِنَ الْيَهُودِ قَبَلُوا يَدَ
النَّبِيِّ ﷺ وَرِجْلَهُ۔ ❀❀❀

یہودیوں کے ایک وفد نے نبی
اکرم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کا
بوسہ لیا۔

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۴: ۲۳۹

۵۔ مسند ابوداؤد طیالسی، ۱۶۰: ۱۱۶۳، رقم

۶۔ المستدرک للحاکم، ۹: ۱

۷۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۸: ۷۰-۷۹،

رقم: ۷۳۹۶

۸۔ حلیۃ الاولیاء لابن نعیم، ۵: ۸-۹

۹۔ دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۲۶۸

❀ ۱۔ سنن ابوداؤد، ۴: ۳۶۳

۲۔ السنن الکبری للبیہقی، ۷: ۱۰۲

❀❀ الادب المفرد، ۳۳۹: ۳۳۹، رقم: ۹۷۵

❀❀❀ ۱۔ سنن ابن ماجہ، ۱: ۲۷۱

۲۔ جامع الترمذی، ۲: ۹۸

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۸: ۵۶۲،

رقم: ۶۲۵۸

امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے جبکہ امام ذہبی نے بھی ان کی تائید کی

ہے۔

خلاصہ کلام

اوپر بیان کردہ تمام روایات جو احادیث پاک کی معتبر کتب سے ثابت شدہ اور صحیح ہیں، اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ انبیاء و صالحین سے منسوب آثار و تبرکات فیض رساں اور پُر تاثیر ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو تبرکات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا اس قدر اہتمام فرماتے ان کا مقصد ان کو برائے نمائش محفوظ رکھنا نہیں تھا بلکہ وہ آفات و بلیات کو دفع کرنے کیلئے ان کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے۔ اور یہ بھی ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ صحابہ کرام نے ان آثار و تبرکات سے فیوض و برکات حاصل کیں اور مقاصدِ جلیلہ حاصل کئے۔

باب ششم

غیر انبیاء سے توسل

باوجود اس امر کے کہ بعض لوگ تو سُّل کے جواز پر قرآن و سنت کے جمیع احکام اور عملِ صحابہ ﷺ سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ دُنویٰ زندگی میں تو ایک دوسرے کے کام آنا اور ایک دوسرے کا وسیلہ و مدد مانگنا اور مدد کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن موت کے بعد بندے کا اپنے بدن پر اختیار نہیں ہوتا، تب اُس سے کیونکر تو سُّل کیا جاسکتا ہے؟ اور چونکہ وہ وسیلہ بننے پر قدرت نہیں رکھتا، لہذا اخروی زندگی میں اس سے تو سُّل کرنا شرک ہے۔

یہ ایک کج فہمی ہے جس کو دور کرنے کے لئے ہم دو چیزوں کی وضاحت بطورِ خاص کرنا چاہیں گے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ بندہ زندہ ہو یا قبر میں آرام کر رہا ہو دونوں صورتوں میں وہ اپنے وجود پر قطعاً مطلق طور پر با اختیار نہیں ہوتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ وہ اختیارات ہوتے ہیں جنہیں ہم حیاتِ دنیوی کے دوران استعمال کرتے اور دنیا بھر کے معاملات سرانجام دیتے پھرتے ہیں۔ یہ اختیار اللہ رب العزت کی عطا سے قائم ہے، اور اگر اس ظاہری حیات میں بھی اللہ تعالیٰ اپنا دیا ہوا یہ اختیار چھین لے تو بندہ ایک تنکا توڑنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ سو جس طرح اس عالم اسباب میں بندے کے جملہ اختیارات کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے باوجود بھی اس سے تو سُّل کرنا یا مدد طلب کرنا شرک نہیں بلکہ ایسا کرنا حکمِ خداوندی کے تحت جائز ہے، بالکل اسی طرح موت کے بعد بھی

اگر کسی بندہ بشر کو وسیلہ بنایا جائے تو اسے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مختار مانا جائے گا۔ جس طرح زندگی میں کسی بھی صورت میں بندے کو مستغاث و مختار حقیقی ماننا شرک ہے لیکن اسے وسیلہ بہر حال بنایا جاسکتا ہے اور مجازاً اسے مدد کے لئے بھی پکارا جاسکتا ہے اسی طرح بعد از موت اولیاء و صلحاء کو وسیلہ بنانا اور مستغاث مجازی مان کر ان سے استغاثہ کرنا بھی جائز ہے۔ شرک بہر حال شرک ہے خواہ وہ زندہ سے ہو یا فوت شدہ سے اور مجازی طور پر مالک و مختار مان کر مدد مانگنا زندہ سے ہو یا اہل مزار سے دونوں صورتوں میں شرک نہیں ہوگا۔ اسلام کے معیار دہرے نہیں۔ یہ نہیں کہ کوئی کام مسجد میں تو شرک نہ ہو اور مندر میں جا کر وہی عمل کریں تو شرک ہو جائے۔ اسلامی احکام اور ان سے ثابت ہونے والے نتائج ہر جگہ یکساں اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ اس بنا پر اگر کسی ڈاکٹر کو مستغاث حقیقی سمجھ کر اس سے علاج کروایا جائے تو یہ شرک قرار پائے گا۔ اس کے برعکس جب اللہ رب العزت ہی کو مستغاث حقیقی جان کر کسی بزرگ کی دعایا کسی صاحب مزار کے وسیلے کو شفا یابی کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ بھی عین روا ہے اور اسے ہرگز خلاف شریعت اسلامی نہیں گردانا جاسکتا۔

انسانیت کا مقصود حقیقی 'انسان مرتضیٰ' بننا اور معرفتِ الہی سے سرشار ہونا ہے۔ چنانچہ مقصود کو پانے کے لئے اولیاء اور صلحاء کی ذات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ معرفتِ الہی سے نہ صرف خود آشنا ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعلیم امت کے لئے خود کو زمرہ صلحاء میں شامل ہونے کے لئے بارگاہِ ربوبیت میں دعا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَ الْيَقِيْنُ اے میرے رب! مجھے علم و عمل میں

بِالصَّالِحِينَ ❀

کمال عطا فرما اور مجھے اپنے قرب
خاص کے سزاواروں میں شامل فرما
لے۔

یہاں حُکماً سے مراد قوتِ علمیہ و عملیہ کا نقطہ کمال تک پہنچنا ہے۔ قاضی
ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

أى كمالات فى العلم و العمل
بحيث يستعد خلافة الحق و
رياسة الخلق۔ ❀❀

یعنی علم و عمل میں ایسا کمال جس سے
خلافتِ الہیہ کا منصب جلیل سنبھالنے
اور مخلوق کی سیاست و رہبری کی مکمل
استعداد اور ملکہ پیدا ہو جائے۔

امام فخری الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

اگر حُکماً سے 'علم' مراد لیا جائے تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ آپ
نے اللہ سے ایسا علم مانگا جس کے سبب آپ اس کی ذات اور صفات میں ہمہ تن مستغرق
ہو جائیں۔ آپ ایسے علم کے باب میں جو شامل باللہ مع صفاتہ ہو، یوں رقمطراز ہیں:

و هذا يدل على أن معرفة الله
تعالى لا تحصل في قلب العبد إلا
بخلق الله تعالى، و قوله:
﴿وَالْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ يدل
على أن كون العبد صالحاً ليس

یہ علم دلالت کرتا ہے کہ معرفتِ الہیہ
بندے کے دل میں اللہ کی مخلوق کے
ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول..... اور
مجھے اپنے قرب خاص کے سزاواروں

❀ الشعراء، ۲۶: ۸۳

❀❀ التفسیر المنظری، ۷: ۷۲

علیٰ أن کون العبد صالحا لیس
 إلا بخلق اللہ تعالیٰ۔ ❀
 میں شامل فرما لے..... اس بات کی
 نشاندہی کرتا ہے کہ بندے کا صالح ہونا
 محض اللہ کے پیدا کرنے سے
 ہوتا ہے۔

لہذا معرفتِ الہیہ کا حصول عبادِ صالحین (نیک و متقی بندے) کے وسیلہ ہی
 سے ممکن ہے۔ اور ان کی سنگت اور صحبت اختیار کرنا کہ ان کے توسُّل سے معرفتِ
 الہیہ نصیب ہو، سنتِ انبیاء ہے اور جو بندہ بارگاہِ الوہیت سے عبادِ صالحین کے وسیلے
 سے اس کی معرفت کا طلبگار ہوتا ہے، اس کی دعاِ اجابت سے سرفراز ہوتی ہے اور اسے
 صالحین میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ پھر وہ معرفتِ الہیہ سے اس درجہ سرشار ہوتا ہے کہ اسے
 تقربِ الہیہ کا مقام رفیع حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ إِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ
 الصَّالِحِينَ ❀❀
 اور یقیناً وہ آخرت میں (بھی) بلند
 رتبہ مقرر بین میں ہوں گے۔

اللہ کے انہی صالح و نیکو کار اور بلند مرتبہ والے متقین کو وسیلہ بنانے کے
 استشہاد میں ثبوت کے طور پر کلامِ مجید کی صرف وہی آیت کافی ہے جس میں اللہ تعالیٰ
 ایمان والوں کو نیک و صالح بندوں کی صحبت اختیار کرنے کا صریح حکم فرما رہا ہے۔ ارشاد
 باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ
 كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ❀❀❀
 اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو
 اور اہل صدق (کی معیت) میں شامل

رہو۔

اس آیت میں ربّ ذوالجلال جہاں جمیع اہل ایمان کو اپنے تقویٰ اور للّٰہیت کا درس دے رہا ہے، وہاں انہیں اہل صدق کی سنگت و معیت اپنانے کا حکم بھی دے رہا ہے تاکہ اہل صدق کے وسیلے سے اہل ایمان بھی وہ مقام حاصل کریں جس پر اہل صدق فائز ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ اتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔ ❀

اور راہ اسکی اختیار کرو جو ہماری طرف

رجوع ہوا۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قرآن حکیم میں یوں مذکور ہے:

تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّ الْحَقُّنِي

مجھے حالتِ اسلام پر موت دینا اور مجھے

صالح لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

بِالصَّالِحِينَ ❀❀

تاجدارِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اکثر انہیں قرآنی الفاظ کے ساتھ

بارگاہِ ایزدی میں دستِ بہ دعا رہا کرتے تھے۔ ❀❀❀

اب حضور ﷺ کی حدیث کی حیثیت کے بارے میں تو بعض لوگ اعتراض

کر سکتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، یا موضوع ہے، وغیرہ۔ جبکہ قرآن پاک میں مذکور حضرت

یوسف علیہ السلام کی دعا کے الفاظ کا تو کسی صورت بھی انکار ممکن نہیں کیونکہ قرآن مجید تو نص

❀ لقمن، ۳۱: ۱۵

۲۔ المستدرک للحاکم، ۱: ۵۱۲

❀❀ یوسف، ۱۲: ۱۰۱

۳۔ المعجم الکبیر، ۵: ۱۵۷، ۱۱۹، رقم: ۴۹۳۲،

۴۸۰۳

❀❀❀ ۱۔ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۱۹۱

۴۔ مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۱۳

قطعاً ہے۔ پس ثابت ہوا کہ معیت و توسلِ صالحین کی دعائیں مانگنا اللہ کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی سنت چلی آرہی ہے اور قرآن حکیم میں ایسی دعائیں بیان کرنے کا مقصد صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ہم بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔

ابن الفراء اسی روایت کرتے ہیں کہ فراسی نے نبی رحمۃ للعالمین ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ سے مانگوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا، و إن كنت سائلاً لا بُدَّ فسَلِ الصالحين۔
 نہیں، اور اگر سوال کئے (یعنی مانگے) بغیر گزارہ نہ ہو سکے تو تم صالح اور نیک لوگوں سے سوال کرو۔

یہ روایت صحیح ہے۔

بعض لوگوں کے خیال میں نیک و بابرکت اور صالح لوگوں کی دعا ان کی زندگی میں تو قبول ہوتی ہے لیکن بعد از وفات وہ اپنے پسماندگان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ان کے لئے فائدہ بخش ہو سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ظاہری حیات میں کسی کے لئے امداد رساں ہیں، بعد از وفات نہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

۵۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۴: ۱۹۷

۶۔ التمهید لابن عبد البر، ۴: ۱۰۷

۷۔ کنز العمال، ۶: ۵۰۲، رقم: ۱۶۷۲۱

۱۔ سنن ابوداؤد، ۱: ۲۴۰

۲۔ سنن النسائی، ۱: ۲۶۲

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۴: ۳۳۴

۴۔ التاريخ الکبیر للبخاری، ۷: ۱۳۸

ایسا نظریہ رکھنے والے لوگ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں کیونکہ صورتحال اسکے برعکس ہے۔ یہ بات بالکل بجا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جل شانہ ہی مستغیث اور منبع برکت ہے اور کبھی بھی کوئی انسان مطلق معنوں میں منبع فیض نہیں ہوتا۔ لہذا یہ سوچ کہ..... اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے وسیلہ سے اس وقت تو دیتا ہے جب وہ زندہ ہوتے ہیں اور جب وہ اس دایر فانی سے کوچ کر کے ابدی گھر چلے جاتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ سے نہیں دیتا..... ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ دراصل یہ سوچ تب پیدا ہوگی جب خدا کے مقابلے میں اس بزرگ کو منبع امداد مانا جائے اور اس کی فیض بخشی کو اولاً ترجیح دی جائے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ذات فقط خدا ہی کی ہے جو اپنے صالحین و اولیاء کے توسل سے..... ان کی زندگی اور موت دونوں صورتوں میں..... لوگوں کی حاجات پوری کرتی ہے۔

جو لوگ صالحین و اولیاء کو بعد از وصال وسیلہ بنانے پر اعتراض کرتے ہیں، وہ گمراہی میں مبتلا ہیں اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ ان کے اعتراضات اس غلط فہمی پر مبنی ہیں کہ وسیلۂ اولیاء و صلحاء سے رحمت الہی کا حصول ان کی زندگی تک موقوف ہے۔ جبکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا صلحاء و اولیاء کے وسیلے سے عطا کرنا ان کی حیات و ممات سے غیر متعلق ہے۔ آئندہ صفحات میں دی جانے والی احادیث و آثار سے بھی معترضین کے ان شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ صلحاء و اولیاء اور بزرگان دین سے ان کی وفات کے بعد توسل کرنا نہ صرف جائز بلکہ یہ عمل کبار صحابہ کرامؓ، ائمہ و محدثین اور شیوخ کی سنت رہا ہے۔ یہی وہ گروہ امت ہے جس کے نقش قدم پر چل کر ہم ہدایت پاسکتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ اپنی کتاب 'العقیدۃ الواسطیۃ' کے آخر میں اس بحث کے لُب لباب کے طور پر لکھتے ہیں:

صار المتمسكون بالإسلام
 المحض الخالص عن الشوب،
 هم أهل السنة والجماعة، و فيهم
 الصديقون و الشهداء و
 الصالحون، و منهم أعلام الهدى
 و مصابيح الدجى أولو المناقب
 المجترة و الفضائل المذكورة،
 و فيهم الأبدال، و فيهم أئمة
 الدين الذين أجمع المسلمون
 عل هدايتهم، و هم الطائفة
 المنصورة الذی قال فيهم
 النبى ﷺ: لا تزال طائفة من
 أمتى على الحق منصوره لا
 يضرهم من خالفهم ولا من
 خذلهم حتى تقوم الساعة۔ ❀

اہل سنت و الجماعت ہی ہر قسم کی
 آمیزش سے بچتے ہوئے دین اسلام
 کے ساتھ متمسک (چمٹے ہوئے) ہیں۔
 ان میں صدیقین، شہداء اور صالحین
 (درجہ بدرجہ) شامل ہیں۔ اور انہی میں
 وہ لوگ بھی شامل ہیں جو منبع ہدایت اور
 مینارہ نور ہیں۔ یہ بڑے ہی ذی
 مناقب، اور اعلیٰ فضائل والے افراد
 ہیں۔ ابدال اور ائمہ دین بھی انہی میں
 سے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اپنی
 ہدایت (کے راستے) پر جمع کیا۔ یہی وہ
 گروہ ہے (جسکی حق پر) مدد کی گئی ہے
 (اور) جسکے بارے میں نبی اکرم ﷺ
 نے ارشاد فرمایا تھا: ”میری امت کا
 ایک گروہ جسکی حق سے تائید کی گئی ہے،
 انعقاد قیامت تک کبھی ختم نہ ہوگا اور ان
 کی مخالفت یا تذلیل کرنے والے انہیں
 کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔“

اب رہا یہ اعتراض کہ اہل قبور کو وسیلہ نہیں بنایا جاسکتا اور انہیں مدد کرنے کی

استعداد حاصل نہیں ہوتی۔ یہ نظریہ قرآنی آیات کے صحیح مفہوم سے مستنبط نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اہل اللہ کی برزخی حیات کا ذکر فرمایا ہے۔ حیاتِ شہداء کے بارے میں تو کسی مسلک و مذہب کے پیروکاروں میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ جس نبی ﷺ کے ادنیٰ امتی مرتبہ شہادت پا کر قیامت تک کے لئے زندہ ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق بھی بہم پہنچایا جاتا ہے اس نبی کریم ﷺ کی اپنی حیاتِ برزخی کی عظمتوں کا عالم کیا ہوگا! پس سرور کائنات ﷺ کو حیات بعد از ممات کے عقیدے کے تحت مستغاثِ مجازی قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ سے توسل، استعانت اور استمداد کرنا بالکل اسی طرح سے درست ہے جیسے آپ ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں جائز تھا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی حیاتِ برزخی کا تو یہ عالم ہے کہ امت کی طرف سے آپ ﷺ پر درود و سلام کے جو نذرانے پیش کئے جاتے ہیں، وہ بھی فرشتے شب و روز آپ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچانے پر مامور ہیں۔

اگر توسل، طلبِ شفاعت اور استغاثہ کفر و شرک کے مترادف تسلیم کیا جائے تو پھر دنیاوی زندگی، حیاتِ برزخی اور آخرت میں ہر جگہ اسے کفر و شرک پر محمول ہونا چاہیے..... کیونکہ شرک تو اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں ناپسند ہے..... مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ تعلیماتِ اسلامی میں اس کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ زندگی میں بھی صحابہ کرامؓ نے بے شمار مواقع پر آنحضور ﷺ سے توسل و استغاثہ کیا اور بعد از وصال بھی نیز قیامت کے روز بھی انہیں کے در پر لوگ استغاثہ کریں گے اور انہیں وسیلہ بنائیں گے۔ یہ توسل و استغاثہ ہی کا صلہ ہوگا کہ شفیع مذہبِ نبین ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمیع گناہگار مخلوق کی شفاعت کریں گے۔ سو جب حیاتِ دنیوی اور حیاتِ اخروی میں توسل و استغاثہ جائز ٹھہرا تو حیات کی وہ قسم جو ”حیاتِ برزخی“ کہلاتی ہے اس میں اسے

شرک قرار دینا کس طرح سے درست ہو سکتا ہے؟

حیاتِ برزخی کا ثبوت

حیات بعد از موت یا قبر کی برزخی زندگی کی حقیقت قرآن و حدیث کی تعلیمات سے اسی طرح ثابت ہے جیسے قیامت کے روز جی اٹھنا۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَ اتًا
فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۰﴾

تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو
حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تمہیں
زندگی بخش، پھر تمہیں موت سے ہمکنار
کرے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا،
پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں حیات و موت کی دو اقسام اور بالآخر یومِ آخرت کو تمام انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹائے جانے کا صراحتاً ذکر ہے۔ آیت کریمہ کی روشنی میں پہلی موت تو ہمارا عدم تھا، جب ہم ابھی عالم وجود میں نہ آئے تھے۔ اس کے بعد کی زندگی ہماری یہ دنیوی حیات ہے۔ پھر اس کے بعد موت آئے گی اور لوگ حسبِ حال ہماری تکفین و تدفین کریں گے۔ اس موت کے بعد کی زندگی حیاتِ برزخی کہلاتی ہے جو ہر انسان کو قبر (یا موت کے بعد) میں میسر آئے گی اور فرشتے سوالات پوچھنے آتے ہیں اور جنت یا جہنم کی طرف سے ایک کھڑکی میت کے احوال کے مطابق قبر میں کھول جاتے ہیں۔ اس دوسری زندگی کے آخری مرحلے میں ہمیں روزِ محشر اللہ رب العزت کی

طرف لوٹایا جائے گا۔ یوں حیاتِ برزخی کا دورانیہ قبر میں سوالات کے لئے فرشتوں کی آمد سے لے کر روزِ محشر پھونکے جانے والے تصورِ اسرافیل تک طویل ہے۔

یہ تو ایک عام انسان (خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر) کی حیاتِ برزخی کا معاملہ تھا، آئیے اب حیاتِ شہداء کے سلسلے میں سورہ بقرہ ہی کی ایک اور آیت مبارکہ ملاحظہ کرتے ہیں:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا
تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے
جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ
ہیں، (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن
تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔

اسی مضمون کو سورہ آل عمران میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
يُرْزَقُونَ ﴿۱۵۵﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے
جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ
کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ
ہیں، انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رِزق
دیا جاتا ہے۔

شہداء کی حیات پر تو بلا امتیاز ہر مسلک کے پیروکار قائل ہیں تاہم مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ کے علاوہ متعدد احادیثِ مبارکہ میں بھی کفار و مشرکین کی موت کے بعد

حیات اور زندہ لوگوں کے کلام کو مرنے کے بعد سننے پر قدرت کا ثبوت پایا جاتا ہے۔
مثال کے طور پر غزوہ بدر کے بعد سرور کائنات ﷺ نے خود کفار و مشرکین میں سے قتل
ہو جانے والوں کو نام لے لے کر پکارا اور ان سے پوچھا:

فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا ہم نے تو واقعتاً اسے سچا پایا جو وعدہ
فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ ہمارے رب نے ہم سے فرمایا تھا، سو
(اے کفار و مشرکین!) کیا تم نے بھی
اسے سچا پایا جو وعدہ تمہارے رب نے
(تم سے) کیا تھا؟

اس موقع پر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں یوں عرض گزار
ہوئے: ”حضور! آپ ایسے جسموں سے خطاب فرما رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں۔“
اس پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ! ما اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں
أنتم بأسمع لما أقول منهم. محمد (ﷺ) کی جان ہے، میں ان
(کفار و مشرکین) سے جو باتیں کر رہا
ہوں وہ انہیں تم سے بڑھ کر سننے پر قادر

۶۔ شرح السنۃ للبخاری، ۱۳: ۳۸۴، رقم:

۳۷۷۹

۷۔ البدایۃ والنہایۃ، ۱: ۲۱۰

۸۔ فتح الباری، ۷: ۳۰۱

۹۔ مجمع الزوائد، ۶: ۱-۹۰

۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۵۶۶

۲۔ صحیح لمسلم، ۲: ۳۸۷

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۱۳۵

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۴: ۲۹

۵۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۵: ۹۶، رقم:

ہیں۔

اس متفق علیہ حدیث مبارکہ کی رو سے تو کفار و مشرکین کو بعد از موت برزخی زندگی میں حاصل شدہ قوتِ سماعت نہ صرف عام زندہ انسانوں بلکہ زندہ صحابہ کرام ؓ کی سماعت سے بھی بڑھ کر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی طرح محسنِ کائنات ﷺ نے مسلمانوں کے قبرستان کے پاس سے گزرنے والے ہر شخص کو یہ تعلیم دی کہ وہ اہل قبور کو نہ صرف حرفِ نداء ”یا“ کے ذریعے مخاطب کرے بلکہ ان پر سلام بھی بھیجے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ قبرستان کے پاس گزرتے وقت وہ ”السلام علیکم یا اہل القبور“ (اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو۔) ضرور کہا کریں۔

جب کفار و مشرکین کی حیات، عامۃ المؤمنین کی حیات اور شہداء و صالحین کی حیات اپنے اپنے حسبِ حال قرآن و حدیث کی نصوص سے ثابت ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص تاجدارِ انبیاء ﷺ کی حیات کا انکار کیا جائے؟ باوجود اس امر کے کہ آنحضور ﷺ واشگاف الفاظ میں بارہا یہ اعلان فرما چکے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ
أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنبِيُّ اللَّهِ حَيٌّ
يُرْزَقُ۔ ❀

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام قرار دیا ہے
کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ پس
انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں (اور)

❀ ۱۔ سنن النسائی، ۱: ۲۰۴، ۲۲۱

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ۴: ۸

۲۔ سنن ابوداؤد، ۱: ۱۵۷

۵۔ صحیح ابن حبان، ۳: ۱۹۱، رقم: ۹۱۰

۳۔ سنن ابن ماجہ: ۷۷، ۱۱۹

۶۔ صحیح ابن خزمیہ، ۳: ۱۱۸، رقم: ۱۷۳۳ =

انہیں رزق بہم پہنچایا جاتا ہے۔

اس صحیح حدیث مبارکہ سے بالصراحت یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں تو یہاں تک وارد ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے سامنے امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، نیک اعمال پر حضور ﷺ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جبکہ بد اعمالیوں پر اللہ کے حضور امت کی مغفرت کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

تعرض علیٰ أعمالکم فما رأیت
من خیر حمدت اللہ علیہ و ما
رأیت من شر استغفرت اللہ
لکم۔ ❀

مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے
ہیں۔ اگر وہ اچھے ہوں تو میں اللہ کا شکر
بجالاتا ہوں، اگر اعمال اچھے نہ ہوں تو
اللہ کے حضور تمہاری مغفرت کے لئے
دعا کرتا ہوں۔

امام ابن حجر عسقلانی کا قول ہے کہ یہ حدیث بزار نے روایت کی ہے اور اس کے تمام رجال صحیح ہیں۔ جبکہ امام زین الدین ابو الفضل العراقي نے بھی اپنی کتاب 'طرح التثريب فی شرح التقریب (۳: ۲۹۷)' میں کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد صحیح ہیں۔

== ۷۔ سنن الدارمی، ۱: ۳۰۷، رقم: ۱۵۸۰ ❀ مجمع الزوائد، ۹: ۲۲

۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۲: ۵۱۶

۹۔ المستدرک للحاکم، ۱: ۲۷۸

۱۰۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱: ۲۱۷، رقم:

۵۸۹

۱۱۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳: ۲۳۹

ابن سعد نے 'الطبقات الکبریٰ' (۲: ۱۹۴) میں اسے روایت کیا ہے۔ قاضی عیاض نے 'الشفاء' (۱: ۱۹) میں یہ حدیث بیان کی ہے اور امام جلال الدین سیوطی نے 'الخصائص الکبریٰ' (۲: ۲۸۱) اور 'مناہل الصفافی' تخریج احادیث الشفاء (ص: ۳) میں ہی روایت بیان کی لکھا ہے کہ ابن ابی اسامہ نے اپنی 'مسند' میں بکر بن عبداللہ المزنی اور بزار نے عبداللہ بن مسعود سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے۔ اس بات کی تائید علامہ خفاجی اور ملا علی قاری نے 'الشفاء' کی شروحات 'نسیم الریاض' (۱: ۱۰۲) اور 'شرح الشفاء لملا علی قاری' (۱: ۳۲) میں بالترتیب کی ہے۔ محدث ابن الجوزی نے بکر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت 'الوفاء باحوال المصطفیٰ' (۲: ۱۰-۸۰۹) میں بیان کی ہے۔ علامہ تقی الدین سبکی نے یہ حدیث 'شفاء السقام فی زیارة خیر الانام' (ص: ۳۴) میں بکر بن عبداللہ المزنی سے روایت کی ہے اور احمد بن عبدالہادی نے 'الصارم المنکی' (ص: ۷-۲۶۶) میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور بکر ثقہ تابعین میں سے ہے۔ بزار کی روایت امام ابن کثیر نے بھی 'البدایہ والنہایہ' (۳: ۲۵۷) میں نقل کی ہے۔

وہ خدائے ذوالجلال جو اس دنیا میں اور آخرت میں جمیع انسانیت کو زندگی عطا کرنے اور رزق مہیا کرنے پر قادر ہے وہی انبیاء کرام علیہم السلام کو قبروں میں بھی زندہ رکھنے اور رزق بہم پہنچانے پر قادر ہے۔ اسلامی لٹریچر میں یونانی فلاسفہ کی طرف سے برزخی حیات کو خلط ممحٹ سے الجھادینے والی غیر فطری و غیر سائنسی بحثیں اسلام کے غیر متغیر اور اٹل فطری اصولوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ احکام اسلام صاف اور واشگاف انداز میں اقسام حیات اور حیات برزخی کے حامل افراد کو پکارنے کے بارے میں اللہ رب العزت کی تعلیمات کو واضح اور اس بات کا واشگاف الفاظ میں اعلان کر رہے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام، شہداء، صلحاء، عام مسلمان حتیٰ کہ کفار و مشرکین

بھی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ شہداء کو تو اسبابِ برزخی کے تحت رزق بہم پہنچائے جانے پر قرآن مجید خود شاہدِ عادل ہے۔ سو جو لوگ ظاہری حیات میں تو سُئل و استغاثہ کو جائز مان کر موت کے بعد اس کو حرام بلکہ شرک کا موجب قرار دے رہے ہیں ان کے لئے یہ بات تو روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ موت کا ذائقہ ایک لمحاتی کیفیت کا نام ہے جو آ کر چلی جاتی ہے۔ یعنی بقول حکیم الامت:

موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

حیاتِ دنیوی اور قیامت کے روز عطا ہونے والی اخروی حیات کے مابین حیاتِ برزخی کا زمانہ موجود ہوتا ہے۔ پس جیسے دنیوی اور اخروی حیات کے حامل فرد بشر سے تو سُئل اور استغاثہ کرنا جائز ہے بعینہ حیاتِ برزخی کے دوران بھی تو سُئل اور استغاثہ روا ہے، اس میں شرک تو درکنار اس کا ذرا سا شائبہ بھی موجود نہیں۔ کیونکہ دنیوی، برزخی اور اخروی، تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ کو مستعانِ حقیقی اور بندے کو مستغاثِ مجازی مان کر استغاثہ کیا جاتا ہے اور اسے وسیلہ بنایا جاتا ہے، جو کہ جائز ہے۔ مذکورہ تینوں اقسامِ حیات میں سے کسی بھی زندگی میں بندے کو مستغاثِ حقیقی سمجھ لینا یقیناً شرک ہے۔ واضح رہے کہ شرک کا سبب اقسامِ حیات نہیں بلکہ حقیقت و مجاز کی تفریق کا مٹانا ہے۔

روح کی حیات اور استعداد

ارواحِ انسانی کی حیاتِ برزخی کے دلیلِ قطعی کے ساتھ حق ثابت ہو جانے کے بعد تو سُئل بعد الموت کو ناجائز سمجھنا کم فہمی یا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔ ارواح

انبیاء و صلحاء سے توسل و استغاثہ بالکل اسی طرح روا ہے جس طرح کسی زندہ انسان یا فرشتوں کو مجازاً وسیلہ بنایا جاتا ہے یا ان سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ جب ہم زندگی میں کسی انسان سے مدد کے خواہاں ہوتے ہیں تو درحقیقت ہم اس کی روح سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ جسم انسانی تو مادی انسان کی اصل یعنی..... روح..... کا لباس ہوتا ہے۔ موت کے بعد جب روح جسم کی مادی بندشوں سے آزاد ہو جاتی ہے تو جسدِ خاکی کی آلائشوں سے آزاد ہو جانے کی وجہ سے فرشتوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر غیر مادی افعال سرانجام دینے پر قادر ہو جاتی ہے۔ ہمارے مادی عالم میں جو قوانین تصرف معروف ہیں روح ان قوانین کی پابندی سے مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے کیونکہ اس کا عالم..... عالمِ امر..... جسم کے اس عالمِ اسباب سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ
الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ ❀

اور یہ (کفار) آپ سے روح کے
متعلق سوال کرتے ہیں، فرما دیجئے:
روح میرے رب کے امر سے ہے۔

انسان کو حیاتِ برزخی میں عالمِ امر کی جو زندگی میسر ہوتی ہے اس میں وہ دنیا کی جسمانی زندگی سے بڑھ کر اعمال و افعال پر قادر ہوتا ہے اور اپنے پکارنے والوں اور مدد طلب کرنے والوں کی مدد کو روحانی طور پر پہنچ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ انبیاء و صلحاء کا اپنے متوسلین اور مستغیثین کا وسیلہ بننا اور ان کی امداد کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ مدد کے طالب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرمائیں اور اللہ رب العزت ان کی دعا کو شرف قبولیت عطا کرتے ہوئے متعلقہ شخص کی حاجت پوری کرے۔ مسئلہ فقط یہ ہے کہ

معتزین اہل قبور کی حیات کا انکار کر کے انہیں دعا کر سکنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے جبکہ صحیح اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ وہ صاحبان مزار زندہ ہیں، وہ اپنے شعور و ادراک کے تحت زائرین کو پہچانتے ہیں۔ جسم سے جدا ہو جانے کے بعد روح کا شعور مزید کامل ہو جاتا ہے اور شہوات بشریہ کے زائل ہو جانے کی وجہ سے خاکی حجابات اٹھ جاتے ہیں۔

توسل و استغاثہ کا معاملہ یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس ذات سے توسل کیا جاتا ہے یا مدد طلب کی جاتی ہے وہ اللہ رب العزت ہی ہے مگر سائل یوں عرض کناں ہوتا ہے کہ گویا وہ نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کا خواہشمند ہے۔ وہ اللہ کے مقرب بندوں کا وسیلہ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ میں ان اولیاء و صلحاء کے محبین میں شامل ہوں لہذا ان کی محبت اور قرابت داری کی وجہ سے خصوصی رحم و کرم کا مستحق ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ تاجدار کائنات ﷺ یا دعا میں مذکورہ اولیائے کرام کے صدقے اس شخص کی خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے اور اس کی حاجات پوری کر دیتا ہے۔

نماز جنازہ پڑھنے والوں کا میت کی بخشش کے لئے دعا کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے، کیونکہ جنازہ میں موجود لوگ اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں میت کی مغفرت کا وسیلہ بناتے اور اس کے مددگار بنتے ہیں۔

فوت شدگان کی زندوں کے لئے نفع رسانی

توسل بالا اولیاء و الصالحین کے منکر آخری حربے کے طور پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ فوت شدگان زندہ لوگوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے کیونکہ وہ تو اپنے جسم پر بیٹھنے والی

مکھی اڑانے کی استطاعت بھی نہیں رکھتے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک فوت شدہ شخص جو اپنے بدن میں ذرہ بھر طاقت و توانائی نہیں رکھتا، زندہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور عامۃ الناس اس سے تمتع حاصل کریں۔

یہ بے بنیاد اعتراض دراصل احادیثِ رسول ﷺ اور بزرگانِ دین و ائمہ امت کی تعلیمات سے عدم آگہی کی پیداوار ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے واضح کیا ہے کہ اس مادی دنیا سے رخصت فرما جانے والے لوگ دنیاوی زندگی سے ایک دوسری زندگی (حیاتِ برزخی) میں چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہماری نظر میں فوت ہو کر حیاتِ جسمانی سے محروم ہو چکے ہیں مگر درحقیقت محض ان کی زندگی کا انداز بدلا ہے۔

اسکو ایک مثال کے ذریعے یوں واضح کیا جاسکتا ہے: فرض کیجئے ایک کمرے میں دو ٹیوب لائٹس موجود ہیں جن میں سے ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا رنگ نیلا ہے۔ سفید ٹیوب لائٹ کی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے جبکہ نیلی ٹیوب لائٹ (off) ہے۔ اب دفعتاً سفید ٹیوب لائٹ کا بٹن آف (off) کر دیا جائے اور عین اسی لمحے نیلے رنگ کی ٹیوب لائٹ کا بٹن آن (on) کر دیا جائے، تو کیا ہوگا؟ کمرہ وہی ہوگا، اس کی تمام اشیاء اصلی حالت میں اپنی جگہ پر موجود رہیں گی، اس کمرے کے دروازے، کھڑکیاں اور پردے وغیرہ اپنی جگہ پر برقرار رہیں گے مگر کمرے کے اندرونی منظر میں ایک تبدیلی آجائے گی۔ وہ یہ کہ پہلے ہر شے سفید روشنی میں اپنے اصلی رنگ میں نظر آ رہی تھی اور اب اس کی ہر شے کا رنگ نیلی ٹیوب لائٹ کی وجہ سے تبدیل شدہ نظر آ رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے: کیا کمرے میں پڑی اشیاء کا رنگ واقعی بدل گیا ہے؟ کیا اشیاء کی ماہیت تبدیل ہو چکی ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے، ہر شے اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ فرق صرف ہمارے دیکھنے میں ہے۔ بالکل یہی مسئلہ فوت

شدگان کے سلسلے میں ہے۔ ان کی دنیاوی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے تو ہم خیال کرتے ہیں کہ وہ مر گئے، جبکہ درحقیقت ان کی حیات برزخی کی ٹیوب لائٹ روشن ہو جاتی ہے۔ تو جس طرح اولیاء اللہ اور صلحاء کو ان کی زندگی میں وسیلہ بنایا جاسکتا ہے..... جبکہ دینے والی ذات اور مستعان حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے..... اسی طرح اس مادی دنیا سے ان کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی انہیں بارگاہ الہی میں تقرب و حاجت روائی کے لئے وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب 'شرح الصدور' (ص: ۱۱۰، ۱۱۱) میں اس ضمن میں پندہ روایات نقل کی ہیں اور حیات برزخی کا ثبوت دیتے ہوئے فوت شدگان کا زندہ لوگوں کو نفع پہنچانا بیان کیا ہے۔

امام ابن القیم نے 'روح' پر ایک مفصل کتاب لکھی ہے جو کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی مستند ترین کتاب ہے۔ ایک جگہ پر وہ عبداللہ بن مبارک سے روایت کرتے ہیں کہ ابوایوب انصاری نے کہا:

تعرض أعمال الأحياء على الموتى، فإذا رأوا حسنا فرحوا، و استبشروا، وإن رأوا سوءا قالوا: اللهم! راجع به۔

زندہ لوگوں کے اعمال فوت شدگان پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ نیک (اعمال) دیکھیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور کھل اٹھتے ہیں اور اگر وہ برے (اعمال) دیکھیں تو کہتے ہیں: اے اللہ! انہیں لوٹا دے۔

امام ابن القیم ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عباد بن عباد

ابراہیم بن صالح کے پاس گئے اور ابراہیم بن صالح اس وقت فلسطین کے حاکم تھے۔
عباد بن عباد نے کہا: مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ ابراہیم بن صالح نے کہا:

بم أعظک؟ أصلحک اللہ، میں تمہیں کیا نصیحت کروں؟ اللہ تمہیں
بلغنی أن أعمال الأحياء تعرض نیک بنائے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ زندوں
على أقاربهم الموتى، فانظر ما کے اعمال ان کے مردہ عزیزوں پر پیش
يعرض على رسول الله ﷺ کئے جاتے ہیں۔ اب تم اپنے اعمال پر
عملک۔ غور کر لو جو اللہ کے رسول ﷺ پر پیش

کئے جاتے ہیں۔

اتنی بات بیان کرنے کے بعد ابراہیم بن صالح اس قدر روئے کہ ان کی
ڈاڑھی تر ہو گئی۔

علاوہ ازیں بے شمار روایات سے فوت شدگان پر زندوں کے اعمال پیش کئے
جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ لہذا شکوک و شبہات میں مبتلا افراد کو ان روایات کی روشنی میں
اپنے عقیدے کو صحیح و درست کر لینا چاہیے..... جو کہ امام ابن تیمیہ کے مطابق اہل
سنت و جماعت کا ہے جیسے کہ ہم شرح و بسط کے ساتھ پہلے بیان کر چکے ہیں..... ہمیں
صرف ایسے راستے کا مسافر بننا چاہیے۔ اگر ہم ہر چیز کے ظاہر کو لے کر اسے اپنی عقل
عیار..... جو کہ سو بھیس بدل لیتی ہے..... کے ترازو میں تولنے کی کوشش کریں گے تو
ہدایت کبھی ہمارا مقدر نہیں بن سکتی۔ بقول علامہ اقبال:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

فصل اوّل

صالحین سے توسّل

۱۔ نیک اور صالح والدین کا تو سُّل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ﴿۸۴﴾ اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا۔

اس آیت میں بیان کردہ واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام ایک گاؤں میں۔ گاؤں کے لوگوں نے ترش روئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوئے تو راستے میں دیکھا کہ دو یتیم بھائیوں کی دیوار گر رہی ہے جس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے بغیر معاوضے کے اس دیوار کو تعمیر کر دیا۔ علامہ آلوسیؒ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ ان کا باپ صالح آدمی تھا اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے یہ عمل کیا۔ گویا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے والدین کے تو سُّل سے اس خزانے کو ان کے لئے محفوظ کر دیا۔ بعض مفسرین کے مطابق صالح باپ پانچویں پشت میں تھا جبکہ بعض کے نزدیک ساتویں پشت میں تھا۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صلحاء و اولیاء کی اولاد کا لحاظ اور عزت و تکریم ان کے ذاتی عمل سے صرف نظر کر کے محض نسب کی وجہ سے کرنا سنت انبیاء و اولیاء ہے۔ یہاں ذہن میں یہ خیال آ سکتا ہے کہ صلحاء و اولیاء اور بزرگوں کی اولاد آج

کل خود اچھے کام نہیں کرتی پھر ان کے ادب و احترام کا کیا جواز؟..... یہ بات ٹھیک ہے کہ قرآنی حکم کے مطابق بزرگی اور عظمت کا معیار تقویٰ ہے مگر جس طرح حسب کا مقام ہے اسی طرح نسب کا بھی ہے۔ لہذا اس نسبت کا ادب و احترام کَانَ أَبُو هُمَا صَالِحًا (اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا)..... کی نص کے پیش نظر اس نسبت کی حیا کیلئے تھا اور یہی سنتِ انبیاء و اولیاء ہے۔ اب اولاد اگر اپنے کسی عمل اور فعل کی وجہ سے دائرہ اسلام سے ہی (معاذ اللہ) خارج ہو جائے تو وہ..... ”إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ“ (ہوڈ، ۱۱: ۴۶) ”بے شک وہ تیرے گھر والوں میں شامل نہیں..... کی نص کے تحت ”أَبُو هُمَا صَالِحًا“ کے ضمن میں آئے گی، ہی نہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اور اسی طرح کا معاملہ یزید کے ساتھ ہے..... جو اسی نص کے تحت حیا و احترام کے قابل نہ رہا۔

۲۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانا

یہ واقعہ عام الزمادہ کا ہے یعنی وہ سال جب خشک سالی کی وجہ سے نوبت قحط اور ہلاکت تک پہنچ چکی تھی۔ مویشی ہلاک ہو رہے تھے۔ لوگوں نے نمازِ استسقاء پڑھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے امامت کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسُّل کرنے

کا مفہوم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

عنہما کے وسیلہ سے دعا طلب کی تو فرمایا:

اللہم! إنا كنا نتوسل إليك

بنينا ففسقنا و إنا نتوسل

إليك بعم نبينا فاسقنا۔ ❁

اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کو آپ کی

بارگاہ میں وسیلہ بناتے تھے پس تو ہم کو

سیرابی بخش دیا کرتا تھا۔ اور اب ہم

اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے

ہیں، پس ہم کو (ان کے وسیلے

سے) سیراب کر دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل

سے دعا کی جاتی انہیں سیراب کر دیا جاتا یعنی خشک سالی ختم ہو جاتی اور بارش برستی۔

اس طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (قحط و ہلاکت کا سال) میں حضرت عباس بن عبدالمطلب

رضی اللہ عنہما کو وسیلہ بنایا اور اللہ پاک سے بارش کے لئے دعا مانگی۔ پھر لوگوں کو

خطبہ ارشاد فرمایا:

أيها الناس! إن رسول الله ﷺ

كان يري للعباس ما يري الولد

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ حضرت

عباس رضی اللہ عنہ کو ویسا ہی سمجھتے تھے جیسے بچہ

۶- شرح السنہ للبخاری، ۴: ۴۰۹، رقم: ۱۱۶۵

۷- شفاء السقام: ۱۲۸

۸- الاستیعاب لابن عبد البر، ۳: ۹۷

۹- فتح الباری، ۲: ۴۹۴

۱۰- شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ۱۱: ۱۵۲

❁ صحیح البخاری، ۱: ۵۲۶، ۱۳۷

۲- صحیح ابن حبان، ۷: ۱۰۱، رقم: ۲۸۶۱

۳- صحیح ابن خزیمہ، ۲: ۸-۳۳۷، رقم: ۱۴۲۱

۴- السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳: ۳۵۲

۵- دلائل النبوة للبیہقی، ۶: ۱۳۷

باپ کو سمجھتا ہے۔ (یعنی نبی ﷺ)
 حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بمنزلہ والد سمجھتے
 تھے۔) آپ ﷺ ان کی تعظیم و توقیر
 کرتے اور ان کی قسموں کو پورا کرتے
 تھے۔ اے لوگو! تم بھی حضرت عباس
 رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی
 اقتداء کرو اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں
 وسیلہ بناؤ تاکہ وہ تم پر (بارش)
 برسائے۔

لوالده، يعظمه و يفخمه و ير
 قسمه، فاقتدوا أيها الناس
 برسول الله ﷺ في عمه
 العباس، واتخذوه وسيلة إلى
 الله عز وجل فيما نزل
 بكم۔ ❀

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی:

اے اللہ! گناہ ہی کی وجہ سے بلاء (و
 تکلیف) نازل ہوتی ہے اور صرف
 توبہ ہی اس بلاء کو اٹھاتی ہے اور لوگوں
 نے مجھے تیری بارگاہ میں اس تعلق کی
 وجہ سے جو میرا تیرے نبی ﷺ کے
 ساتھ ہے، وسیلہ بنایا ہے اور ہمارے
 یہ ہاتھ گناہوں میں لتھڑے ہوئے

اللهم! إنه لم ينزل بلاء إلا
 بذنب ولم يكشف إلا بتوبة،
 وقد توجه القوم بي إليك
 لمكاني من نيك، وهذه
 أيدينا إليك بالذنوب
 ونواصينا إليك بالتوبة فاسقنا
 الغيث۔ ❀❀

۴- شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ۱۱: ۱۵۲

❀❀ فتح الباری، ۲: ۴۹۷

۲- شفاء السقام: ۱۲۸ ==

❀ المستدرک للحاکم، ۳: ۳۳۴

۲- فتح الباری، ۲: ۴۹۷

۳- المواہب اللدنیۃ، ۴: ۲۷۷

تیرے سامنے ہیں اور ہماری پیشانیاں
توبہ کے ساتھ جھکی ہوئی ہیں۔ پس ہم کو
بارش دے دے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عباسؓ نے دعا فرمائی تو اس کے
بعد فوراً دیکھتے ہی دیکھتے بادل پہاڑوں کی طرف سے اٹھے اور آسمان پر چھا گئے۔ زمین
بارش سے بھر گئی، لوگ خوش ہو گئے اور حضرت عباسؓ کے جسم کو چھو کر تبرک حاصل
کرنے لگے اور کہنے لگے: اے ساقی حرمین! آپ کو مبارک ہو۔ اور حضرت عمرؓ نے
اس موقع پر یہ بھی کہا:

هذا والله الوسيلة إلى الله
والمكان منه۔
خدا کی قسم! اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ اسی کو
کہتے ہیں اور مرتبہ اسی چیز کا نام ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و كذا لك يجوز مثل هذا،
التوسل بسائر الصالحين، و
هذا شيء لا ينكر مسلم، بل
مُتَدَيِّن بِمِلَّةٍ مِنَ الْمِلَلِ۔
اور اسی طرح اس (واقعہ) سے تمام
صالحین سے توسُّل کا جواز ثابت ہوتا
ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس کا مسلمانوں
نے انکار نہیں کیا بلکہ صرف فرقوں میں
سے ایک فرقے..... مُتَدَيِّن (نیا دین
ایجاد کرنے والے)..... نے (توسُّل
کا انکار کیا ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس روایت کے تحت لکھتے ہیں:

❖ الاستيعاب لابن عبد البر، ۳: ۹۸

== ۳- المواهب اللدنية، ۴: ۲۷۷

❖❖ شفاء السقام، ۱۲۸

۴- شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية، ۱۱: ۱۵۲

و يستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح و أهل بيت النبوة، و فيه فضل العباس و فضل عمر لتواضعه للعباس و معرفته بحقه۔ ❀

حضرت عباسؓ کے واقعہ سے یہ نکتہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ اہل خیر، صالحین اور اہل بیت نبوی سے شفاعت طلب کرنا مستحب ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ سے حضرت عباسؓ کی فضیلت بیان کرنا اور حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کی تواضع کرنا اور ان کے مقام و مرتبہ کو پہنچانا بھی ثابت ہوتا ہے۔

جو لوگ اس سے بعد از وفات تو سئل کے عدم جواز کا استدلال کرتے ہیں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں کیونکہ جب حضرت عباسؓ سے تو سئل کیا تو وہ موقع نماز پڑھانے کا تھا یعنی سیدنا عمرؓ جو خلیفہ تھے نے خود امامت کی بجائے حضرت عباسؓ کو آگے کر دیا۔ ظاہری حیات مبارکہ میں حضور ﷺ خود امامت فرماتے اور آقا ﷺ کا نماز پڑھانا صحابہ کیلئے وسیلہ ہوتا اب جبکہ آپ ﷺ وضال فرما گئے تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چچا کو کھڑا کر دیا اور ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی۔ لہذا وہ اعتراض خود بخود رفع ہو گیا کیونکہ اگر استسقاء کے علاوہ کوئی اور دعا ہوتی تو شاید درست ہوتا مگر اس موقع پر حضور علیہ السلام نے خود امامت تو نہیں کروانی تھی۔

اہل بیت نبوی کا اکرام

در اصل منصب خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے یہ حق حضرت عمرؓ کا تھا کہ

نماز استسقاء میں لوگوں کی وہ خود امامت کرتے لیکن انہوں نے نبی کریم ﷺ کی تعظیم اور آپ کے رشتہ داروں کے اکرام کی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا تاکہ جتنا قریب سے قریب ہو سکے نبی کریم ﷺ سے تو سُل ہو جائے۔ اور لوگوں کو بھی اس پر ابھارا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا کریں اور خود انہوں نے بھی یہی کیا تاکہ نبی کریم ﷺ کا مقام تو سُل قائم رہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اسی جگہ نماز استسقاء پڑھائی تھی۔ اور یہ سب اس لئے کیا تاکہ نبی کریم ﷺ کی زیادہ سے زیادہ تعظیم ہو۔ اور آپ ﷺ کے اہل بیت کا زیادہ سے زیادہ اکرام ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں بھی اس کو بیان کر دیا: اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے تو تو ہمیں بارش عطا فرماتا۔ اب ہم آپ ﷺ کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں تو تو ہمیں بارش عطا کر یعنی نبی کریم ﷺ کی حیات میں ان کا وسیلہ پکڑتے تھے، اسی طرح سے آپ لوگوں کو لے کر باہر نکلتے تھے ان کی امامت کرتے تھے، پھر دعا مانگتے تھے۔ اب آپ ﷺ کی وفات کی وجہ سے تو یہ ساری چیزیں ممکن نہ رہیں، تو اب ان میں سے ہم ان کے اہل بیت کو مقدم کرتے ہیں تاکہ جلد سے جلد دعا قبول ہو۔

قحط سالی اور خشک سالی کے موقع پر نماز استسقاء پڑھی جاتی ہے جو سنت ہے اس روایت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز کی نسبت وسیلے پر زیادہ زور دے رہے ہیں یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ لوگوں کو رو کر نماز پڑھو، اللہ سے التجائیں کرو، اللہ بارش عطا فرمائے گا۔ ایک بار بھی اس طرح نہیں کہا بلکہ نماز سے زیادہ امید وسیلے کی نتیجہ خیزی میں بارش ہونے پر لگی رہی۔ پھر جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا بھی انہی سے کروائی اور آپ نے فرمایا: باری تعالیٰ! مجھے اس قوم

نے تیرے حبیب نبی ﷺ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے آگے کھڑا کر دیا ہے۔ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کا وسیلہ پیش کر دیا۔ لہذا ان کا آگے کھڑا کرنا بھی اصلاً حضور ﷺ کا وسیلہ ثابت ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے کوئی یہ سمجھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تو سُّل اختیار کیا نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا۔ کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو زندہ تھے اور نبی کریم ﷺ کا وصال ہو چکا تھا تو یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تو سُّل اختیار فرمایا تو ایسا کرنا حضور ﷺ کی قرابت ہی کی وجہ سے تھا جیسا کہ ان کی دعا سے خود ظاہر ہے لہذا معلوم ہوا کہ اس میں دراصل تو سُّل نبی اکرم ﷺ ہی کی نسبت سے تھا۔

جو لوگ زندہ سے تو سُّل کو جائز کہتے ہوئے میت کے تو سُّل کی وجہ سے مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں وہ خود گمراہ ہیں کیونکہ اگر تو سُّل شرک قرار پائے تو زندہ مردہ سب برابر ٹھہریں۔ کوئی مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ غیر اللہ کو اس کی حیات میں رب بنانا جائز ہے مگر اس کی وفات کے بعد شرک ہے۔

۳۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کرانے کا

حکم

حضور نبی کریم رحمۃ اللعالمین ﷺ جو اپنی امت مرحومہ کے بہت بڑے غمخوار ہیں، نے ہماری بھلائی اور خیر خواہی کے لئے کئی راستے اور ذریعے متعین فرمائے۔ ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ مقربین و صالحین کے وسیلے سے دعا کرانے کا بھی ہے۔ ارشادات گرامی سے یہ ظاہر و باہر ہے کہ آپ ﷺ نے خود صالحین سے دعا کروانے کا

حکم فرمایا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کو حضرت اولیس قرنی رضی اللہ عنہ سے دعا کرانے کی ترغیب دی۔ حضرت اولیس قرنی رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ وہ یمن کے رہنے والے تھے لیکن اپنی ضعیف والدہ کی خدمت کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو کر صحابی بننے کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ آپ ﷺ بھی اپنے اس سچے عاشق سے محبت کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی دعا سے اپنی امت کی بخشش کی خوشخبری دی اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اگر ہو سکے تو ان سے اپنی مغفرت کے لئے ضرور دعا کرا لینا۔ آپ ﷺ کا فرمان اقدس حضرت اسیر بن جابر نے روایت کیا ہے:

أن أهل الكوفة وفدوا إلى عمر - فيهم رجل ممن كان يسخر بأويس، فقال عمر: هل ههنا أحد من القرنين؟ فجاء ذلك الرجل، فقال عمر: إن رسول الله ﷺ قد قال إن رجلاً يأتكم من اليمن يُقال له أويس، لا يدع باليمن غير أم له، قد كان به بياض، فدعا الله فأذهب عنه إلا موضع الدينار أو الدرهم، فمن لقيه منكم

کہ اہل کوفہ ایک وفد لے کر حضرت عمر ص کے پاس گئے۔ وفد میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو حضرت اوئیس سے مذاق کرتا تھا۔ حضرت عمر ص نے پوچھا: یہاں کوئی قرن کا رہنے والا ہے؟ تو وہ شخص پیش ہوا۔ حضرت عمر ص نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: تمہارے پاس یمن سے ایک شخص آئے گا، اس کا نام اوئیس ہوگا، یمن میں اس کی والدہ کے سوا کوئی نہیں ہوگا، اس کو برص کی بیماری تھی، اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے

فلیستغفر لکم۔ ❀

ایک دینار یا درہم کے برابر سفید داغ
کے سوا باقی داغ اس سے دور کر دیئے۔
تم میں سے جس شخص کی اس سے
ملاقات ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے
تمہاری مغفرت کی دعا کرائے۔

اور مسلم شریف ہی کی دوسری روایت میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے حوالہ
سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لو أقسم علی اللہ لأبرہ۔ فإن استطعت أن تستغفر لك فأفعل۔
اگر وہ قسم کھا کر کوئی بات کہہ دے تو اللہ
پاک ویسا ہی کر دیں۔ اگر تم اس سے
اپنے لئے دعائے مغفرت کرا سکو تو
ضرور کرا لینا۔

پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق یمن سے جہاد میں شرکت
کرنے کے لئے مجاہدین آئے اور حضرت اویس قرنی بھی ان میں تھے۔ سیدنا عمر
فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے دعا کرائی۔ ❀❀

یہاں اس مقام پر ہمارے لئے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات مستنبط ہوتی ہے
وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود صالحین اور مقربین کا وسیلہ پکڑنے کا حکم فرمایا۔ وہ

❀❀ صحیح مسلم، ۳۱۱:۲

۲- حلیۃ الاولیاء، ۸۰:۲

۳- المستدرک، ۴:۳-۴۰۳

۴- تاریخ ابن عساکر، ۳:۱۶۳

❀ صحیح مسلم، ۳۱۱:۲

۲- المستدرک، ۴:۳-۴۰۳

۳- حلیۃ الاولیاء، ۸۰:۲-۷۹

۴- تاریخ ابن عساکر، ۳:۱۶۳

آقا ﷺ جن کے طفیل کائنات ہست و بود وجود میں آئی جو ہمارے لئے دین حق لے کر مبعوث ہوئے اور جو اپنے اللہ کو سب سے بڑھ کر پیارے ہیں جن کا منصب تلاوت آیات ہے وہ خود فرما رہے ہیں کہ میرے غلام اولیس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرانا۔ حالانکہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، دعاؤں کا سننے والا وہی ہے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اولیس قرنی سے دعا کرانا۔ لہذا معلوم ہوا کہ مقربین اور صالحین کے توسل سے دعا کرانا عین منشاء خدا و رسول ﷺ ہے اور یہی دین و ایمان کا تقاضا ہے۔

۴۔ صحابہ کرام و تابعین عظام کے وسیلہ سے فتح و نصرت

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

یأتی زمان یغزوا فیہ فنام من	ایک زمانہ آئیگا لوگوں کی جماعتیں
الناس، فیقال: فیکم من	آئیں گی اور جنگ لڑیں گی تو کہا
صحاب النبی ﷺ؟ فیقال:	جائے گا: تم میں کوئی نبی کریم ﷺ کا
نعم. فیفتح علیہ، ثم یأتی	صحابی ہے؟ تو کہا جائے گا: ہاں۔ تو
زمان، فیقال: فیکم من صحب	فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک زمانہ آئے
أصحاب النبی ﷺ؟ فیقال:	گا تو کہا جائے گا: تم میں وہ شخص ہے
نعم. فیفتح، ثم یأتی زمان،	جس نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی
فیقال: من صحب صاحب	معیّت اختیار کی ہو؟ تو کہا جائے گا:
أصحاب النبی ﷺ؟ فیقال:	جی ہاں۔ تو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک
	زمانہ آئیگا اور کہا جائیگا: تم میں وہ شخص

نعم۔ فیفتح۔ ❀

ہے جس نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ
کی معیت اختیار کرنے والوں کی
معیّت اختیار کی ہو؟ تو کہا جائے گا
:جی ہاں۔ تو فتح حاصل ہوگی۔

اس صحیح الاسناد حدیث کو امام بخاریؒ کے علاوہ امام ابویعلیٰ نے بھی حضرت
جابرؓ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ابن حجر پیشی نے 'مجمع الزوائد' (۱۸:۱۰)
میں اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے رجال صحیح ہیں۔

اس صحیح حدیث پاک سے ذواتِ صالحین سے توسل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ ابدال کے وسیلہ سے عذاب کا ٹل جانا

شرح ابن عبید کہتے ہیں:

حضرت علیؓ کے پاس اہل شام کا
ذکر کیا گیا۔ اس وقت آپ عراق میں
تھے۔ لوگوں نے کہا: یا امیر
المؤمنین! اہل شام پر آپ لعنت
بھیجیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ
میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا:
شام میں چالیس ابدال ہونگے، ان
میں سے جب بھی کوئی مرتا ہے تو اللہ

ذکر اهل الشام عند علی بن
أبي طالب ؓ و هو بالعراق،
فقالوا: عنهم يا أمير
المؤمنين. قال: لا إني سمعت
رسول الله ﷺ يقول: الأبدال
يكونون بالشام و هم أربعون
رجلا، كلما مات رجل، أبدل
الله مكانه رجلا يسقى بهم

الغیث و ینتصر بہم علی
الأعداء، و یصرف عن أهل
الشام بہم العذاب۔ ❀

تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو ابدال
بنادیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اہل شام
بارش سے سیراب کیے جاتے
ہیں، دشمنوں پر ان کو ابدال کے وسیلے
سے فتح عطا کی جاتی اور اہل شام سے
ان کے وسیلے سے عذاب ختم کیا
جاتا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ اس روایت کے رجال صحیح ہیں سوائے شریح بن
عبید کے اور وہ ثقہ ہے۔

۶۔ مقربین کے توسُّل سے عوام الناس کی ضروریات

پوری کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ
نے فرمایا:

إن لله خلقا خلقهم لحوائج
الناس، تفرع الناس إليهم في
حوائجهم أولئك الآمنون من
عذاب الله۔ ❀❀

بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے
ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخلوق
کی حاجت روائی کیلئے خاص فرمایا
ہے۔ لوگ گھبرائے ہوئے اپنی

حاجتیں ان کے پاس لے آتے
ہیں اور اللہ کے وہ خاص بندے ہیں
جو عذاب الہی سے امان میں ہیں۔

۷۔ بیاباں میں اللہ کے نیک بندوں کا توسُّل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا انفلتت دابة أحدكم بأرض
فلاة فليناد: يا عباد الله!
احبسوا عليّ، يا عباد الله
احبسوا عليّ۔ فإن الله في
الأرض حاضراً سيحبسه
عليكم۔*

جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل
بیاباں میں چھوٹ جائے تو اس کو پکارنا
چاہئے: اے اللہ کے بندو! میری
سواری پکڑا دو، اے اللہ کے بندو!
میری سواری پکڑا دو۔ کیونکہ اللہ کے
بہت سے بندے اس زمین میں ہیں،
وہ اس کو پکڑا دیں گے۔

محمود سعید ممدوح اپنی تصنیف 'رفع المنارة' (ص: ۲۲۵) میں لکھتے ہیں:

ومع ذالك فله حديث طرق
تقويه و ترفعه من الضعف إلى
الحسن المقبول المعمول به۔

یہ حدیث پاک مختلف طرق سے مروی
ہونے کی وجہ سے ضعف سے حسن کے
درجے تک پہنچ چکی ہے جس پر ہمیشہ

۴۔ مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۳۲

* المعجم الكبير، ۱۰: ۲۱۷، رقم: ۱۰۵۱۸

۵۔ حاشیہ المطالب العالیہ، ۳: ۲۳۹،

۲۔ مسند ابویعلیٰ، ۹: ۱۷۷

رقم: ۳۳۷۵

۳۔ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، ۱۶۲،

رقم: ۵۰۶

مسلمانوں کا عمل رہا ہے۔

۸۔ ضعفاء کی برکت سے رزق دیا جانا

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

هل تنصرون و تزدقون إلا
بضعفانکم۔
کمزور اور ضعیف افراد کی وجہ سے
ہی تو تمہیں نصرت عطا کی جاتی ہے اور
رزق دیا جاتا ہے۔

ذخیرہ حدیث میں سے ہم نے چند روایات پر اکتفا کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ
صالحین سے تو سئل ایک ایسی روایت (practice) ہے جو قرون اولیٰ سے لے کر آج
تک جاری و ساری ہے اور مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ کسی بھی دلیل سے اس صحیح
عقیدے کا بطلان نہیں کیا جاسکتا۔

فصل دُوم

آثارِ صالحین سے توسُّل

۱۔ مقام ابراہیم سے توسُّل

اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب بندوں سے نسبت و تعلق رکھنے والی یا ان کے زیرِ استعمال چیزوں سے وسیلہ پکڑتے ہوئے دعا کرنا جو اللہ کے مقبول بندوں کا شیوہ رہا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات سے توسُّل کرنا قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ
مُصَلًّی۔ ﴿۱۲۵﴾

اور (حکم دیا کہ) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقام نماز بنا لو۔

نماز تو اللہ کی پڑھی جاتی ہے چاہے جہاں بھی کھڑے ہو کر پڑھی جائے۔ اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشانات کو ”جائے نماز“ بنانے کی تلقین کی گئی ہے یعنی وہ مقام قبولیت نماز کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا توسُّل مستحب ہو رہا ہے۔

مقام ابراہیم

وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی اسے مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ یہ وہ مبارک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقوش پا

ثابت ہو گئے اور یہ آج بھی کعبہ مکرمہ کے دروازے کے سامنے پیتل کی جالی میں محفوظ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہو کر کعبہ کی دیواریں مکمل کیں۔ کعبہ کے چاروں طرف جدھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ضرورت ہوتی اسی جانب پتھر چلا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کے ساتھ اس نسبت کی وجہ سے قرآن مجید میں اس جگہ نماز پڑھنے کی بطور خاص تلقین فرمائی۔

اس سے ثابت ہوا کہ وہ مقام اور جگہیں جن کے ساتھ کسی اللہ کے محبوب بندے کی نسبت ہو جائے نہایت قابل احترام اور باعث ادب ہو جاتی ہیں۔ اس وجہ سے ان کو تبرک جان کر اللہ کی بارگاہ میں بھی قبولیت دعا کیلئے وسیلہ بنایا جاتا ہے۔

۲۔ آثارِ صالحین وسیلہ حیات

سامری نے سونے کا بچھڑا بنایا اور اس کے منہ میں حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی ڈالی تو وہ بولنے لگا۔ لوگوں نے اس بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انتہائی غضبناک ہوئے اور سامری سے پوچھا:

فَمَا خَطْبُكَ يَسَا مِرِّي ﴿٥﴾ اے سامری! (بتا) تیرا کیا معاملہ ہے؟

سامری نے کہا:

بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ
فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ

میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے
نہیں دیکھی تھی۔ سو میں نے اس

الرَّسُولِ - ❀

فرستادہ (فرشتے) کے نقشِ قدم سے
(جو آپ کے پاس آیا تھا) ایک
مٹھی (مٹی کی) بھری۔

کتب تفسیر میں آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس
صحرائے سینا میں گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ ان کا گھوڑا جہاں قدم رکھتا صحرا کی ریتلی
اور خشک زمین پر سبزہ اُگ آتا۔

سامری نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ اللہ کے مقربین میں سے ہیں
اور اس کے گھوڑے کے قدموں کا یہ حال ہے کہ جہاں وہ خشک زمین کو مس کرتے
ہیں ہریالی ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے اس نے مٹی محفوظ کر لی اور جب بعد میں پچھڑا بنا
کر اس کے منہ میں ڈال دی تو وہ بولنے لگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آثارِ صالحین وسیلہٴ حیات ہوتے ہیں اس لئے وہ مٹی
پچھڑے کی گویائی کا وسیلہ اور سبب بن گئی۔

۳۔ آثارِ صالحین سے حصول برکت و توسُّل پر مفسرین

کا اتفاق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا: اس
کی سلطنت (کے من جانب اللہ
ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ
يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ

مُوسَىٰ وَالْهَارُونَ تَحْمِلُهُ
 الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
 لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٥٨﴾

پاس صندوق آئے گا، اس میں
 تمہارے رب کی طرف سے سکون
 قلب کا ساماں ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ
 اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے
 تبرکات ہوں گے، اسے فرشتوں نے
 اٹھایا ہوا ہوگا۔ اگر تم ایمان والے ہو تو
 بیشک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی
 ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ ہم نے ترجمہ میں تبرکات کا لفظ حضرت شاہ ولی اللہ
 محدث دہلوی سے لیا ہے۔ اس کی تفصیل کم و بیش تفسیر کی ہر کتاب میں آئی ہے۔ معالم
 التنزیل، جلالین، التفسیر الکبیر، الجامع لاحکام القرآن، تفسیر بیضاوی، روح البیان، روح
 المعانی، لباب التأویل فی معانی التنزیل، المدارک اور التفسیر المظہری وغیرہ ملاحظہ
 ہوں۔ ہم یہاں دور حاضر کی تین معروف تفاسیر کے حوالے سے اس کا بیان کریں گے:

۱۔ تفسیر "خزائن العرفان"

مولانا سید نعیم الدین مراد آبادیؒ نے اس تابوت کا نہایت جامع بیان کیا
 ہے۔ ہم اسی کو "خزائن العرفان" سے نقل کرتے ہیں:

”یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا زراندوز صندوق تھا جس کا طول تین ہاتھ اور
 عرض دو ہاتھ تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں
 تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید انبیاء ﷺ کی

اور حضور ﷺ کی دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یا قوت سرخ میں تھی کہ حضور ﷺ بحالت نماز قیام میں ہیں اور آپ ﷺ کے گرد آپ ﷺ کے اصحاب ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصویروں کو دیکھا۔ یہ صندوق دراشتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ علیہ السلام اس میں توریت بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ اس میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور آپ کے کپڑے اور نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کا عصا اور تھوڑا سا ”من“ جس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین رہتی تھی۔ آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متواتر ہوتا چلا گیا۔ جب انہیں کوئی مشکل درپیش ہوتی تو اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی برکت سے فتح پاتے۔ جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اور ان کی بد عملیاں حد سے بڑھ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کو مسلط کیا تو وہ ان سے تابوت چھین کر لے گئے اور اس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اور اس کی بے حرمتی کی اور ان گستاخیوں کی وجہ سے وہ طرح طرح کے امراض و مصائب میں مبتلا ہوئے۔ ان کی پانچ بستیاں ہلاک ہوئیں اور انہیں یقین ہوا کہ تابوت کی اہانت ان کی بربادی کا باعث بنی ہے تو انہوں نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو چھوڑ دیا اور فرشتے اس کو بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس لائے اور اس تابوت کا آنا بنی اسرائیل کے لیے طالوت کی بادشاہی کی نشانی قرار دیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل یہی دیکھ کر اس کی بادشاہی کے مقرر ہوئے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کا اعزاز و احترام لازم ہے۔ ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی اور جانتیں روا ہوتی ہیں اور تبرکات کی بے حرمتی گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا سبب ہے۔ اس تابوت میں انبیاء علیہم السلام کی جو تصویریں

تھیں وہ کسی آدمی کی بنائی ہوئی نہ تھیں بلکہ اللہ کی طرف سے آئی تھیں۔

۲۔ ’تفسیر ماجدی‘

مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی ’تفسیر ماجدی‘ سے اقتباس ملاحظہ ہو:

اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام ’تابوتِ سکینہ‘ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملتی اور قومی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخہ توریت مع تبرکاتِ انبیاء محفوظ تھا۔ اسرائیلی اس کو انتہائی برکت و تقدیس کی چیز سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ برتاؤ انتہائی احترام کا رکھتے تھے۔ سفر و حضر، جنگ و امن ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی:

طول: اڑھائی فٹ، عرض: ڈیڑھ فٹ اور بلندی: ڈیڑھ فٹ۔

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اس سے وابستہ سمجھتے تھے۔ مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین لے گئے تھے۔ اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بدطالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لیے نہایت درجہ بیتاب و مضطرب تھے۔ طاہوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آ جانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (متوفی ۹۳۳ ق م) تک رہا اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اسے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں میں دفن ہے۔

”سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ“ یعنی توریت کا نسخہ شفاء اور حضرت موسیٰ

علیہ السلام کا اور حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کی مقدس اولاد کے آثار و تبرکات، بعض اہل طریق نے کہا ہے کہ اولیاء اللہ کے احترام کا جو طریقہ چلا آ رہا ہے اس کی اصل اور سند اس قصہ تابوت سے مل جاتی ہے۔“

۳۔ تفسیر بیان القرآن

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں:

”اور جب ان لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی ان کی من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی ہم مشاہدہ کر لیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جاوے۔ اس وقت ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق بدون تمہارے لائے ہوئے آ جاوے گا جس میں تسکین اور برکت کی چیز ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے یعنی تورات۔ اور تورات کا من جانب اللہ ہونا ظاہر ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ۔ غرض اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے اس طرح سے صندوق کے آ جانے میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔ اس صندوق میں تبرکات تھے۔ قولہ تعالیٰ: ”یا تیکم التابوت فیہ سکنۃ“ اس میں اصل ہے آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔“

اس تفصیل سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو اپنے انبیاء کے تبرکات کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی فوائد عطا فرمائے تھے اور قرآن مجید خود اس امر پر سند ہے اور یہ محض خوش عقیدگی یا تو ہم

پرستی نہیں، جیسا کہ بعض لوگ بلا جواز ایسا خیال کرنے لگتے ہیں تو کیا امت محمدی کو حضور ﷺ سے قلبی نسبت و تعلق اور سچی محبت و ادب کے ذریعے ظاہری و باطنی تبرکات و فیوضات نصیب نہیں ہوں گے؟ کیوں نہیں بلکہ یقینی بات ہے کہ پہلی امتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر نصیب ہوں گے۔ مگر ہم نے آنحضرت ﷺ سے فقط ذہنی اور فکری تعلق تو استوار کیا ہے مگر قلبی اور باطنی تعلق کمزور کر لیا ہے۔

جو لوگ آج بھی آپ ﷺ سے ایسا قلبی و روحانی رشتہ قائم رکھتے ہیں وہ اپنی زندگی میں حضور ﷺ کے الطافِ کریمانہ کے نظارے کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو قصیدہ بردہ کے قلمی اوراق جو مؤلف قصیدہ، امام شرف الدین بوسیریؒ کے زمانے میں لکھے گئے تھے کے آنکھوں پر لگانے سے آشوب چشم میں شفا یابی ہوئی۔ اسی طرح بزرگوں نے حضور ﷺ کے نعلین مبارک کے نقشے کی بہت سی برکات بیان کی ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالے نیل الشفاء ببحال المصطفیٰ میں نقشہ نعل مبارک کے برکات و خواص تفصیل سے درج کیے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

۴۔ آثارِ انبیاء علیہم السلام و صلحاء سے تبرک حاصل

کرنے پر حدیث سے استشہاد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ارضِ ثمود

أن الناس نزلوا مع رسول الله

میں حجر کے مقام میں اترے۔ انہوں

ﷺ علی الحجر ارض ثمود،

نے وہاں کے کنوؤں کا پانی پیا اور اس

فاستقوا من آبارها وعجنوا به

العجین، فأمرهم رسول
 اللہ ﷺ أن يهريقوا ما استقوا و
 يعلفوا الإبل العجین، و أمرهم
 أن يستقوا من البئر التي كانت
 تردها الناقة۔ ❀

سے آٹا (بھی) گوندھا تو رسول اللہ
 ﷺ نے انہیں اس پانی کے بہا دینے
 اور آٹا اونٹوں کو کھلا دینے کا حکم فرمایا۔
 اور فرمایا کہ پینے کا پانی اس کنویں سے
 لو جس پر (حضرت صالح علیہ السلام)
 کی اونٹنی آتی تھی۔

۵۔ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب مساجد کی تعمیر

سورہ کہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى
 أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمُ
 مَسْجِدًا ❀❀

ان (ایمان والوں) نے کہا جنہیں ان
 کے معاملہ پر غلبہ حاصل تھا کہ ہم ان
 (کے دروازہ) پر ضرور ایک مسجد
 بنائیں گے (تاکہ مسلمان اس میں نماز
 پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی
 برکت حاصل کریں)۔

اصحاب کہف جب ۳۰۹ سال کے بعد بیدار ہوئے اور پھر کچھ عرصہ بعد طبعی
 وفات پائی تو لوگوں میں اختلاف ہوا۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ غار کے دروازے پر دیوار
 بنا کر اس کا منہ بند کر دیا جائے اور بعض جو ان میں صاحب اقتدار و اختیار تھے ان کی
 رائے یہ تھی کہ ان کے قرب میں ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تاکہ مسلمان اس میں نماز

پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی برکت حاصل کریں۔ اس طرح اصحاب کہف کی یاد بھی تازہ ہوتی رہے گی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیہ کریمہ کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

ہذه الآية تدل على جواز بناء
المسجد ليصلى فيه عند مقابر
اولياء الله قصدا للتبرك
بہم۔ ❀

یہ آیہ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی
ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کے
قریب ان سے تبرک حاصل کرنے
کے لئے مسجد بنانا تاکہ اس میں نماز

پڑھی جائے، جائز ہے۔

اس ضمن میں آپ بعض لوگوں کا موقف جو حدیث رسول ﷺ کا غلط معنی بیان کر کے ذہنوں میں تشکیک پیدا کرتے ہیں، کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و معنى اتخذوا قبور انبياء هم
مساجد انهم يسجدون الى
القبور كما هو صريح فى
حدیث أبی مرثد الغنوی قال:
قال رسول الله ﷺ: ولا
تجلسوا على القبور ولا تصلوا
إليها۔ (اصح لمسلم، ۱: ۳۱۲) ❀❀

اور اس حدیث کا معنی، کہ انہوں نے
اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا
یہ ہے کہ انہوں نے ان قبروں کو
سجدے شروع کر دیے تھے جیسا کہ
ایک دوسری حدیث رسول ﷺ سے
یہی بات ثابت ہوتی ہے جس میں
حضرت ابو مرثد الغنوی فرماتے ہیں کہ

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قبروں پر
نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف نماز
پڑھو۔

مزاراتِ اولیاء..... جہاں ہر وقت تلاوتِ قرآن حکیم اور ذکرِ الہی کی ایمان افروز آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں..... جب کوئی شخص عبادت و ریاضت میں مشغول ہو کر اولیاء اللہ کے توسل سے اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتا ہے تو رب اپنے ان مقرب بندوں کے توسل سے مانگی ہوئی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔

توسل سے فائدے کا مستحق کون؟

گزشتہ صفحات میں ہم نے انبیائے کرام، تبرکاتِ انبیائے کرام، صالحین اور آثارِ صالحین کے حوالے سے قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت کی کہ ان سے توسل نہ صرف جائز بلکہ عین منشاء خدا و رسول ہے۔ دین و ایمان کا تقاضا ہے اور اس سے کوئی صحیح العقیدہ مسلمان انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اب ہم اس بحث کو سمیٹتے ہوئے قرآن مجید سے ثابت کریں گے کہ اس توسل سے فائدہ اٹھانے کا حق دار کون ہے؟ اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ توسل کا نفع مسلمان کے ساتھ ساتھ کافر کو بھی اس کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے حتیٰ کہ اولیاء کا ملین کے وسیلہ کا فائدہ انسان تو درکنار حیوانات کو بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصحابِ کہف کے کتے نے ان کے وسیلے سے نفع پایا۔ باری تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں کیا:

وَكَلَبُوهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ
اور ان کا کتا (ان کی) چوکھٹ پر اپنے
دونوں بازو پھیلائے (بیٹھا) ہے۔

۳۰۹ سال تک اصحابِ کہف کو زندہ رکھنے میں یہ حکمت الہی کار فرما تھی کہ انہیں آنے والی نسلِ انسانی کیلئے اللہ کی قدرت کی ایک نشانی بنایا جائے مگر اس سے بھی

زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنا ہی عرصہ ان کا کتا ان کے دروازے پر ان کی برکت اور وسیلہ سے ۳۰۹ سال تک بغیر کھائے پئے زندہ بیٹھا رہا۔ اگر کسی اور کا کتا ہوتا تو شاید بہت تھوڑا عرصہ بھی زندہ نہ رہتا اور بغیر کھائے پئے تھوڑے ہی عرصہ میں مر جاتا۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ وہ کتا ان کا ذاتی بھی نہ تھا بلکہ ان کے نان بانی کا تھا۔ جب وہ چلے تو کتا بھی ان کے ساتھ چل پڑا اور ان مقربین کی سنگت نہ چھوڑنے کی وجہ سے قرآن مجید نے بھی اس کی نشست و برخاست کا ذکر کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کتا تو ایسے ہی بیٹھتا ہے پھر کون سی ایسی بات ہے جو کلام الہی کا موضوع بنی اور اس کی نشست و برخاست پر قرآن پاک میں آیات ربانی اتریں؟ یہ سارا کچھ اس لئے کہ کتے نے اللہ کے مقرب اولیاء و صلحاء کی سنگت نہیں چھوڑی اور وفادار بن کر دروازے پر بیٹھا رہا۔ ان کی اسی سنگت نے نہ صرف اس کو تین سو نو سال تک زندہ رکھا بلکہ اسے عام کتوں سے بھی ممتاز کر دیا۔ ان اولیاء کی وجہ سے قرآن حکیم میں جہاں بھی باری تعالیٰ نے اپنے ان پیارے بندوں کا ذکر کیا، ان کے ساتھ ساتھ اس کتے کا بھی ذکر کیا ہے:

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَ	(اب) کچھ لوگ کہیں گے: (اصحاب
يَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ	کہف) تین تھے، ان میں سے چوتھا
كَلْبُهُمْ رَجُمًا بِالْغَيْبِ وَ	ان کا کتا تھا اور بعض کہیں گے: پانچ
يَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَ ثَامِنُهُمْ	تھے، ان میں سے چھٹا ان کا کتا تھا، یہ
كَلْبُهُمْ۔	بن دیکھے اندازے ہیں اور بعض کہیں

گے: (وہ) سات تھے اور ان میں سے آٹھواں ان کا کتا تھا۔

اس آیت کریمہ میں اصحاب کہف کے ساتھ ان کے کتے کا بھی ذکر آ رہا ہے۔ وہ کتا جس نے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اصحاب کہف کی سنگت کو نہ چھوڑا۔ اس کا یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ جہاں اس نے مقربین کا ذکر کیا وہاں کتے کی وفاداری کا بھی ذکر کیا۔

اصحاب کہف کے کتے کی نشست و برخاست کا تذکرہ قرآن میں آ سکتا ہے تو ایک صحیح العقیدہ مسلمان اگر اپنی دعا کی قبولیت کی امید بڑھانے کے لئے اس کے برگزیدہ نبی اور مقرب بندے یا ان سے منسوب کسی متبرک چیز کا وسیلہ پیش کرے یا کسی متبرک مقام پر جا کر دعا کرے یا اولیاء و صلحاء کی صحبت میں آ جائے تو وہ اللہ کے قرب اور اس کی معرفت سے کیسے محروم ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ کے بندے تو رب کی معرفت سے آشنا کرنے اور اس کی رضا کی راہ دکھانے کے حوالے سے وسیلہ ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان بطریق اولیٰ وسیلہ سے حصول نفع کا حقیقی مستحق ہے۔

باب ہفتم

اُمّہ قائلینِ توسُّل

اور

اُن کے معمولات و مشاہدات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ کے محبوب و مقرب بندگان حق کو جو شان و مرتبہ اور عزت و مقام حاصل ہے اور وہ جس طرح بارگاہ ربوبیت سے نوازے جاتے ہیں، اس کے پیش نظر انہیں دنیاوی مہمات کے سر کرنے اور اخروی نجات حاصل کرنے کا وسیلہ بنانا، ان کے مزارات کو قبولیت دعا کا مرکز سمجھنا اور ان میں مدفون اہل اللہ سے وسیلہ و استمداد کا خواستگار ہونا، روحانی و باطنی فیوض و برکات کی درخواست کرنا مدت مدید سے ثقہ علماء، علمائے ربانی اور اکابرین امت کا شیوہ رہا ہے۔ یہ امور جو ہر دور میں اولیائے کرام کے معمولات رہے آج سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت کے نظریات و عقائد کی اساس ہیں۔ پھر یہ کہ انہوں نے تمام امور محض سطحی، لاشعوری یا جذباتی طور پر نہیں اپنائے تھے بلکہ ان کی تہ میں فکر و شعور کا رفرما تھے اور ایک ہمہ گیر تجربہ و مشاہدہ اور قوتِ عمل ان کے مؤید تھے۔ اس لئے بر بنائے تحقیق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے اقوال ثقہ اور مستند تھے اور ہر قسم کے شک و شبہ اور التباس سے بالاتر ہونے کی وجہ سے فہم و فراست رکھنے والے افراد امت کے لئے قوی و محکم دلیل کا درجہ رکھتے ہیں۔

علمائے ربانی، روشن ضمیر اولیاء اور اکابرین امت نے مقبولانِ بارگاہِ الہی کے مزارات کو انوار و تجلیات اور برکات کا حامل قرار دیا ہے جہاں پر کی جانے والی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ ان حضرات مقدسہ کو وسیلہ بنانا کامیابی کی بند راہوں کو کھولنے کا سبب بنتا ہے۔ ان کی عنایات و توجہات دنیوی و اخروی عقدوں کی کشود اور ان کی روحانی مدد ہر قسم کی مشکلات سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کی کہی ہوئی باتیں

تجربہ و مشاہدہ کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں اور انہیں محض کہی سنی (hearsay) قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ہر اعتبار سے حقائق پر مبنی ہونے کے باعث ثابت شدہ ہیں۔

اس دنیا میں دو قسم کے افراد بستے ہیں: ایک وہ جو سرکش، باغی و نافرمان اور قانون شکن عناصر ہونے کے باعث باطل مفادات کے تحفظ کی خاطر ”حلقہٴ اشرار“ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور خلقِ خدا کے لئے آزار اور عذابِ جان کا موجب ہوتے ہیں۔ دوسری طرف وہ خوش خصال، پاک نہاد، خوب سیرت اور نیک طبع لوگ ہیں جو مخلوقِ خداوندی کے لئے سراپا خیر ہوتے ہیں۔ ایسے سعید فطرت اور پاکباز انسانوں کا گروہ

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کے مصداق ”حلقہٴ یاراں“ بن کر ایک دوسرے کے قریب آ جاتا ہے۔ یہ عالی حوصلہ باہمت مردانِ حق جہد مسلسل اور محنت و ریاضت کی بھٹی میں تب کر ایثار و مروت، خلوص و دیانت، صبر و استقامت اور محبت و جانفروشی کی ایسی ناقابلِ فراموش داستانیں جریدہٴ عالم پر رقم کر جاتے ہیں جو پڑھنے سننے والوں کو مبہوت و حیرت زدہ کر دیتی ہیں۔

ان ذواتِ مقدسہ سے کوئی دور خالی نہیں رہا۔ وہ بظاہر اہل دنیا سے کنارہ کش رہتے ہیں لیکن اپنے عادات و اطوار اور گفتار و کردار سے صاف پہچانے جاتے ہیں۔ خلقِ خدا کے لئے ان کا فیضانِ اتنا عام اور ہمہ گیر ہوتا ہے کہ اسے پھولوں کی خوشبو کی طرح مقید نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا سلسلہ کسی دور میں منقطع نہیں ہونے پاتا کہ اللہ رب العزت کی شانِ بندہ نوازی و کرم گستری کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے خاص محبوب بندوں کی فیض رسانی کا سلسلہ رکنے پائے۔ لہذا وہ بندگانِ حق جس طرح اپنی حیاتِ ظاہری میں مخلوق کے لئے عنایاتِ کریمانہ کا مظہر اتم ہوتے ہیں، بعد از وصال بھی اس میں کمی نہیں ہوتی بلکہ ان کا سلسلہٴ کرم پہلے سے بھی سوا ہو جاتا ہے۔ وہ باریابی کے لئے آنے والوں کو اسی

طرح نوازتے ہیں جس طرح اپنی زندگی میں نوازا کرتے تھے۔ ان سے مراد پانے والا
حسی طور پر جان لیتا ہے کہ اس بندہ مقبول حق کی مدد اس کے شامل حال ہوئی ہے۔
توسل و استمداد کے باب میں ہم ان اکابرین امت کی نظریات و معمولات اور
مشاہدات و تجربات پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ اکابر علمائے امت کے نظریات و

معتقدات

۱۔ امام زین العابدینؑ

شہزادہ خاندانِ بتولؑ حضرت امام زین العابدین اپنے جدِ امجد و رحمتِ عالم
ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حصولِ امداد و شفاعت کے لئے اس طرح عرض پیرا نظر آتے
ہیں:

یا رحمة للعلمین! أنت الشفیع المذنبین
اکرم لنا یوم الحزین، فضلا و جودا و الکرم
(اے رحمتِ عالمیاں! آپ گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ اپنی
شانِ جود و کرم اور فضل و احسان کے باعث، کل قیامت کے روز ہمیں بھی
شفاعت کی عزت بخشیں۔)

یا رحمة للعلمین! أدرك لزین العابدین
محبوس أیدی الظالمین، فی مرکب و المزدحم
(اے تمام جہانوں کیلئے رحمت بن کر آنے والے! زین العابدین کی بھی
دستگیری کیجئے جو ظلم و ستم کرنے والی جماعت کے ہاتھوں میں محبوس ہے،

(اور مدد کا خواستگار ہے)۔

۲۔ امام مالکؒ

امام مالک فقہاء اربعہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا: ”کیا میں دعا کرتے وقت قبلہ رخ ہوں (اور نبی اکرم ﷺ کی طرف پشت کروں) یا نبی اکرم ﷺ کی طرف رخ کروں (اور پشت قبلہ کی جانب ہو)؟“ اس استفسار پر امام مالکؒ نے جواب دیا: ”(اے امیر!) تو حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب سے منہ کیوں پھیرتا ہے حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روزِ قیامت وسیلہ ہیں؟ بلکہ تو آپ ﷺ کی جانب متوجہ ہو (کر مناجات کر) اور آپ ﷺ کی شفاعت کا طالب ہو کہ آپ ﷺ اللہ کے سامنے تیری شفاعت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
جَاءُواكَ فَاسْتُغْفِرُوا اللَّهَ وَ
اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا
اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿۵۹﴾

اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب
اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے، آپ کی
خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے
معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان
کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ
(اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر)
ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت
مہربان پاتے۔“

یہ واقعہ قاضی عیاض نے ’الشفاعہ‘ (۵۹۶:۲) میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا

ہے۔ علاوہ ازیں علامہ سبکی نے 'شفاء السقام فی زیارة خیر الانام' میں، علامہ سمودی نے 'خلاصۃ الوفاء' میں، امام قسطلانی نے 'المواہب اللدنیۃ' میں، ابن جماع نے 'ہدایۃ السالک' میں اور امام ابن حجر پیشمی نے 'الجوہر المنظم' میں روایت کیا ہے۔

۳۔ رئیس المفسرین امام قرطبی

انہوں نے 'الجامع لاحکام القرآن (۶: ۵-۲۶۵)' میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۴ کی تفسیر میں توسل کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ امام محمد بن عبداللہ حاکم

امام حاکم نے اپنی کتاب 'المستدرک (۲: ۶۱۵)' میں حدیث توسلِ آدم ﷺ کو ذکر کرنے کے بعد اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۵۔ امام احمد بن حسین بیہقی

امام بیہقی نے اپنی کتاب 'دلائل النبوة (۵: ۴۸۹)' حضرت آدم ﷺ کا نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے والی روایت ذکر کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ کوئی موضوع روایت ذکر نہ کریں۔

امام بیہقی نے 'دلائل النبوة (۶: ۷-۱۶۶)' میں عثمان بن حنیف سے مروی روایت بھی نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۷ پر اور 'السنن الکبریٰ (۳: ۳۵۲)' میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔

۶۔ قاضی عیاض

انہوں نے 'الشفاء (۱: ۸-۲۲۷)' میں صحیح اور مشہور احادیث کے ساتھ حضرت

آدم علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ سے توسُّل کرنا بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی کتاب میں 'باب الزیارة'، 'باب فضل النبی ﷺ' اور دیگر بہت سے ابواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص و فضائل کا ذکر کیا ہے۔

۷۔ شیخ الاسلام ابوزکریا یحییٰ نووی

امام نووی نے اپنی کتاب 'الایضاح' کے چھٹے باب میں مسئلہ توسُّل کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے 'کتاب الاذکار' میں بھی ایسی دعائیں نقل کی ہیں جن سے توسُّل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

۸۔ جواز توسُّل پر امام ابن تیمیہ کا موقف

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب 'قاعدة جلیلة فی التوسُّل والوسيلة' میں اللہ پاک کے قول:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ﴿۱۵۶﴾
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو
اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور
رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو۔

کے تحت کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا صرف حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اتباع کی وجہ سے ہے۔ اور آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ پر ایمان کی وجہ سے یہ توسُّل ہر ایک پر ہر حال میں ظاہر و باطناً اور آپ ﷺ کی حیات میں اور وفات کے بعد موجودگی و غیوبت میں فرض ہے۔ حجت قائم ہونے کے بعد کسی بھی حال میں کسی بھی فرد بشر سے آپ ﷺ پر ایمان و اطاعت کی وجہ اور کسی

بھی عذر کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ اور اللہ جل شانہ کی رحمت تک پہنچنے کے لئے اور اس کی پکڑ و عذاب سے بچنے کے لئے صرف اور صرف آپ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اطاعت کو وسیلہ بنانے کا راستہ ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ مخلوق کی شفاعت کرنے والے اور صاحب مقام محمود ہیں کہ جن پر اولین و آخرین سب رشک کریں گے۔ اور نبی ﷺ کا مقام و مرتبہ اللہ جل شانہ کے دربار میں سب سے عظیم ہے اور تمام شفیعوں (شفاعت کرنے والے) کے مقابلہ میں سب سے بلند ہے۔ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ❀
اور اللہ کے نزدیک وہ بڑے باوقار (اور
آبرو والے) تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَ فِي الْآخِرَةِ ❀❀
وہ دنیا اور آخرت (دونوں) میں قدر و منزلت والا ہوگا۔

جبکہ حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء سے عظیم المرتبت ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کی شفاعت و دعا سے صرف اسی شخص کو نفع ملے گا جس کے لئے آپ ﷺ شفاعت و دعا فرمائیں گے۔ پھر جس کے لئے آپ ﷺ شفاعت و دعا فرمائیں گے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی شفاعت و دعا کو وسیلہ بنائے گا جیسا کہ صحابہ کرام بنا کر تے تھے۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیما۔ ❀❀❀

ایک مرتبہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی ﷺ کو وسیلہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

❀ الاحزاب، ۳۳: ۶۹

❀❀ آل عمران، ۳: ۴۵

❀❀❀ قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسلیۃ: ۵-۶

تو انہوں نے جواب دیا:

”الحمد للہ! نبی ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی محبت و آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام و آپ ﷺ کی دعا و شفاعت اور اسی طرح آپ ﷺ کے افعال اور نبی ﷺ کے حق میں بندوں کے وہ احکام جو ان پر واجب قرار دیے گئے ہیں، کو وسیلہ بنانا باتفاق المسلمین مشروع ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی حیات مقدسہ میں آپ ﷺ سے توسل کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی توسل کیا جس طرح وہ آپ ﷺ سے توسل کیا کرتے تھے۔ ❀

۹۔ علامہ علی بن عبدالکافی سبکی

انہوں نے اپنی کتاب ’شفاء السقام فی زیارة خیر الانام‘ میں بالتفصیل توسل پر بحث کی اور اس کا جواز ثابت کیا ہے، جیسا کہ ہم نے کتاب میں مختلف مواقع پر بیان کیا۔

۱۰۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر

امام ابن کثیر نے اپنی کتاب ’تفسیر القرآن العظیم‘ میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۴ کی تفسیر میں مسئلہ توسل کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے عقی کی روایت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جس میں ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کے روضہ مبارک پر شفاعت کی درخواست لے کر آیا تھا۔ اپنی کتاب ’البدایۃ والنہایۃ (۱: ۱۳۱)‘ میں حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور اس روایت کے موضوع وغیرہ ہونے کا کوئی حکم نہیں لگایا۔ امام ابن کثیر نے ’البدایۃ والنہایۃ (۵: ۱۶۷)‘ میں اس آدمی کا واقعہ

بھی بیان کیا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آ کر بارش کے لیے آپ ﷺ کو وسیلہ بناتا ہے، اور اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ اس کے علاوہ اسی کتاب (۳۰:۵) میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جنگ یمامہ میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ 'یا محمد! مدد فرمائیے' تھا۔

۱۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی

انہوں نے اپنی کتب 'الاصابة في تمييز الصحابة' (۳: ۲۸۴) اور 'فتح الباری' (۶: ۲-۳۹۵) میں اس آدمی کا واقعہ ذکر کیا ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر توٹل کیلئے حاضر ہوا۔

۱۲۔ مولانا عبدالرحمان جامیؒ

مولانا عبدالرحمان جامیؒ کو شعر و تصوف، علم و حکمت اور حدیث میں جو مقام حاصل ہے پورا زمانہ اس کا معترف ہے۔ اس پر مستزاد عشق رسالت مآب ﷺ کی والہانہ کیفیت کسک اور تڑپ آپ کے بے شمار اشعار میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ آپ توٹل کے باب میں اپنے عقیدے کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

اگر نام محمد را نیا ورے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا
(یہ حضور ﷺ کے اسم مبارک کا اعجاز تھا کہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور کشتی نوح ہولناک طوفان کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہی۔)

۱۳۔ امام جلال الدین سیوطی

امام سیوطی نے حضرت آدم علیہ السلام کی توٹل والی حدیث 'الدر المنثور' (۱: ۵۸) میں

اور 'الخصائص الكبرى' (۶:۱) علاوہ 'الریاض اللہیۃ فی شرح اسماء خیر الخلیقہ' (ص: ۹-۴۸) میں بھی بیان کی ہے کہ جہاں وہ کہتے ہیں کہ امام بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۴۔ علامہ قسطلانی

احادیث مبارکہ میں اولیاء کرام کے خاص گروہ کے اوصاف و کمالات کے تذکرے موجود ہیں۔ انہی کی دعا کی برکت سے بارانِ رحمت ہوتی ہے اور مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت علامہ قسطلانیؒ ان کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

فإذا عرضت الحاجة من أمر	جب عام لوگ کسی مصیبت میں گرفتار
العامة ابتهل فيها: النجباء، ثم	ہوتے ہیں تو سب سے پہلے نقباء دعا
النجباء، ثم الأبدال، ثم	کرتے ہیں، پھر باری باری نجباء،
الأخيار، ثم العمد، فإن أجيبوا	ابدال، اخیار اور پھر عمد کی باری آتی
و إلا ابتهل الغوث، فلا يتم	ہے، اگر ان کی دعا قبول ہو جائے تو
مسئلته حتى تجاب دعوتہ۔ ❀	فہما، وگرنہ غوث دعا کرتے ہیں، اور
	مطالبہ ختم ہونے سے پہلے ہی ان کی دعا
	قبول کر لی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان
	پر خاص فضل و کرم ہے۔

علامہ قسطلانیؒ نے 'المواہب اللدنیۃ' کے المقصد الاول میں بھی توسل کا ذکر

❀ ۱۔ المواہب اللدنیۃ، ۲: ۲۶۶

۲۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ۷: ۴۸۷

کیا ہے۔

۱۵۔ امام ابن حجر پاشمی مکیؒ

حضرت احمد شہاب الدین ابن حجر مکیؒ جو فقہا و محدثین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، نے ابو عبد اللہ قریشیؒ کے بیان کردہ مشاہدہ و تجربہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ صاحبان خدا بعد از مرگ بھی زندوں کی طرح دعا و امداد فرماتے ہیں اور ان کی فیض رسانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حضرت ابو عبد اللہ قریشیؒ سے منسوب یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ شدید قحط سالی نے شہر مصر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور لوگوں کی بھوک اور پیاس کی مصیبت باوجود دعا و استغفار کے جوں کی توں تھی:

فسافرت إلى الشام، فلما
وصلت إلى قريب ضريح
الخليل عليه و علي نبينا أفضل
الصلاة والسلام تلقاني، فقلت:
يا رسول الله! اجعل ضيافتي
عندك الدعاء لأهل مصر،
فدعاهم، ففرج الله عنهم۔ ❀

پس میں نے ملک شام کی طرف سفر
کیا۔ جب میں حضرت ابراہیم خلیل
اللہ علیہ السلام کے مزار مبارک کے نزدیک
پہنچا، تو آپ مجھے آگے سے ملے، میں
نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں
مہمان کی حیثیت سے آیا ہوں، میری
ضیافت یوں کریں کہ اہل مصر کے لیے
دعا فرمادیں۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام
نے دعا فرمائی، چنانچہ اللہ پاک نے ان
سے قحط دور فرمادیا۔

اس نادر الوقوع تذکرے میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے بالمشافہ

ملاقات کا جو حال بیان ہوا ہے اس کی وضاحت حضرت امام یافعیؒ نے یوں فرمائی ہے:

فقولہ: تلقانی الخلیل، قول حق
لا ینکرہ إلا جاہل بمعرفة ما
یرد علیہم من الأحوال التی
یشاہدون فیہا ملکوت
السموات و الأرض و ینظرون
الانبیاء أحياء غیر أموات۔ ﴿﴾
حضرت ابو عبد اللہ قرشیؒ کا یہ کہنا کہ
حضرت خلیل علیہ السلام مجھے ملے بالکل برحق
ہے۔ اس کا انکار وہی جاہل کر سکتا ہے
جو اولیاء کرام کے ان احوال و مقامات
سے بے خبر ہو، کیونکہ یہ لوگ زمین و
آسمان کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور انبیاء
کرام علیہم السلام کو بالکل زندہ حالت
میں دیکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ علامہ ابن حجر پیشی نے تو سئل کے موضوع پر ایک خاص رسالہ
'الجوہر المنظم' بھی تحریر کیا ہے۔ اس کے صفحہ ۶۱ پر انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے تو سئل کو
حسن قرار دیا ہے۔

۱۶۔ امام نور الدین قاری

جو کہ ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہیں، نے 'شرح الشفا' میں اس مسئلے پر
گفتگو کی ہے۔

۱۷۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی

علامہ خفاجی نے 'الشفا' کی شرح 'نسیم الریاض' میں تو سئل کا جواز بیان کیا
ہے۔

۱۸۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی

انہوں نے 'شرح المواہب اللدنیۃ' (۱: ۲۰-۱۱۸، ۳: ۲۲۰) میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے۔

۱۹۔ علامہ محمد بن علی شوکانی

علامہ شوکانی نے 'تحفۃ الذاکرین' (ص: ۱۹۵) میں نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنے کا جواز بیان کیا ہے۔

۲۰۔ علامہ ابن عابدین شامی

علامہ ابن عابدین شامی کا شمار ان ماہر و جید علمائے ربانی میں ہوتا ہے جن کی ذہانت و فطانت اور فقہی مہارت کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہے۔ ان کا عظیم علمی و تحقیقی کارنامہ 'رد المحتار علی دُرِّ المختار' کی ضخیم جلدوں کی شکل میں آج بھی دنیا کے اہل علم حضرات کے سامنے موجود ہے جس میں غواصی، تہجر علمی اور تحقیقی بصیرت کی متقاضی ہے۔ روایات میں مذکور ہے کہ جب آپ نے اتنے بڑے کام کا بیڑہ اٹھانے کا ارادہ کیا جو فقہ اسلامی کے بحرِ بے کنار کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے تو اپنی نادریہ روزگار دماغی قابلیت اور صلاحیت پر بھروسہ کرنے کی بجائے بارگاہِ ایزدی میں حضور ﷺ کا وسیلہ جلیلہ پیش کیا۔ آپ کا اللہ تعالیٰ کے حضور آقائے تاجدار ﷺ، خاصانِ الہی اور حضرت امام اعظمؒ کا وسیلہ پیش کرنے کا انداز یہ تھا:

و اِنِّیْ اَسْأَلُہٗ تَعَالٰی مُتَوَسِّلًا اِلَیْہِ
بِنَبِیْہِ الْمَکْرَمِ عَلَیْہِ السَّلَامِ وَ بِاَہْلِ
طَاعَتِہٖ مِنْ کُلِّ ذِی مَقَامٍ عَلَی
اور میں حضور نبی اکرم ﷺ کو، اور عالی
مرتبہ فرمانبردار بندوں کو، اور خاص
طور پر ہادی برحق امام اعظمؒ کو وسیلہ بنا

معظم، و بقدرتنا الإمام الأعظم، أن يسهل على ذلك من إنعامه و يعينى على إكماله و إتمامه و يعينى على إكماله و إتمامه۔ ❀

کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ وہ اپنے احسان سے یہ مشکل آسان کر دے، اور اسے مکمل کر نیکی توفیق بخشے۔

یہ دعا اتنی مستجاب ہوئی اور وسیلے کی ایسی برکت ظاہر ہوئی کہ آپ نے قانونِ اسلامی کے موضوع پر اتنی معرکہ الآرا کتاب تصنیف کر لی جو اتنی مستند تصور کی جاتی ہے کہ شہرت و قبولیت میں کوئی کتاب آج تک اس کے پائے کو نہیں پہنچ سکی۔

اس ضمن میں ایمان افروز بات یہ ہے کہ جس کتاب کی یہ شرح ہے اس کا نام 'در المختار' ہے اور اس کے قدسی صفات مصنف نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کا اذن مبارک حاصل کیا، جس کا تذکرہ ابن عابدینؒ نے یوں فرمایا ہے:

وكان الإذن للشارح حصل منه ﷺ صريحا برؤية منام أو بالهام و ببركته ﷺ، فاق هذا الشرح على غيره۔ ❀❀

اور شارح کو واضح طور پر حضور ﷺ کی طرف سے خواب میں یا الہام کے ساتھ اذن حاصل ہوا تھا، حضور ﷺ کی برکت ہی کے باعث یہ شرح سب پر غالب آئی ہے۔

ان واقعات کے پس منظر پر غور کیا جائے تو اس میں سعادت کا عمل دخل نظر آتا ہے، کسب کا نہیں۔

۲۱۔ علامہ سید محمود آلوسی

آپ اہل اللہ کو وسیلہ بنانے اور ان سے روحانی استمداد کے امکان و جواز کے باب میں سورۃ النازعات کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

۱۔ قیل: إقسام بالنفوس
الفاضلة حال المفارقة لأبدانها
بالموت۔ فإنها تنزع عن
الأبدان غرقاً.....لعسر مفارقتها
أياها حيث الفنه و كان مطية لها
لإكتساب الخير و مظنة
لإزدياده، فتشط شوقاً إلى
عالم الملكوت و تسبح به۔
فتسبق إلى حظائر القدس،
فتصير لشرفها و قوتها من
المدبرات أى ملحقة
بالملائكة أو تصلح هي لأن
تكون مدبرة.....و لذا
قيل.....إذا تحيرتم في الأمور
فاستعينوا من أصحاب القبور
أى أصحاب النفوس الفاضلة
المتوفين، و لا شك في أنه

کہا گیا ہے: اس سورت پاک کے ان
ابتدائی جملوں میں موت کے وقت
نیک لوگوں کی ارواح کی جسموں سے
جدائی کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور
ارواح کی انہی مختلف کیفیات کی قسم
اٹھائی گئی ہے۔ یہ ارواح بدنوں سے
کھینچ کر نکالی جاتی ہیں، کیونکہ ان
بدنوں کے ساتھ مانوس ہونے کی وجہ
سے وہ جدا ہونا پسند نہیں کرتیں۔ اس
نا پسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ نیکیاں
کمانے کیلئے بدن سواری کی حیثیت
رکھتے ہیں، اور ان کی بدولت نیکیاں
بڑھنے کا امکان و گمان زیادہ ہوتا ہے۔
پھر وہ ارواح عالم ملکوت کی طرف پرواز
کرتی ہیں اور تیرتے ہوئے حریم قدسی
تک پہنچ جاتی ہیں، اور اپنی شرافت و
قوت کی وجہ سے کارکنان قضا و قدر کے

يُحْصِلُ لَزَائِرِهِمْ مَدَدَ رُوحَانِي
بِرَكَّتِهِمْ وَكَثِيرًا مَا تَنْحَلُّ عَقْدُ
الْأُمُورِ بِإِنَامِلِ التَّوَسُّلِ إِلَى اللَّهِ
تَعَالَى بِحَرَمَتِهِمْ ❀

ساتھ مل جاتی ہیں یعنی فرشتوں میں
شامل ہو جاتی ہیں، یا انتظام و تصرف کی
صلاحیت حاصل کر لیتی ہیں۔ اسی لیے
کہا گیا ہے: جب تمہیں مشکلات پیش
آئیں تو اہل مزارات سے مدد طلب کیا
کرو، یعنی اللہ کے ان محبوب و مقبول
بندوں سے جو نفوسِ قدسیہ کے مالک
ہیں، اور وصال فرما گئے ہیں۔ اس
میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کے
مزارات پر حاضری دے، اسے ان کی
برکت سے روحانی مدد حاصل ہوتی ہے،
اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں
ان کی حرمت کا وسیلہ پیش کرنے سے
مشکلات کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

وَقِيلَ: إِقْسَامُ بِالنَّفُوسِ حَالِ
سُلُوكِهَا وَتَطْهِيرُ ظَاهِرِهَا وَ
بَاطِنِهَا بِالْإِجْتِهَادِ فِي الْعِبَادَةِ،
وَالْتَرَقِّي فِي الْمَعَارِفِ الْإِلَهِيَّةِ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان جملوں میں
ان پاک سرشت لوگوں کی قسم اٹھالی گئی
ہے، جو میدانِ سلوک میں قدم رکھتے
ہیں اور عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کے

.....فتسبح فی مراتب الارتقاء،

فتسبق إلى الكمالات حتى

تصير من المكملات للنفوس

الناقصة۔ ❁

ذریعے ظاہر و باطن کو پاک کرنے کی
کوشش کرتے ہیں اور معرفتِ خداوندی
حاصل کر لیتے ہیں۔ (ان قدسی لوگوں
پر ان جملوں کا انطباق یوں ہوگا کہ) یہ
حضرات خود کو نفسانی خواہشات سے
روکتے ہوئے عالمِ قدس کی طرف مائل
ہوتے ہیں اور ارتقائی منازل طے
کرتے ہوئے کمالات کی حدوں تک
پہنچ جاتے ہیں، تا آنکہ یہ ناقص و
ناکارہ لوگوں کو کامل و کارآمد اور مقبول
بنانے کے قابل بن جاتے ہیں۔

۲۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ حضور غوث الاعظمؒ کی کتاب ’فتوح الغیب‘
کی ’شرح‘ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام جب فنا میں بشریت کی حد سے ماوراء
عرصہ معرفت میں قدم رکھتے ہیں تو انہیں بارگاہِ الوہیت سے خصوصی صلاحیت و قوت
ارزانی کردی جاتی ہے جس کی بناء پر ظاہری اسباب کے بغیر ان سے کئی امور سرزد
ہونے لگتے ہیں اور وہ عالمِ فنا سے مرتبہ بقاء پر پہنچ کر اسمِ مدبر کی تجلی کے مظہر بن جاتے
ہیں۔ اس طرح ان کو وہ شان حاصل ہو جاتی ہے جو عام مومنین کو جنت میں حاصل
ہوگی۔

۲۳۔ حافظ محمد زاہد کوثری

انہوں نے اپنے 'مقالات' میں تو سئل کے موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے منکرین کے اعتراضات کا رد اور تو سئل کا جواز ثابت کیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق انبیاء اور صالحین سے ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد دونوں صورتوں میں تو سئل (نہ صرف جائز بلکہ) قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے متداول چلا آ رہا ہے۔

۲۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی

مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی کتاب 'نثر الطیب' میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نورِ سرمدی کی برکات و اعجازات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں سب کی پیشانیوں میں اس کی جلوہ پاشی صاف طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔ آپ ﷺ ہی کا نورِ لم یزل حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کا سبب بنا، حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات دلانے کا سبب یہی نور تھا اور اسی نور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود کو گل و گلزار میں بدل دیا۔

حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں جو قصیدہ لکھا، اس کے کچھ اشعار یوں ہیں:

وَرَدْتُ نار الخلیل مُکْتَمًا

فِی صُلْبِهِ أَنْتَ کِیْفَ یَحْتَرِقُ

(آپ ﷺ نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ آگ میں ورد و فرمایا۔ ان کی پشت میں آپ کا نور انہیں کیسے جلا سکتا تھا؟)

وَ أَنْتَ لَمَّا وَلِدْتَ أَشْرَقَتْ الْأَرْضُ

وَ ضَاءَتْ بَنُورِکَ الْأَفْقُ

(اور جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو زمین روشن اور آفاق بقیعہ نور ہو گئے۔)

فَنُحْنُ فِي ذَلِكَ الضياءِ

وَ فِي النّورِ سُبُلُ الرّشادِ نَخْتَرِقُ

(پس ہم اسی روشنی اور نور کے جلو میں ہدایت کے راستے طے کر رہے ہیں۔)

حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار انتہائی توجہ سے سماعت فرمائے اور ان پر اظہار پسندیدگی کیا۔ اگر یہ خلاف واقعہ ہوتے تو آپ ﷺ انہیں ٹوک دیتے۔ ایسا نہ کرنا اس امر کی قوی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو نفس مضمون سے اتفاق تھا اور اسی کو حدیث تقریری کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ”نشر الطیب“ کی اڑھتیسویں فصل کا نام ہی ”آپ ﷺ سے توسّل حاصل کرنا دعا کے وقت رکھا ہے۔ اس فصل میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسّل کسی کی دعا کا جائز ہے، اسی طرح توسّل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔“ پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ایک سائل کو وہی دعا پڑھنے کو کہتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ نے نابینا صحابی کو سکھلائی تھی تو اس روایت سے مولانا اشرف علی تھانوی حضور نبی اکرم ﷺ سے بعد از وفات توسّل ثابت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسّل کرنا کے واقعہ سے غیر نبی سے توسّل کا جواز ثابت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں جب نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف سے توسّل کیا گیا تو مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے بھی جائز کہا ہے۔ آخر میں وہ عقی کی روایت جس میں ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر استغفار کے لیے آتا ہے..... جیسا کہ ہم نے سورۃ نساء کی آیت نمبر ۶۴ کی تفسیر میں واضح کیا ہے..... لکھنے کے بعد کہتے ہیں: ”غرض زمانہ

خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا۔“

۲۵۔ سید احمد بن زینی دحلان

مفتی مکہ سید احمد بن زینی دحلان نے اپنے رسالے 'فتنة الوهابية' میں تو سئل، استغاثہ اور شفاعت کے جواز پر فتویٰ دیا ہے اور معترضین کے شبہات باطل کا جامع رد کیا ہے۔

۲۶۔ شیخ محمد بن علوی المالکی

دورِ حاضر کے معروف مذہبی سکالر حرمِ مکی میں مسندِ تدریس پر فائز عظیم محقق سید محمد بن علوی المالکی نے اپنی کتاب 'مفہیم یجب ان تصحیح' میں تو سئل پر شافی کلام کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی کتاب 'شفاء القواد بزیارة خیر العباد' میں بھی تو سئل پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

۲۷۔ شیخ محمد ہشام کبانی

دورِ جدید کے معروف مذہبی سکالر نے عقائدِ اہل سنت و جماعت کے موضوع پر سات جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب *Encyclopedia of Islamic Doctrine* تصنیف فرمائی ہے۔ اس کی چوتھی جلد میں انہوں نے تو سئل پر بحث کرتے ہوئے مختلف عقلی و نقلی دلائل سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

۲۸۔ شیخ محمود سعید ممدوح

انہوں نے 'تو سئل' کے موضوع پر پائی جانے والی احادیث و آثار کی تخریج و تحقیق پر ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام 'رفع المنارة لتخریج احادیث التوسل والزیارة' ہے۔ اس میں انہوں نے منکرینِ تو سئل کی طرف سے ثقہ و صحیح روایات پر کیے

جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب دیتے ہوئے تو سئل کی حقانیت ثابت کی ہے۔

ب۔ اکابر اولیاء کرام کے معمولات و

مشاہدات

آسمان معرفت و طریقت کے بلند پرواز شاہینوں کو عالم برزخ اور عالم ملکوت ولاہوت کے اسرار و رموز کا جس طرح مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے، وہ عام لوگوں کا مقدر کہاں؟ اس لئے

مستند ہے ان کا فرمایا ہوا
 کے مصداق ان کی رائے پر کسی عام انسان کی رائے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاسکتا اور کسی
 کو چون و چرا کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس غیر مادی جہاں
 کے بارے میں ان کی بات مانی جائے کیونکہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے، وہ مشاہدے کی
 آنکھ سے دیکھ کر فرمایا ہے۔ اور

شنیدہ کے بود مانند دیدہ
 (دیکھی ہوئی بات سنی ہوئی بات کے برابر کب ہو سکتی ہے؟)

ہم ذیل میں چند اکابر اولیائے کرام کے تجربات و مشاہدات قلمبند کرتے ہیں:

۱۔ مزارِ حضرت ام حرام بنت ملحان

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ۲۷ھ میں قبرص پر حملہ آور ہونے

والے عساکر اسلامیہ کے ہمراہ تھیں۔ آپ کے بارے میں حضور ﷺ نے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ تم اس بحری معرکے میں شریک ہوگی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ جہاز پر چڑھتے ہوئے گھوڑے سے گرنے یا پاؤں پھسلنے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا شہید ہو گئیں اور اسی جگہ آپ کی قبر بنادی گئی اور اس کے فیوض و برکات عوام پر آشکارا ہو گئے۔ ان کی قبر ”قبر المرأة الصالحة“ یعنی نیک خاتون کی قبر کے نام سے مشہور ہوئی اور وہاں لوگ جو دعا کرتے ہیں قبول ہوتی ہے اور ان کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ ❀

۲۔ مزارِ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ

آپ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ معرکہ قسطنطنیہ میں آپ شریک جہاد ہوئے۔ دشمن کی سرحد کے قریب حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے۔ مرض نے شدت اختیار کی تو وصیت فرمائی:

إذا أنا مت فاحملونی، فإذا صاففتم العدو فادفنونی تحت أقدامکم، ففعلوا۔ ❀❀

جب میں فوت ہو جاؤں تو میری میت ساتھ اٹھا لینا، پھر جب دشمن کے سامنے صف آرا ہو جاؤ تو مجھے اپنے قدموں میں دفن کر دینا۔ پس انہوں نے (ایسا ہی) کیا۔

چنانچہ آپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے مجاہدین اسلام نے آپ کو قلعہ کے دامن میں دفن کر دیا اور دشمنوں کو متنبہ کیا کہ اگر اس جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کی قبر کی بے حرمتی کی گئی تو بلاد اسلامیہ میں ان کا کوئی گرجا محفوظ نہ رہے گا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی

قبر مبارک کا دشمن بھی احترام کرنے پر مجبور ہو گئے اور بہت جلد اس کے فیوض و برکات کا لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہاں کی جانے والی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

و قبر أبی ایوب قرب سورھا
معلوم..... یستسقون بہ،
فیسقون۔ ❀
حضرت ابو ایوب کی قبر قلعہ کی فصیل کے قریب ہے، اور سب کو معلوم ہے، وہاں پہنچ کر لوگ بارش کے لیے دعا کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں:
كانوا إذا أمحلوا كشفوا عن
قبره، فطمروا۔ ❀❀
جب بھی قحط پڑ جائے تو اظہار و سنیلہ کے لیے لوگ قبر کھول دیتے ہیں، پس بارش ہو جاتی ہے۔

۳۔ محدث ابن ابو حاتم رازیؒ

مشہور محدث ابن ابو حاتم رازیؒ حضرت امام علی رضا بن موسیٰ کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
ما حلت بی شدة فی وقت
مقامی بطوس، و زرت قبر علی
بن موسیٰ الرضا صلوات اللہ
علی جدہ و علیہ، و دعوت اللہ
تعالیٰ إزالتها عنی إلا استجیب
شہر طوس میں قیام کے دوران جب بھی کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، خدا تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول

❀ الاستیعاب لابن عبد البر، ۱: ۲۰۵

❀❀ الاستیعاب لابن عبد البر، ۲: ۶

لی، و زالت عنی تلک الشدة
و هذا شیء جربتہ مراراً۔ ❀

ہوئی، اور مشکل دور ہوگئی۔ یہ ایسی
حقیقت ہے جسے میں نے بار بار آزمایا
ہے۔

۴۔ امام شافعیؒ

امام شافعیؒ امام ابو حنیفہؒ کے مزار مبارک کی برکات کے بارے میں خود اپنا
تجربہ بیان فرماتے ہیں:

إنی لأ تبرک بأبی حنیفة، و
أجیء إلی قبره فی کل یوم
..... یعنی زائر..... فإذا عرضت
لی حاجة صلیت رکعتین، و
جئت إلی قبره، و سألت الله
تعالی الحاجة عنده، فما تبعد
عنی حتی تقضی۔ ❀❀

میں امام ابو حنیفہؒ کی ذات سے برکت
حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر کی
زیارت کے لیے آتا ہوں۔ جب کوئی
ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے تو دو
رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں
اور اس کے پاس (کھڑے ہو کر)
حاجت برآری کے لیے اللہ تعالیٰ سے
دعا کرتا ہوں۔ پس میں وہاں سے نہیں
ہٹتا یہاں تک کہ میری حاجت پوری
ہو چکی ہوتی ہے۔

خطیب بغدادی نے یہ واقعہ صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❀ کتاب الثقات

❀❀ ۱۔ تاریخ بغداد، ۱: ۱۲۳

۲۔ الخیرات الحسان: ۹۴

۳۔ مقالات الکوثری: ۳۸۱

۴۔ رد المختار علی در المختار، ۱: ۴۱

یہ اتنے جلیل القدر امام کا ارشاد اور معمول تھا، جن کا علمی مرتبہ و مقام پورے عالم اسلام میں تسلیم شدہ ہے۔ ان کی فکری و نظری صلابت و درایت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ جب وہ خود فرما رہے ہیں کہ اہل اللہ کے مزارات پر حاضری حصول برکت کا ذریعہ ہوتی ہے تو پھر اس پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ از روئے عقل و منطق نظر نہیں آتی۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی 'اشعة اللمعات' (۲: ۹۲۳) میں امام شافعی کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

”حضرت موسیٰ کاظمؑ کی قبر انور قبولیت دعا کے لیے تریاق مجرب ہے۔“
امام شافعی کا معمول تھا کہ مزارات پر حاضر ہو کر کثرت سے دعائیں مانگتے جو مقبول ہوتیں۔ اس سے انہوں نے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قبولیت دعا کے باب میں یہ جگہیں اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لئے آپ نے امام موسیٰ کاظم کے مزار کو تریاق مجرب قرار دیا۔

۵۔ امام ابن الجوزی

اولیاء کرام کی سوانح 'صفة الصفوة' میں ابراہیم بن اسحاق حرلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

و قبره ظاهر یتبرک به اور ان کی قبر عام ہے لوگ اس سے
برکت حاصل کرتے ہیں۔ الناس۔

انہوں نے اپنی کتاب 'الوفاء باحوال المصطفیٰ' کے پہلے باب (۱: ۳۳) میں حضرت آدم علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنا بھی بیان کیا ہے۔

۶۔ حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی

ان کے بازو کے اوپر والے حصہ پر درم ہو گیا تو انہوں متاثرہ حصہ امام احمد بن حنبلؒ کی قبر مبارک پر رگڑا جس سے وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔
حافظ محمد زاہد کوثری کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ضیاء مقدسی حنبلی نے 'الحکایات المشوۃ' میں لکھا ہے اور میں نے ان کے ہاتھ سے لکھے نسخے میں دیکھا ہے۔ ❀

۷۔ ابوالقاسم قشیریؒ

امام ابوالقاسم قشیریؒ کا شمار اکابر صوفیہ و محدثین میں ہوتا ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں آپ کی ذات مرجع اہل علم تھی۔ آپ مشہور بزرگ اور ولی کامل حضرت معروف کرخیؒ کے بارے میں اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کان من المشائخ الکبار،
مجاب الدعوة، یستشفی
بقبرہ۔ یقول البغدادیون: قبر
معروف تریاق مجرب۔ ❀❀
آپ بزرگ ترین مشائخ میں سے تھے
اور آپ کی دعا قبول ہوتی تھی۔ آج
بھی آپ کی قبر مبارک کے پاس
کھڑے ہو کر شفایابی کی دعا کی جاتی
ہے۔ اہل بغداد کہتے ہیں: حضرت
معروف کرخی کی قبر مجرب اکسیر ہے۔

۸۔ حضرت مجد دالف ثانیؒ

حضرت مجد دالف ثانیؒ اپنی ایک الجھن کا ذکر کرتے ہیں:

❀ مقالات الکوثری: ۳۸۱

❀❀ ۱۔ الرسالة القشیریۃ: ۴۱

۲۔ تاریخ بغداد، ۱: ۱۲۲

۳۔ صفۃ الصفوة لابن الجوزی، ۲: ۲۱۴

”ایک چیز کے بارے میں بڑا تردد تھا مگر اسے حل کرنے کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ اس اثناء میں ایک مدت بیت گئی اور معاملہ جوں کا توں رہا۔ اب یہ فکر دامن گیر رہنے لگی کہ کہیں قابلِ مواخذہ نہ ہو، اس لئے اس سے جلد خلاصی حاصل کرنی چاہئے۔ اس خیال نے طبیعت پر گرانی طاری کر دی اور اس فکری ژولیدگی اور اضطراب سے نجات حاصل کرنے کے لئے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی۔“ آگے انکے اپنے الفاظ یہ ہیں:

اتفاقاً درین وقت گزر بر مزار
عنزینے افتاد، و درین معاملہ آن
عنزینے را مدد و معاون خود کرد،
درین اثنا عنایت خداوندی
جل شانہ در رسید، و حقیقت
معاملہ را کا ینبغی و انود، و
روحانیت حضرت رسالت
خاتیت علیہ و علی آلہ الصلوۃ
و السلام کہ رحمت عالیان
است درین وقت حضور
ارزانی فرمود، و تسلی خاطر
حزین نمود۔ ❀

اتفاقاً اس وقت ایک عزیز کے مزار
مبارک کے قریب سے گزر ہوا اور اس
معاملہ میں اسے بھی اپنا مددگار بنایا، اس
دوران اللہ پاک کی رحمت بھی شامل
حال ہوئی، اور معاملے کی حقیقت کو
اچھی طرح واضح کر دیا، اور حضور رحمۃ
للعالمین خاتم المرسلین ﷺ کی
روحانیت نے مہربانی فرمائی اور حاضر
ہو کر غمگین دل کو تسلی دی۔

۹۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ان اکابر اولیاء میں سے ہیں جو اپنی خداداد بصیرت و معرفت کے باعث بہت سے باطنی حقائق کو چشمِ سر دیکھتے بھی تھے اور انہیں اعلانیہ بیان بھی کر دیتے تھے۔ آپ نے اپنے مشاہدات پر مشتمل 'فیوض الحرمین' کے نام سے جو بے مثال کتاب تصنیف کی ہے اس کے نویں اور دسویں مشاہدے کا لُبِ لباب اس طرح ہے:

آپ فرماتے ہیں: ”ہم نے مدینہ منورہ میں حاضری دی تو حضور نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک کو مثالی شکل میں حسی قوت یعنی آنکھوں سے واضح طور پر دیکھا اور اس روز یہ حقیقت ہم پر منکشف ہوئی کہ روح اطہر کو بھی جسم کی طرح دیکھا جاسکتا ہے اور ہم پر یہ راز بھی کھلا کہ انبیائے کرام کی حیات بعد ممات کا کیا مفہوم و مطلب ہے۔“

”تیسرے روز حاضر ہوئے اور بارگاہِ اقدس میں درودِ سلام کا نذرانہ پیش کیا اور حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروقِ اعظمؓ کے روبرو حاضری دی۔“

”پھر نیاز مندانہ عرض کیا: ”آقا ہم خیر و برکت اور فیضانِ کرم کے حصول کے لئے بڑی آرزوئیں لے کر حاضر ہوئے ہیں، ہمیں اپنی نگاہِ کرم سے نوازیں۔“

اس سے آگے کے منظر کی یوں نقشہ کشی کرتے ہیں:

فانبط إلى انبساطا عظيما،	حضور ﷺ نے بڑی ہی مسرت کا اظہار
حتى تخيلت كأن عطافة رداة	فرمایا، یہاں تک کہ میں نے خیال کیا
لفتني و غشيتني، ثم غطني	گویا آپ ﷺ کی عنایت کی چادر نے
غطة و تبدى لي وأظهر لي	مجھے لپیٹ لیا ہے اور ڈھانپ لیا ہے۔

الأسرار و عرفنی بنفسه، و
أمدنی إمداداً عظيماً إجمالاً و
عرفنی كيف أستمد به فی
حوائجی۔

پھر آپ ﷺ نے معانقہ فرمایا، اور
میرے سامنے ظاہر ہوئے، کئی بھید
کھولے، اور بذاتِ خود مجھے آگاہ
فرمایا، اور اجمالی طور پر میری بہت بڑی
امداد کی، اور مجھے بتایا کہ میں اپنی
ضروریات میں کس طرح
آپ ﷺ سے مدد طلب کروں۔

خلاصہ کلام

یہ وہ چند مشاہدات و تجربات ہیں جو صدیوں پر محیط ہیں۔ ان سے یہ بات
بخوبی ثابت ہے کہ اہل اللہ کی قبور و مزارات خلقِ خدا کے لئے مرجع فیوض و برکات
ہوتے ہیں۔ اہل نظر ان اولیاء اللہ کے مقامات کو بے وقعت اور محض مٹی کا ڈھیر نہیں سمجھتے
بلکہ ان کے بارے میں عقیدہ یہی ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں محبوب و مقبول ہیں۔ ان
میں سے بعض اولیاء کرام صاحبِ تصرف سمجھے جاتے ہیں۔ بزرگانِ دین اور پاکانِ
امت کے عمل کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ وہ انسان جو خود روحانی
بصیرت سے محروم ہو اسے ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ حکم لگا دے کہ اہل اللہ کے
مزارات سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کے بارے میں ایسا تصور کرنا بے سند اور بے
جواز ہے۔

اس ضمن میں ایک بات ضرور پیش نظر رہے کہ صرف وہی اہل مزارات اس
شان کے حامل ہیں جو اللہ کے نہایت مقرب اور محبوب تھے اور ان کی ولایت و بزرگی
کے چرچے ان کی زندگیوں میں ہی عام ہو گئے تھے۔ استمداد بھی ایسے ہی بزرگوں سے

کرنی چاہیے۔ اس بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے واضح صراحت فرمادی ہے۔
آپ فرماتے ہیں:

لاکن استمداد از مشہورین باید مشہور بزرگوں سے ہی امداد طلب کرنی
کرد۔ ❀
چاہیے۔

آپ نے مدفون بزرگ کا مرتبہ معلوم کرنے اور ان سے استمداد کرنے کا
طریقہ بھی بتایا ہے جو ان کے فتاویٰ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حرفِ آخر

گزشتہ صفحات میں ہم نے عقیدہٴ توسُّل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ٹھوس
دلائل سے واضح کر دیا جس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا کہ توسُّل حکمِ ربانی اور ارشاداتِ
نبوی ﷺ کی روشنی میں قربِ الہی اور اس کی بارگاہ سے اپنی دعاؤں کی فوری قبولیت کیلئے
ایک درست، جائز اور شرعی طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک حضور نبی
اکرم ﷺ نے ہمیں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ دورِ صحابہ سے لیکر آج تک جملہ اہل
اسلام نے توسُّل کی تمام جائز صورتوں کو اپنایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضور نبی
اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے توسُّل کیا۔ آپ ﷺ نے
انہیں کسی بھی موقع پر یہ نہ فرمایا کہ تم توسُّل کے ذریعے شرک و بدعت میں مبتلا ہو رہے
ہو اور یہ امر دین کے خلاف ہے۔ اس کے برعکس تاجدارِ کائنات ﷺ نے خود صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم کو بوقتِ حاجت اپنی ذات سے توسُّل کرنے کی ترغیب دی۔ جیسا کہ حضرت عثمان
بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہم نے اس نابینا صحابی کا واقعہ تفصیل سے بیان
کیا، جن کی بینائی حضور نبی اکرم ﷺ کے توسُّل سے فوراً لوٹ آئی تھی۔

حضور نبی اکرم ﷺ اور کبار صحابہؓ کو وسیلہ بنانا اور ان سے توسُّل کرنا صحابہ کرامؓ کے علاوہ تابعین، تبع تابعین اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں و ائمہ کی سنت رہی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی شخص توسُّل و وسیلہ کا انکار کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے اقوال اور افعال صحابہ کرامؓ کی غلط تاویلات کرنے کی کوشش کرے تو اسے حضور نبی اکرم ﷺ کا وہ فرمانِ مد نظر رکھنا چاہئے جس میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو جمیع امت میں بہترین قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم۔
 سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔

اس حدیث مبارکہ سے استفادہ امرِ قابلِ غور ہے کہ کیا منکرینِ توسُّل کے مقابلے میں صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں و ائمہ کا عمل ترجیح نہیں پائے گا؟

یہ بات بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ شہِ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور جو اس حقیقت کا انکار کرے، وہ قرآنی حکم کا منکر ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اللہ تعالیٰ کی سنت پر بھی غور کرنا چاہئے۔ اگر وہ چاہتا تو بلا واسطہ اپنے احکام و فرامین اور کتب نازل فرماتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء و رسل کے

۱۔ صحیح البخاری، ۱: ۵۱۵، ۳۶۲

۲۔ صحیح البخاری، ۲: ۹۸۵، ۹۵۱

۳۔ جامع الترمذی، ۲: ۲۲۶

ذریعے ہم تک پیغام حق پہنچایا۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اللہ رب العزت کی سنت کے برخلاف ان انبیاء و رسل اور ان کے پیروکاروں کے وسیلہ و ذریعہ کے بغیر اس تک پہنچ جائیں، اور اس کے نازل کردہ احکامات پر اسی طرح عمل کریں جس طرح وہ چاہتا ہے یا اس کے انبیاء و رسل نے کیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بغیر وسیلہ کے اپنے ذات تک پہنچانا ہوتا اور اس کی معرفت و مشاہدہ کرانا ہوتا تو وہ کبھی بھی برگزیدہ پیغمبر نہ بھیجتا اور نہ ہی قرآن مجید میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیتا۔

اسے آسان فہم انداز میں ایک مثال کے ذریعے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ پن بجلی ڈیموں سے پیدا کی جاتی ہے لیکن وہاں سے براہ راست گھروں یا کارخانوں کو مہیا نہیں کی جاتی۔ اگر کوئی ڈیم سے بلا واسطہ بجلی لینے کی کوشش کرے گا تو خاکستر ہو جائے گا۔ پاور اسٹیشن سے بجلی گرڈ اسٹیشن تک آتی ہے اور پھر وہاں سے ہر ایک کی ضروریات کے مطابق مختلف نوعیت کے ٹرانسفارمرز کی مدد سے مختلف کیفیت کی بجلی فراہم کی جاتی ہے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ لوگ اپنی گھریلو و صنعتی تنصیبات کی نزاکت و حساسیت کے پیش نظر مختلف قسم کے حفاظتی آلات یعنی اسٹیبلائزر وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں اور ہر شے کو اس کی ضرورت و کیفیت اور گنجائش کے مطابق بجلی فراہم کرتے ہیں، مبادا وہ شے زیادہ وولٹ کا جھٹکا لگنے سے جل جائے۔

جب ہم پاور اسٹیشن سے براہ راست بجلی حاصل کر کے اپنی صنعتی و گھریلو تنصیبات کو نہیں چلا سکتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم ذات باری تعالیٰ سے بلا واسطہ فیوض و برکات حاصل کریں۔ اللہ رب العزت کے جلوہ بے نقاب کا مشاہدہ ہم جیسے عاصی امتیوں کو براہ راست کیونکر میسر آ سکتا ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی اور ان کے ستر (۷۰) امتی ذات باری تعالیٰ کی ایک معمولی تجلی کا عکس کوہ طور پر دیکھ کر برداشت نہ کر سکے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور ان کی قوم کے ۷۰

بندوں کی روح تجلی ذات کے جلوے کی تاب نہ لا کر قفسِ عنصری کا ساتھ چھوڑ بیٹھی جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۵۵ میں مذکور ہے۔ جب اللہ کا ایک برگزیدہ نبی اس کی تجلی ذات سے بے ہوش ہو رہا ہے اور اس جلیل القدر نبی کی صحبت و معیت میں ۷۰۰ بندوں کی زندگی کا چراغ ہی گل ہو گیا تو ہم جیسے پندرہویں صدی کے عاصی و خطاکار بندوں کو جلوہ حق تک براہ راست رسائی کے خواب کیونکر زیب دیتے ہیں؟

بدقسمتی سے آج ہم نے دینی احکام کو بھی اپنی طبیعت اور مسلک کے تابع کر دیا ہے۔ جو بات ہماری طبیعت اور خاص مسلکی ذوق کی تسکین کا باعث ہو، وہ دین ہے جبکہ اس کے علاوہ اگر کوئی امر دینی صحیح اور ثقہ روایات سے ثابت ہو ہماری طبیعتوں اور مسلک سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو ہم اسے دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جملہ دینی عقائد و اعمال کو افراط و تفریط سے ہٹ کر دین کی حقیقی روح کے ساتھ سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

(آمین بجاء سید المرسلین علیہ السلام)

کتابیات

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۱	قرآن مجید	منزل من اللہ	
	<u>احادیث</u>		
۲	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری، ۲۵۶ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۳۸۱ھ
۳	الصحیح لمسلم	امام مسلم بن الحجاج قشیری، ۲۶۱ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۳۷۵ھ
۴	جامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، ۲۷۹ھ	فاروقی کتب خانہ، ملتان و لاہور
۵	سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث، ۲۷۵ھ	ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی
۶	سنن النسائی	امام احمد بن شعیب نسائی، ۳۰۳ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۷	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید قزوینی بن ماجہ، ۲۷۵ھ	ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی
۸	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصمعی، ۱۷۹ھ	میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب، کراچی
۹	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل، ۲۴۱ھ	المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۰	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری، ۲۵۶ھ	دار البیضاء الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ
۱۱	تحفہ الذاکرین	امام محمد بن علی بن محمد شوکانی، ۱۲۵۰ھ	دار الترویج للطباعة والنشر و التوزیع
۱۲	الترغیب و الترہیب	امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری، ۶۵۶ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۸۸ھ
۱۳	التمہید	امام یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی، ۴۶۳ھ	المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، ۱۴۰۲ھ
۱۴	سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ	علامہ محمد ناصر الدین البانی، ۱۳۲۰ھ	المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۵	سنن الدارمی	امام ابو محمد عبداللہ دارمی، ۲۵۵ھ	نشر السنۃ، ملتان، پاکستان
۱۶	سنن سعید بن منصور	امام سعید بن منصور بن شعبۃ خراسانی، ۲۴۷ھ	دار المکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ
۱۷	السنن الکبری	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ۴۵۸ھ	نشر السنۃ، ملتان، پاکستان

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۱۸	شرح السنۃ	امام حسین بن مسعود بغوی، ۵۱۶ھ	المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ
۱۹	الشریعۃ	امام ابو بکر محمد بن حسین لا جزی، ۳۶۰ھ	انصار السنۃ الحمدیہ، لاہور، پاکستان
۲۰	شعب الایمان	امام احمد بن حسین بیہقی، ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۰ھ
۲۱	صحیح ابن حبان	امام محمد بن حبان، ۳۵۴ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۴ھ
۲۲	صحیح ابن خزیمہ	امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، ۳۱۱ھ	المکتب الاسلامی، بیروت
۲۳	العلل المتناہیۃ	امام عبدالرحمن بن علی بن جوزی، ۵۹۷ھ	دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، پاکستان
۲۴	عمل الاذکار	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ
۲۵	عمل الیوم واللیلۃ للنسائی	امام احمد بن شعیب نسائی، ۳۰۳ھ	دارہ معارف نظامیہ، حیدر آباد دکن، بھارت
۲۶	عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی	امام ابو بکر احمد بن محمد ابن السنی، ۳۶۴ھ	مطبعۃ الخیریۃ، ۱۳۲۳ھ
۲۷	کتاب الاذکار	امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی، ۶۷۶ھ	محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، پاکستان، ۱۳۸۶ھ
۲۸	کتاب الموضوعات	امام عبدالرحمن بن علی بن جوزی، ۵۹۷ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۹ھ
۲۹	کنز العمال	علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی، ۹۷۵ھ	مکتبہ و مطبعۃ النهضة الحدیثہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۴ھ
۳۰	الہجر الراح فی ثواب العمل الصالح	حافظ ابو محمد شرف الدین عبد المؤمن بن خلف دمیاطی، ۷۰۵ھ	دار الایمان للنشر و التوزیع، مکہ مکرمہ، سعودی عرب
۳۱	مجمع الزوائد	حافظ نور الدین علی بن ابو بکر ہیثمی، ۸۰۷ھ	
۳۲	المستدرک	امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، ۴۰۵ھ	

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۳۳	مسند ابن ابی اسامة	امام حارث بن محمد بن ابی اسامة داهر تمیمی، ۲۸۲ھ	
۳۴	مسند ابو داؤد الطیالسی	حافظ سلیمان بن داؤد ابو داؤد الطیالسی، ۲۰۴ھ	دارالمعرفہ، بیروت، لبنان
۳۵	مسند ابو عوانہ	امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، ۳۱۶ھ	دارالمعرفہ، بیروت، لبنان
۳۶	مسند ابو یعلیٰ	امام احمد بن علی بن المثنیٰ تمیمی، ۳۰۷ھ	دارالمبایعون للتراث، دمشق، ۱۴۰۴ھ
۳۷	مسند البزار	امام ابو بکر احمد بن عمرو بزار، ۲۹۲ھ	
۳۸	مسند الحمیدی	امام ابو بکر عبداللہ بن زبیر حمیدی، ۲۱۹ھ	المجلس العلمی، ۱۳۸۳ھ
۳۹	مشکاۃ المصابیح	امام محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی	نعمانی کتب خانہ، کابل، افغانستان
۴۰	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، ۲۴۵ھ	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، پاکستان، ۱۴۰۶ھ
۴۱	مصنف عبدالرزاق	امام ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، ۲۱۱ھ	المجلس العلمی، ۱۳۹۰ھ
۴۲	المطالب العلیہ	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	عباس احمد الباز، مکہ مکرمہ، سعودی عرب
۴۳	المعجم الاوسط	امام سلیمان بن احمد طبرانی، ۳۶۰ھ	مکتبۃ المعارف، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۰۵ھ
۴۴	المعجم الصغیر	امام سلیمان بن احمد طبرانی، ۳۶۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ
۴۵	المعجم الکبیر	امام سلیمان بن احمد طبرانی، ۳۶۰ھ	مطبعۃ الزہراء الحدیث، موصل / مکتبۃ ابن تیمیہ، قاہرہ
۴۶	موارد النظمآن الی زوائد ابن حبان	حافظ نور الدین علی بن ابو بکر ہیشمی، ۸۰۷ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
۴۷	نصب الرلیۃ لاحادیث المحدث لیلۃ	امام عبداللہ بن یوسف حنفی زلیعی، ۷۲۲ھ	دارالنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۵۷ھ

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۴۸	تفاسیر ارشاد اعقل السليم الى مزاي القرآن الکریم (تفسیر ابی السعد)	امام ابوسعود محمد بن محمد العمادی، ۹۵۱ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
۴۹	تفسیر البحر المحیط	امام محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی، ۵۵۴ھ	دار الفکر، ۱۴۰۳ھ
۵۰	تفسیر بیان القرآن	مولانا محمد اشرف علی تھانوی، ۱۳۶۲ھ	
۵۱	تفسیر البیضاوی	امام ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی، ۶۸۵ھ	مؤسسۃ الاعلیٰ للطبوعات، بیروت، لبنان، ۱۴۱۰ھ
۵۲	تفسیر جلالین کلاں	امام جلال الدین محلی و امام جلال الدین سیوطی	قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان
۵۳	تفسیر خزائن العرفان	مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، ۱۳۶۷ھ	
۵۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حق، ۱۱۳۷ھ	مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، پاکستان، ۱۴۰۵ھ
۵۵	تفسیر السراج المنیر	شیخ خطیب شربینی	دار المعرفۃ، بیروت، لبنان
۵۶	تفسیر غریب القرآن	امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، ۲۷۶ھ	مکتبہ توحید و سنہ، پشاور، پاکستان، ۱۳۹۸ھ
۵۷	تفسیر القرآن العظیم	امام ابوالغداء اسماعیل بن کثیر دمشقی، ۷۷۴ھ	دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۰ھ
۵۸	التفسیر الکبیر	امام محمد بن عمر فخر الرازی، ۶۰۶ھ	دار الکتب العلمیہ، طهران
۵۹	تفسیر الکشاف	امام محمد بن عمر زخشری، ۵۲۸ھ	مطبعة الاستقامة، قاہرہ، مصر، ۱۳۷۳ھ
۶۰	تفسیر ماجدی	مولانا عبدالماجد دریا آبادی	
۶۱	تفسیر مجاہد	امام ابوالحجاج مجاہد بن جبر التابعی مکی، ۱۰۴ھ	المکتورات العلمیہ، بیروت، لبنان

#	کتاب	مصنف / متونی	ناشر / سن اشاعت
۶۲	التفسیر المنظمی	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ۱۲۲۵ھ	بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، پاکستان، ۱۳۰۴ھ
۶۳	تفسیر المنار	امام محمد رشید رضا، ۱۹۳۵ء	دار المعرفۃ، بیروت، لبنان
۶۴	التفسیر المنیر	ڈاکٹر وہبہ زحلی	دار الفکر المعاصر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۱ھ
۶۵	تفسیر النسائی	امام احمد بن شعیب نسائی، ۳۰۳ھ	دار الفکر، ۱۴۱۰ھ
۶۶	جامع البیان فی تفسیر القرآن	امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، ۳۱۰ھ	دار المعرفۃ للطباعة والنشر، بیروت، لبنان
۶۷	جامع البیان فی تفسیر القرآن	امام محمد بن عبدالرحمن حنفی حنفی، ۸۹۴ھ	دار نشر الکتب الاسلامیہ، گوجرانوالہ، پاکستان
۶۸	الجامع لاحکام القرآن	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی، ۲۶۸ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
۶۹	الجواهر فی تفسیر القرآن الکریم	شیخ طحطاوی جوہری، ۱۳۵۹ھ	دار الفکر
۷۰	حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین	شیخ احمد بن محمد صاوی، ۱۲۴۱ھ	المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، ۱۳۷۵ھ
۷۱	الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی، ۹۱۱ھ	دار المعرفۃ، بیروت، لبنان
۷۲	روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی، ۱۲۷۰ھ	مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان
۷۳	زوائد المسیر فی علم التفسیر	امام عبدالرحمن بن علی بن جوزی، ۵۹۷ھ	المکتبۃ الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۴ھ
۷۴	فتح القدر	امام محمد بن علی بن محمد شوکانی، ۱۲۵۰ھ	مصر، ۱۳۸۳ھ
۷۵	الفتوحات الالہیۃ	امام سلیمان بن عمر عجمی، ۱۴۰۴ھ	دار الفکر
۷۶	کشف الاسرار و عدة الابرار	علامہ ابو الفضل رشید الدین المہدی	مؤسسۃ انتشارات امیر کبیر، تہران، ایران، ۱۳۶۱ھ
۷۷	کتاب التہلیل لعلوم التنزیل	امام محمد بن احمد بن جزی	دار الکتب العربی، بیروت، لبنان
۷۸	لباب التاویل فی معانی التنزیل	امام علی بن محمد بن ابراہیم خازن، ۷۴۱ھ	دار المعرفۃ، بیروت، لبنان
۷۹	المدارک (تفسیر النسفی)	امام عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی، ۷۰۱ھ	دار احیاء الکتب العربیۃ
۸۰	معالم التنزیل	امام حسین بن مسعود بغوی، ۵۱۶ھ	دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۸۱	نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور	امام ابوالحسن ابراہیم بن عمر بقاعی، ۸۸۵ھ	دارہ معارف عثمانیہ، حیدر آباد دکن، بھارت، ۱۳۰۷ھ
	شرح حدیث		
۸۲	اشعۃ الممعات شرح مشکاة	شاہ عبدالحق محدث دہلوی، ۱۰۵۲ھ	فرید بک شال، لاہور، ۱۹۸۳ء
۸۳	تحفۃ الاشراف بمعرفة الاطراف	امام ابوالحجاج یوسف مزنی، ۷۴۲ھ	المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ
۸۴	شرح الصحیح لمسلم	امام ابوزکریا عجمی بن شرف نووی، ۶۷۶ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۳۷۵ھ
۸۵	عمدة القاری شرح صحیح البخاری	امام بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد عینی، ۸۵۵ھ	دارالفکر
۸۶	فتح الباری شرح صحیح البخاری	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	دار نشر المکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ
۸۷	ہدی الساری مقدمہ فتح الباری	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	
	اسماء الرجال		
۸۸	الاستیعاب فی معرفة الاصحاب	امام یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی، ۴۶۳ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۳۲۸ھ
۸۹	اسد الغابۃ	امام ابن الاثیر ابوالحسن جزیری، ۶۳۰ھ	دار المکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
۹۰	الاصابة فی تمييز الصحابة	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۳۲۸ھ
۹۱	التاریخ الکبیر	امام محمد بن اسماعیل بخاری، ۲۵۶ھ	دار المکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
۹۲	تقریب العجائب	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۵ھ
۹۳	التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر الندی	امام ابوزکریا عجمی بن شرف نووی، ۶۷۶ھ	

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۹۴	التقید والایضاح	امام زین الدین ابو الفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی، ۸۰۶ھ	
۹۵	تہذیب التہذیب	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	مجلس دائرہ معارف نظامیہ، حیدرآباد دکن، بھارت، ۱۳۲۵ھ
۹۶	شرح نخبہ الفکر فی مصطلح اہل الاثر	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۶ء
۹۷	فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمن سخاوی، ۹۰۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ
۹۸	الکاشف	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی، ۷۴۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ
۹۹	اکامل فی ضعفاء الرجال	امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی، ۳۶۵ھ	دار الفکر
۱۰۰	کتاب الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث	امام ابو یعلیٰ خلیل بن عبد اللہ خلیلی قزوینی، ۴۴۵ھ	مکتبۃ الرشید، ریاض، سعودی عرب، ۱۹۸۹ء
۱۰۱	کتاب الثقات	امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی، ۳۴۷ھ	
۱۰۲	کتاب الجرح والتعدیل	امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی، ۳۴۷ھ	مجلس دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، بھارت
۱۰۳	لسان المیزان	امام ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، ۸۵۲ھ	مؤسسۃ الاعلیٰ للمطبوعات، بیروت، لبنان، ۱۳۹۰ھ
۱۰۴	المغنی فی الضعفاء	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی، ۷۴۸ھ	
۱۰۵	میزان الاعتدال	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی، ۷۴۸ھ	المکتبۃ الاثریہ، شیخوپورہ، پاکستان، ۱۳۸۲ھ
	<u>سیرت وفضائل</u>		

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۱۰۶	الانوار المحمدیہ	امام یوسف بن اسماعیل نبھائی، ۱۳۵۰ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ھ
۱۰۷	الخصائص الکبری	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی، ۹۱۱ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان
۱۰۸	دلائل النبوة لابن نعیم	امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصہبائی، ۴۳۰ھ	مجلس دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، بھارت، ۱۳۶۹ھ
۱۰۹	دلائل النبوة للبیہقی	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ
۱۱۰	الروض اللائف	امام ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی، ۵۸۱ھ	عبدالنواب اکیڈمی، ملتان، پاکستان
۱۱۱	الریاض اللایقہ بشرح اسماء خیر الخلیفہ	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی، ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ
۱۱۲	زاد السعید	مولانا محمد اشرف علی تھانوی، ۱۳۶۲ھ	تراث الاسلام
۱۱۳	سیرت ابن ہشام	امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام، ۲۱۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ھ
۱۱۴	شرح الزرقانی علی السواہب الملدنیہ	امام محمد بن عبدالباقی زرقانی، ۱۱۲۲ھ	قاہرہ، مصر، ۱۴۰۹ھ
۱۱۵	شرح الشفا للملا علی قاری	امام ملا علی قاری بن سلطان بن محمد، ۱۰۱۴ھ	دار الکتب العربی، بیروت، لبنان
۱۱۶	الشفا جعفر یف حقوق المصطفی	قاضی ابو الفضل عیاض بکھی، ۵۴۴ھ	فاروقی کتب خانہ، ملتان، پاکستان
۱۱۷	شماکل الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، ۲۷۹ھ	مکتبہ رحمانیہ، لاہور، پاکستان
۱۱۸	شماکل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی	مولانا محمد زکریا کاندھلوی	دار بیروت للطباعة والنشر، بیروت، لبنان، ۱۳۹۸ھ
۱۱۹	الطبقات الکبری	امام ابو عبداللہ محمد بن سعد بصری، ۲۴۰ھ	
۱۲۰	فتح المتعال فی مدح المتعال	امام شہاب الدین احمد بن محمد المقرئ، ۱۰۴۱ھ	
۱۲۱	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ۱۱۷۴ھ	محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، پاکستان

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۱۲۲	مناہل الصغانی تخریج احادیث الشفا	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی، ۹۱۱ھ	
۱۲۳	المواهب اللدنیة	امام احمد بن محمد قسطلانی، ۹۲۳ھ	المکتب الاسلامی، بیروت لبنان، ۱۴۱۲ھ
۱۲۴	نسیم الریاض	امام احمد شہاب الدین خفاجی، ۱۰۶۹ھ	المکتبة السلفية، مدینہ منورہ، سعودیہ
۱۲۵	نشر الطیب فی ذکر النبی الحسب ﷺ	مولانا محمد اشرف علی تھانوی، ۱۳۶۲ھ	ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء
۱۲۶	نیل الشفاء بفعال لمصطفی ﷺ	مولانا محمد اشرف علی تھانوی، ۱۳۶۲ھ	
۱۲۷	الوفاء باحوال لمصطفی ﷺ	امام عبدالرحمن بن علی بن جوزی، ۵۹۷ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان، ۱۳۹۷ھ
۱۲۸	وفاء الوفاء باخبار دارا لمصطفی	امام نور الدین علی بن احمد سہودی، ۹۱۱ھ	مطبعة السعادة بمصر، مصر، ۱۳۷۳ھ
۱۲۹	البدلیة والنهاية	امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی، ۷۷۷ھ	دار الفکر، ۱۴۱۹ھ
۱۳۰	تاریخ ابن عساکر	امام ابوالقاسم علی بن حسن بن عساکر، ۵۷۱ھ	دارالمسیرہ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۹ھ
۱۳۱	تاریخ بغداد	حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، ۴۶۳ھ	دارالکتب العربی، بیروت، لبنان
۱۳۲	کتاب المغازی للواقدي	امام محمد بن عمر بن واقد، ۲۰۷ھ	نشر دانش اسلامی، ۱۴۰۵ھ
۱۳۳	فقه اعلام الموقعین عن رب العالمین	امام شمس الدین ابو عبد اللہ بن قیم الجوزی، ۷۵۱ھ	مطبعة السعادة بمصر، مصر، ۱۳۷۳ھ
۱۳۴	رد المحتار علی در المختار	علامہ محمد امین ابن عابدین، ۱۲۵۲ھ	مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، پاکستان، ۱۳۹۹ھ

#	کتاب	مصنف / متونی	ناشر / سن اشاعت
۱۳۵	فتاویٰ اہل حقین	امام سراج الدین عمر بن رسلان بلقینی، ۸۰۵ھ	
۱۳۶	الفتاویٰ الحدیثیہ	امام احمد بن حجر پیشی مکی، ۹۷۳ھ	مصطفیٰ البابی النحلی داوولہ، مصر، ۱۳۵۶ھ
۱۳۷	فتاویٰ عزیز	مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ۱۲۳۹ھ	مطبع مجتہبی، دہلی، بھارت، ۱۳۳۱ھ
۱۳۸	مجموع فتاویٰ	امام احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، ۷۲۸ھ	مکتبہ ابن تیمیہ
۱۳۹	المغنی لابن قدامہ	امام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، ۶۲۰ھ	مکتبہ الرياض الحدیث، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۰۰ھ
<u>عقائد</u>			
۱۴۰	ارغام المبتدی الغنی بجواز التوسل بالنبي ﷺ	امام عبداللہ بن محمد بن صدیق الغماري	
۱۴۱	اقتضاء الصراط المستقیم	امام احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، ۷۲۸ھ	المکتبۃ السلفیہ، لاہور، پاکستان، ۱۳۹۸ھ
۱۴۲	تعلیق علی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ	علامہ محمد ناصر الدین البابی، ۱۲۲۰ھ	
۱۴۳	التوسل والوسیلۃ	امام احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، ۷۲۸ھ	ادارہ ترجمان السنہ، لاہور، پاکستان
۱۴۴	الجوہر المنظم	امام احمد بن حجر پیشی مکی، ۹۷۳ھ	مطبعۃ الخیریہ
۱۴۵	رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ	شیخ محمود سعید ممدوح	دارالامام الترمذی، قاہرہ، مصر، ۱۴۱۸ھ
۱۴۶	شرح العقیدۃ الواسطیۃ لابن تیمیہ	علامہ محمد خلیل ہراس	دارالدعوة السلفیہ، ۱۹۹۲ء
۱۴۷	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	امام تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی، ۷۵۶ھ	دارہ معارف نظامیہ، حیدر آباد دکن، بھارت، ۱۳۱۵ھ

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۱۴۸	شفاء القواد بزيارة خير العباد	امام محمد بن علوی المالکی	پہلا ایڈیشن، ۱۴۱۱ھ
۱۴۹	الصارم المنکی فی الرو علی السبکی	امام محمد بن احمد ضبلی، ۷۴۴ھ	ادارة الترجمة والتالیف، فیصل آباد، پاکستان
۱۵۰	صراط مستقیم	شاہ اسماعیل دہلوی، ۱۲۳۶ھ	مکتبہ بشیق، استنبول، ترکی، ۱۳۹۸ھ
۱۵۱	فتنة الوهابية	سید احمد بن زینی دحلان	کتب خانہ اشرفیہ، کراچی، پاکستان
۱۵۲	القول الجلیل مع شرح شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ۱۱۷۴ھ	دسواں ایڈیشن، ۱۴۱۵ھ
۱۵۳	مغایم حجب ان تصحیح	امام محمد بن علوی المالکی	As-Sunna Foundation of America, 1998.
۱۵۴	Encyclopedia of Islamic Doctrine	Shaykh Muhammad Hisham Kabbani	
تصوف			
۱۵۵	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ صہبائی، ۴۳۰ھ	دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۰ھ
۱۵۶	الرسالة القشيرية	امام ابوالقاسم عبد الکریم قشیری، ۴۵۶ھ	انتشارات بیدار، ایران، ۱۳۷۴ھ
۱۵۷	شرح فتوح الغیب	شاہ عبدالحق محدث دہلوی، ۱۰۵۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۹ھ
۱۵۸	صفحة الصفوة	امام عبد الرحمن بن علی بن جوزی، ۵۹۷ھ	نور کمپنی، لاہور، پاکستان
۱۵۹	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی امام ربانی مجدد الف ثانی، ۱۰۳۳ھ	
ادب			
۱۰۶	کلیات اقبال	ڈاکٹر غلامہ محمد اقبال، ۱۹۳۸ء	
۱۶۱	مثنوی معنوی	مولانا جلال الدین محمد رومی، ۶۷۲ھ	
لغات			

#	کتاب	مصنف / متوفی	ناشر / سن اشاعت
۱۶۲	مفردات الفاظ القرآن	امام حسین بن محمد بن المفصل راغب اصفہائی، ۵۰۲ھ	دارالقلم، دمشق، ۱۳۱۴ھ
۱۶۳	لسان العرب	امام جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، ۷۱۱ھ	دارصادر، بیروت، لبنان
<u>متفرقات</u>			
۱۶۴	الایضاح	امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی، ۶۷۶ھ	
۱۶۵	الخیرات الحسان فی مناقب الامام العظیم ابو حنیفہ	امام احمد بن حجر عسکری، ۹۷۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ
۱۶۶	سلوة الاحزان	امام عبدالرحمن بن علی بن جوزی، ۵۹۷ھ	
۱۶۷	شرح الصدور بشرح حال المولیٰ والقبور	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی، ۹۱۱ھ	دار احیاء الکتب العربیہ، مصر
۱۶۸	الشرح الکبیر	امام ابو الفرج عبدالرحمن بن قدامة، ۶۸۲ھ	
۱۶۹	طرح التثریب فی شرح التقریب	امام زین الدین ابو الفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی، ۸۰۶ھ	
۱۷۰	کتاب الروح	امام شمس الدین ابو عبد اللہ بن قیم الجوزیہ، ۷۵۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ
۱۷۱	کشاف القناع	امام منصور بن یونس بن صلاح الدین بہوتی، ۱۰۵۱ھ	
۱۷۲	مقالات الکوثری	شیخ محمد زاہد کوثری، ۱۳۷۱ھ	ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی، پاکستان

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی معرکہ آراء تصانیف ﴿جنوری 2008ء تک﴾

A. قرآنیات

01. عرفان القرآن (ترجمہ قرآن حکیم)
02. تفسیر منہاج القرآن (سورۃ الفاتحہ، جزو اول)
03. تفسیر منہاج القرآن (سورۃ البقرہ)
04. حکمت استعاذہ
05. تسمیۃ القرآن
06. معارف الکواثر
07. فلسفہ تسمیہ
08. معارف اسم اللہ
09. منہاج العرفان فی لفظ القرآن
10. لفظ رب العالمین کی علمی و سائنسی تحقیق
11. صفت رحمت کی شان امتیاز
12. اسمائے سورۃ فاتحہ
13. سورۃ فاتحہ اور تصور ہدایت
14. اسلوب سورۃ فاتحہ اور نظام فکر و عمل
15. سورۃ فاتحہ اور تعلیمات طریقت
16. سورۃ فاتحہ اور انسانی زندگی کا اعتقادی پہلو
17. شان اولیت اور سورۃ فاتحہ
18. سورۃ فاتحہ اور حیات انسانی کا عملی پہلو (تصور عبادت)
19. سورۃ فاتحہ اور تعمیر شخصیت
20. فطرت کا قرآنی تصور
21. تربیت کا قرآنی منہاج
22. لا اکراه فی الدین کا قرآنی فلسفہ
23. ”کنز الایمان“ کی فنی حیثیت

24. معارف آیۃ الكرسی

25. العرفان فی فضائل و آداب القرآن

26. التصور الإسلامی لطبیعة البشرية

27. نهج التربية الاجتماعية فی القرآن الکریم

28. Qur'anic Concept of Human Guidance

29. Islamic Concept of Human Nature

B. الحدیث

30. الأربعین فی فضائل النبی الامین ﷺ
(حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل و مناقب)
31. الأربعین: بشری للمؤمنین فی شفاعۃ
سید المرسلین ﷺ (حضور نبی اکرم
ﷺ کا منصب شفاعت)
32. السیف الجلی علی منکر ولایۃ
علیؑ (اعلان غدیر)
33. القول المعتبر فی الإمام المنتظرؑ
(امام مہدیؑ)
34. الدرة البيضاء فی مناقب فاطمة الزهراء
سلام اللہ علیہا (سیدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ
علیہا کے فضائل و مناقب)
35. مروج البحرين فی مناقب الحسنین علیہما
السلام (حسین کریمین علیہما السلام کے
فضائل و مناقب)
36. القول الوثیق فی مناقب الصدیقؑ
(صدیق اکبرؑ کے فضائل و مناقب)

37. الكنز الثمين في فضيلة الذكر

والذاكرين (ذكر الہی اور ذاکرین کے فضائل)

اٹھا کر دعا مانگنا

48. الإتيان للخوارج والخوارج

رسول احادیث نبوی ﷺ کی روشنی

میں

38. البدر التمام في الصلوة على صاحب

الدنور والمقام ﷺ (درود شریف کے

فضائل و برکات)

49. اللباب في الحقوق والآداب

حقوق و آداب احادیث نبوی ﷺ کی

روشنی میں

39. تكميل الصحيفة بأسانيد الحديث في

الإمام أبي حنيفة

50. البينات في المناقب والكرامات

فضائل و کرامات احادیث نبوی

ﷺ کی روشنی میں

40. الأنوار النبوية في الأسانيد الحنفية مع

أحاديث الإمام الأعظم

51. العبدية في الحضرة الصمدية

الہی سے تعلق بندگی

41. المنهاج السوي من الحديث النبوي

ﷺ عربی متن، اردو ترجمہ اور تحقیق و

تخریج

52. كنز الإنابة في مناقب الصحابة

کرام ﷺ کے فضائل و مناقب

42. القول الصواب في مناقب عمر بن

الخطاب ﷺ (فاروق اعظم ﷺ کے

فضائل و مناقب)

53. غاية الإجابة في مناقب القراة

بیت اطہار سلام اللہ علیہم کے فضائل و

مناقب

43. روض الجنان في مناقب عثمان بن عفان

(عثمان غنی ﷺ کے فضائل و مناقب)

54. العقد الثمين في مناقب أمهات المؤمنين

أمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے فضائل و

مناقب

44. كنز المطالب في مناقب علي بن أبي

طالب ﷺ (علی اکرم اللہ وجہہ کے فضائل و

مناقب)

55. أحسن السبل في مناقب الأنبياء والرسل

انبیاء و رسل کے فضائل و مناقب

45. الصلاة عند الحنفية في ضوء السنة

النبوية حضور نبی اکرم ﷺ کا طریقہ

نماز

56. روضة السالكين في مناقب الأولياء

و الصالحين اولیاء و صالحین کے فضائل

و مناقب

46. التضييق في صلاة التراويح

رکعت نماز تراویح کا ثبوت

57. جامع السنة فيما يحتاج إليه آخر الأمة

کتاب المناقب (انبیاء کرام، اہل

47. الدعاء بعد الصلاة نماز کے بعد ہاتھ

بیتِ اطہار، صحابہ کرام اور اولیاء و صالحین کے فضائل و مناقب مع عربی متن، اردو ترجمہ و تحقیق و تخریج)

58. الْقَوْلُ الْقَوِيُّ فِي سَمَاعِ الْحَسَنِ عَنْ عَلِيٍّ عليه السلام

59. الْخُطْبَةُ السَّيِّدَةُ فِي أَصُولِ الْحَدِيثِ وَفُرُوعِ الْعَقِيدَةِ

60. مِنْهَاجُ السَّلَامَةِ فِي الدَّعْوَةِ إِلَى الْإِقَامَةِ (إقامتِ دین اور امن و سلامتی کی راہ)

61. تَحْفَةُ النُّقَبَاءِ فِي فَضِيلَةِ الْعِلْمِ وَالْعُلَمَاءِ (فردِ علم و شعور کی اہمیت و فضیلت)

62. كَشْفُ الْأَسْرَارِ فِي مَحَبَّةِ الْمَوْجُودَاتِ لِسَيِّدِ الْأَبْرَارِ عليه السلام (حضور عليه السلام سے حیوانات، نباتات اور جمادات کی محبت)

63. عُمْدَةُ الْبَيَانِ فِي عَظَمَةِ سَيِّدِ وَلَدِ عَدْنَانَ عليه السلام (حضور نبی اکرم عليه السلام کی عظمت اور اختیارات)

64. النِّعْمَةُ الْعُلْيَا عَلَى أَوَّلِ الْخَلْقِ وَآخِرِ الْأَنْبِيَاءِ عليه السلام (حضور عليه السلام کا شرف نبوت اور اولیتِ خلقت)

65. The Ghadir Declaration

66. The Awaited Imam

67. Virtues of Sayyedah Fatimah عليها السلام

68. Precious Treasure of the Virtues of Dhikr & Dhakireen

C. ایمانیات

69. أركان الإيمان

70. ایمان اور اسلام

71. شہادتِ توحید

72. حقیقتِ توحید و رسالت

73. ایمان بالرسالت

74. ایمان بالکتاب

75. ایمان بالقدر

76. ایمان بالآخرت

77. مومن کون ہے؟

78. منافقت اور اس کی علامات

79. Islam and Freedom of Human Will

D. اعتقادات

80. کتاب التوحید (جلد اول)

81. کتاب التوحید (جلد دوم)

82. کتاب البدعة (بدعت کا صحیح تصور)

83. تصور بدعت اور اس کی شرعی حیثیت

84: لفظ بدعت کا إطلاق (احادیث و آثار کی روشنی میں)

85. اقسامِ بدعت (احادیث و اقوالِ ائمہ کی روشنی میں)

86. الْبِدْعَةُ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ وَ الْمُحَدِّثِينَ (بدعتِ ائمہ و محدثین کی نظر میں)

87. حیاۃ النبی عليه السلام

88. مسئلہ استغاثہ اور اس کی شرعی حیثیت

89. تصور استعانت

90. عقیدہ توسل (وسیلہ کا صحیح تصور)

91. عقیدہ شفاعت

92. عقیدہ علم غیب

93. شہرِ مدینہ اور زیارتِ رسول ﷺ
94. ایصالِ ثواب اور اُس کی شرعی حیثیت
95. خوابوں اور بشارات پر اعتراضات کا علمی محاکمہ
96. سُنیّت کیا ہے؟
97. التَّوَسُّلُ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ وَالْمُحَدِّثِينَ (توسل ائمہ و محدثین کی نظر میں)
98. عقیدہ توحید کے سات اُركان
99. مبادیاتِ عقیدہ توحید
100. عقیدہ توحید اور غیر اللہ کا تصور
101. عقیدہ توحید اور اشتراکِ صفات
102. عقائد میں احتیاط کے تقاضے
103. تبرک کی شرعی حیثیت
104. کتاب الزیارة
105. وسائلِ شرعیہ
106. تعظیم اور عبادت
107. Beseeching for Help (Istighathah)
108. Islamic Concept of Intermediation (Tawassul)
109. Real Islamic Faith and the Prophet's Status
- E. سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ
110. مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ (حصہ اول)
111. مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ (حصہ دوم)
112. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد دوم)
113. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد سوم)
114. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد چہارم)
115. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد پنجم)
116. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ششم)
117. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ہفتم)
118. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ہشتم)
119. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد نهم)
120. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد دہم)
121. سیرتِ نبوی ﷺ کا علمی فیضان
122. سیرتِ نبوی ﷺ کی تاریخی اہمیت
123. سیرۃ الرسول ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت
124. قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ کا نظریاتی و انقلابی فلسفہ
125. قرآن اور شمائلِ نبوی ﷺ
126. نورِ محمدی: خلقت سے ولادت تک (میلاد نامہ)
127. میلاد النبی ﷺ
128. تاریخِ مولدِ النبی ﷺ
129. مولد النبی ﷺ عند الأئمة والمحدثین (میلاد النبی ﷺ ائمہ و محدثین کی نظر میں)
130. فلسفہ معراجِ النبی ﷺ
131. حسن سراپائے رسول ﷺ
132. خصائصِ مصطفیٰ ﷺ
133. شمائلِ مصطفیٰ ﷺ
134. برکاتِ مصطفیٰ ﷺ
135. اسمائے مصطفیٰ ﷺ
136. معارفِ اسمِ محمد ﷺ
137. معارف الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ

F. ختم نبوت

164. مناظرہ ڈنمارک
165. عقیدہ ختم نبوت اور قادیانیت
166. عقیدہ ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی
167. مرزائے قادیان اور تشریح نبوت کا دعویٰ
168. مرزائے قادیان کی دماغی کیفیت
169. عقیدہ ختم نبوت اور مرزائے قادیان کا متضاد موقف

G. عبادات

170. ارکان اسلام
171. فلسفہ نماز
172. آداب نماز
173. نماز اور فلسفہ اجتماعیت
174. نماز کا فلسفہ معراج
175. فلسفہ صوم
176. فلسفہ حج

H. فقہیات

177. نص اور تعبیر نص
178. تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب
179. اجتہاد اور اس کا دائرہ کار
180. عصر حاضر اور فلسفہ اجتہاد
181. تاریخ فقہ میں ہدایہ اور صاحب ہدایہ کا مقام
182. احکم الشرعی
183. التصور التشريعی للحکم الإسلامی

138. تحفة السورور فی تفسیر آية نور

139. نور الأبصار بذکر النبی المختار ﷺ

140. تذکارِ رسالت

141. ذکرِ مصطفیٰ ﷺ (کائنات کی بلند ترین حقیقت)

142. فضیلتِ درود و سلام

143. ایمان کا مرکز و محور (ذاتِ مصطفیٰ ﷺ)

144. عشقِ رسول ﷺ: وقت کی اہم ضرورت

145. عشقِ رسول ﷺ: استحکامِ ایمان کا واحد ذریعہ

146. غلامی رسول: حقیقی تقویٰ کی اساس

147. تحفۂ ناموسِ رسالت

148. اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ

149. مطالعہ سیرت کے بنیادی اصول

150. سیرت کا جہالیاتی بیان (قرآن حکیم روشنی

میں)

151. سیرۃ الرسول ﷺ کی دینی اہمیت

152. سیرۃ الرسول ﷺ کی آئینی و دستوری

اہمیت

153. سیرۃ الرسول ﷺ کی ریاستی اہمیت

154. سیرۃ الرسول ﷺ کی انتظامی اہمیت

155. سیرۃ الرسول ﷺ کی علمی و سائنسی اہمیت

156. سیرۃ الرسول ﷺ کی شخصی و رسالتی اہمیت

157. سیرۃ الرسول ﷺ کی تہذیبی و ثقافتی اہمیت

158. سیرۃ الرسول ﷺ کی اقتصادی اہمیت

159. كشف الغطا عن معرفة الأقسام

للمصطفیٰ ﷺ

160. مقام محمود

161. Sirat-ur-Rasul ﷺ, vol. 1

162. Greetings and Salutations on the

Ideal)
210. Qur'anic Philosophy of
Benevolence (Ihsan)

J. اوراد و وظائف

211. الفيوضات المحمدية ﷺ
212. الأذكار الإلهية
213. دلائل البركات في التحيات والصلوات
214. مناجات إمام زين العابدين عليه السلام
215. الدعوات القدسية
216. أحسن المورِد في صلوة المورِد
217. صلوات سور القرآن على سيد ولد
عَدْنَانَ (ﷺ)
218. أسماء حامِل اللّواء مُرتبة على حُرُوف
الهجاء

K. علمیات

219. اسلام کا تصور علم
220. علم..... توحیدی یا تخلیقی
221. مذہبی اور غیر مذہبی علوم کے اصلاح طلب
پہلو
222. تعلیمی مسائل پر انٹرویو
223. Islamic Concept of Knowledge

L. اقتصادیات

224. معاشی مسئلہ اور اُس کا اسلامی حل
225. بلاسود بنکاری کا عبوری خاکہ
226. بلاسود بنکاری اور اسلامی معیشت
227. بجلی مہنگی کیوں؟ IPPs کا معاملہ کیا ہے؟
228. اقتصادیات اسلام (بنیادی تصورات)

184. فلسفۃ الاجتهاد و العالم المعاصر

185. منهاج الخطبات للعیدین و الجمععات

186. Philosophy of Ijtihad and the
Modern World

187. Ijtihad (meanings, application
and scope)

I. روحانیت

188. اطاعت الہی
189. ذکر الہی
190. محبت الہی
191. خشیت الہی اور اُس کے تقاضے
192. حقیقت تصوف
193. اسلامی تربیتی نصاب (جلد اول)
194. اسلامی تربیتی نصاب (جلد دوم)
195. سلوک و تصوف کا عملی دستور
196. اخلاق الانبیاء
197. تذکرے اور صحبتیں
198. حسن اعمال
199. حسن احوال
200. حسن اخلاق
201. مناع قلب و باطن
202. نسا و قلب اور اُس کا علاج
203. زندگی نیکی اور بدی کی جنگ ہے
204. ہر شخص اپنے نفعِ عمل میں گرفتار ہے
205. ہمارا اصلی وطن
206. جرم، توبہ اور اصلاح احوال
207. طبقات العباد
208. حقیقت اعکاف
209. Divine Pleasure (The Ultimate

229. قواعد الاقتصاد في الإسلام

230. الاقتصاد الأربوي و نظام المصر في

الإسلام

M. جهاديات

231. حقيقة جهاد

232. جهاد بالمال

233. شهادت امام حسين (علیه السلام) (فلسفہ و

تعلیمات)

234. شهادت امام حسين (علیه السلام) (حقائق و واقعات)

235. شهادت امام حسين (علیه السلام): ایک پیغام

236. ذبح عظیم (ذبح اسماعیل علیہ السلام) سے ذبح

حسین علیہ السلام تک)

N. فکریات

237. قرآنی فلسفہ انقلاب (جلد اول)

238. قرآنی فلسفہ انقلاب (جلد دوم)

239. اسلامی فلسفہ زندگی

240. فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟

241. منہاج الافکار (جلد اول)

242. منہاج الافکار (جلد دوم)

243. منہاج الافکار (جلد سوم)

244. ہمارا دینی زوال اور اُس کے تدارک کا سہ جہتی

منہاج

245. ایمان پر باطل کا سہ جہتی حملہ اور اُس کا تدارک

246. دورِ حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ

247. خدمتِ دین کی توفیق

248. قرآنی فلسفہ تبلیغ

249. اسلام کا تصور اعتدال و توازن

250. نوجوان نسل دین سے دور کیوں؟

251. تحریک منہاج القرآن: ”افکار و ہدایات“

252. تحریک منہاج القرآن: انٹرویوز کی روشنی میں

253. تحریک منہاج القرآن کی انقلابی فکر

254. روایتی سیاست یا مصطفوی انقلاب.....!

255. اجتماعی تحریکی کردار کے چار عناصر

256. اہم انٹرویو

257. معہد منہاج القرآن

258. Islamic Philosophy of Human Life

259. Islam in Various Perspectives

O. انقلابیات

260. نظام مصطفیٰ (ایک انقلاب آفریں پیغام)

261. حصول مقصد کی جد و جہد اور نتیجہ خیزی

262. پیغمبرانہ جد و جہد اور اُس کے نتائج

263. پیغمبر انقلاب اور صحیفہ انقلاب

264. قرآنی فلسفہ عروج و زوال

265. باطل قوتوں کو کھلا چیلنج

266. سفر انقلاب

267. مصطفوی انقلاب میں طلبہ کا کردار

268. سیرت النبی ﷺ اور انقلابی جد و جہد

269. مقصد بعثت انبیاء علیہم السلام

P. سیاسیات

270. سیاسی مسئلہ اور اُس کا اسلامی حل

271. تصور دین اور حیاتِ نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو

272. نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام

273. آئندہ سیاسی پروگرام

297. حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں (بریلوی) کا علمی نظم

274. Islam - The State Religion

Q. قانونیات

275. میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ

298. اقبالؒ کا خواب اور آج کا پاکستان

299. اقبالؒ اور پیغامِ عشقِ رسول ﷺ

300. اقبال اور تصورِ عشق

301. اقبال کا مردِ مومن

276. اسلامی قانون کی بنیادی خصوصیات

277. اسلامی اور مغربی تصورِ قانون کا تقابلی جائزہ

278. اسلام میں سزائے قید اور جیل کا تصور

279. الجرمیۃ فی الفقہ الاسلامی

S. اسلام اور سائنس

302. اسلام اور جدید سائنس

303. تخلیقِ کائنات (قرآن اور جدید سائنس کا تقابلی مطالعہ)

304. انسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء

305. امراضِ قلب سے بچاؤ کی تدابیر

306. شانِ اولیاء (قرآن اور جدید سائنس کی روشنی میں)

307. Creation of Man

308. Spiritualism and Magnetism

309. Islam on Prevention of Heart Diseases

310. Qur'an on Creation and Expansion of the Universe

311. Creation and Evolution of the Universe

280. Islamic Penal System and its Philosophy

281. Islam and Criminality

282. Islamic Concept of Law

283. Qur'anic Basis of Constitutional Theory

284. Legal Character of Islamic Punishments

285. Legal Structure of Islamic Punishments

286. Classification of Islamic Punishments

287. Islamic Philosophy of Punishments

288. Islamic Concept of Crime

R. شخصیات

289. پیکرِ عشقِ رسول: سیدنا صدیق اکبر ؓ

290. فضائل و مراتبِ سیدنا فاروقِ اعظم ؓ

291. حبیبِ علی کرم اللہ وجہہ لکرم

292. سیرتِ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

293. سیرتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

294. سیرتِ سیدۃ العالم فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا

295. امام ابو حنیفہ ؒ امام الائمہ فی الحدیث

(جلد اول)

296. شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور فلسفہ خودی

T. عصریات

312. اسلام میں انسانی حقوق

313. حقوقِ والدین

314. اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام

315. اسلام میں خواتین کے حقوق

316. اسلام میں اقلیتوں کے حقوق

317. اسلام میں بچوں کے حقوق

318. اسلام میں عمر رسیدہ اور معذور افراد کے حقوق

319. عصرِ حاضر کے جدید مسائل اور ڈاکٹر محمد طاہر

U. تعلیماتِ اسلام (سیریز)

321. سلسلہ اشاعت (۱): تعلیماتِ اسلام

322. سلسلہ اشاعت (۲): ایمان

323. سلسلہ اشاعت (۳): اسلام

324. سلسلہ اشاعت (۴): احسان

دورِ حاضر کے عظیم اسلامی مفکر، مفسر، معلم، مصلح اور نابغہ عصر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری پاکستان کے شہر جھنگ میں 1951ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور قانون کے امتحانات اعلیٰ ترین اعزازات کے ساتھ پاس کیے۔ 1986ء میں پنجاب یونیورسٹی نے آپ کو *Punishments in Islam, their Classification and Philosophy* کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی۔

آپ نے عالم اسلام کی عظیم المرتبت روحانی شخصیت قدوة الاولیاء سیدنا طاہر علاء الدین القادری الکیلانی البغدادی رحمہ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان سے طریقت و تصوف کی تربیت اور روحانی فیضان حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد ماجد ڈاکٹر فرید الدین قادری کے علاوہ مولانا عبدالرشید رضوی، مولانا ضیاء الدین مدنی، مولانا احمد سعید کاکڑی اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی جیسے عظیم المرتبت علماء شامل ہیں۔ آپ پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں قانون کے استاد رہے۔ آپ نے پاکستان میں اور بیرون ملک خصوصاً یورپی ممالک میں اسلام کے مذہبی و سیاسی، روحانی و اخلاقی، قانونی و تاریخی، معاشی و اقتصادی، معاشرتی و سماجی اور تقابلی پہلوؤں کو محیط مختلف النوع موضوعات پر ہزاروں لیکچرز دیے۔ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں وقتاً فوقتاً مختلف علمی و فکری اور عصری موضوعات پر آپ نے فکر افروز لیکچرز دیے ہیں؛ اور آپ کے لیکچرز عالم عرب اور مغربی دنیا کے مختلف ٹی وی چینلز پر بھی نشر کیے جاتے ہیں۔ آپ کی اب تک 400 سے زائد اردو، انگریزی اور عربی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے متعدد تصانیف کا دنیا کی دیگر زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی 1000 کتابوں کے مسودات طباعت کے مختلف مراحل میں ہیں۔ آپ نے دورِ حاضر کے چیلنجوں کے پیش نظر اپنے علمی و تجدیدی کام کی بنیاد عصری ضروریات کے گہرے اور حقیقت پسندانہ تجزیاتی مطالعے پر رکھی، جس نے کئی قابل تقلید نظائر قائم کیں۔ فروغِ دین میں آپ کی تجدیدی و اجتہادی اور احيائی کاوشیں منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔ جدید عصری علوم میں وقیع خدمات سرانجام دینے کے علاوہ آپ نے ”عرفان القرآن“ کے نام سے قرآن حکیم کے اُلوہی بیان کا لغوی و نحوی، ادبی، علمی و اعتقادی اور فکری و سائنسی پہلوؤں پر مشتمل جامع اور عام فہم ترجمہ کیا، جو کئی جہات سے عصرِ حاضر کے دیگر تراجم کے مقابلے میں زیادہ جامع، منفرد اور معیاری ہے۔ علم الحدیث میں آپ کی کثیر تالیفات ایک گراں قدر علمی سرمایہ ہیں، جن میں نمایاں ترین ”المنهاج السَّوِيُّ مِنَ الْحَدِيثِ النَّسَبِيِّ“ اور ”جَامِعُ السُّنَّةِ“ ہیں۔ آپ نے علم الحدیث کی تاریخ میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فن حدیث میں مقام کو دلائل و براہین سے ثابت کیا، اور اس باب میں صدیوں سے موجود غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔

آپ کی قائم کردہ تحریکِ منہاج القرآن دنیا کے 90 سے زائد ممالک میں احيائے ملتِ اسلامیہ اور اتحادِ امت کے عظیم مشن کے فروغ کے لیے مصروفِ عمل ہے۔ آپ نے پاکستان میں عوامی تعلیمی منصوبہ کی بنیاد رکھی جو غیر سرکاری سطح پر دنیا بھر کا سب سے بڑا تعلیمی منصوبہ ہے۔ اس میں ملک بھر میں پانچ یونیورسٹیوں، ایک سو کا لجز، ایک ہزار اسکول، دس ہزار پرائمری اسکول اور پبلک لائبریریوں کا قیام شامل ہے۔ پچھلے چند برسوں میں صرف اسکولوں کی تعداد ہی پانچ سو سے تجاوز کر چکی ہے اور اس سمت تیزی سے پیش رفت جاری ہے۔ آپ کی قائم کردہ سیاسی جماعت ”پاکستان عوامی تحریک“ ملک میں رواداری، برداشت اور اصول پسندی پر مبنی صحت مند سیاسی روایت کی تشکیل میں گراں قدر کردار ادا کر رہی ہے۔ آپ عالم اسلام کی بین الاقوامی پہچان کی حامل شخصیت ہیں، جنہیں اتحاد، امن اور بہبودِ انسانی کے سفیر کے طور پر پہچانا جاتا ہے؛ اور بہبودِ انسانی کے لیے آپ کی علمی و فکری اور سماجی خدمات کا بین الاقوامی سطح پر اعتراف بھی کیا گیا ہے۔

ماضی قریب میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ فردِ واحد نے اپنی دانش و فکر اور عملی جدوجہد سے فکری و عملی سطح پر ملتِ اسلامیہ کی فلاح کے لیے اتنے مختصر وقت میں اتنی بے مثال خدمات انجام دی ہوں۔ بلاشبہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک فرد نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کے دورِ نو کے مؤسس اور تابندہ روشن مستقبل کی نوید ہیں۔



منہاج القرآن پبلیکیشنز

365-M, Model Town, Lahore- Pakistan
Tel: (+92-42) 35168514, 111-140-140, Fax: 35168184
Yousaf Market, Ghazni Street, 38 Urdu Bazar, Lahore. Ph: 37237695
www.minhaj.org, e-mail: sales@minhaj.org



★ B D - 0 0 0 5 - 1 ★